

سید فخر محمد

ارزنگ فقیہ

دلگیرانوں سے نکلی روحانی گفتگو

سرفراز اے شاہ



ہیں..... لیکن جب ہم توبہ کر لیتے ہیں تو ہم حالت جفا سے حالت وفا میں چلے جاتے ہیں۔

☆ قرآن پاک کی تلاوت کی فضیلت بے پناہ ہے۔ بد قسمتی سے ہم تصوف کے بارے میں غلط تصور رکھتے ہیں اور وظائف کو اہم سمجھنے لگے ہیں۔

☆ جب انسان محبت سے رب کو پکارتا ہے تو پھر اُس پر رب کی طرف سے ایسے انعامات اور رحمتوں کی بارش ہونے لگتی ہے جو بے پناہ ہوتی ہے۔

☆ جب آپ دوسرے کا ادب کرتے ہیں، اُس کو عزت دیتے ہیں تو کامیابی اور نصیب کے دروازے آپ کے لیے کھل جاتے ہیں۔

☆ جب انسان دوسروں کی خامیاں اُجاگر نہیں کرتا، انھیں تنقید کا نشانہ نہیں بناتا تو وہ لوگوں کے نزدیک پسندیدہ شخص کہلاتا ہے۔

☆ رب تعالیٰ کے نور نے پوری کائنات کو گھیرے میں لیا ہوا ہے۔ وہ پوری کائنات پر محیط ہے۔

☆ آپ ﷺ سے گہی محبت پیدا کرنے کے لیے ہم آپ ﷺ کی عملی حیات طیبہ کو توجہ اور باریکی سے پڑھیں۔

دل کی گہرائیوں سے نکلی روحانی گفتگو



سرفراز امے شاہ



بائش لائبریری

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

اس کتاب کے کسی بھی حصے کی فوٹو کاپی، سکیپنگ یا کسی بھی قسم کی اشاعت کو پی راءٹ
قانون کی خلاف ورزی تصور کی جائے گی۔ خلاف ورزی کی صورت میں تادیبی
کارروائی عمل میں لائی جائے گی۔
قانونی مشیر: چودھری غلام سرور بنگ، چودھری ریاض اختر



قیمت:- 950/- روپے

US \$ 19

UK £ 12

DVD کے ساتھ

اشاعت: دوم

For suggestions and complaints please contact

info@jbdpress.com

www.qalander.org

جہا تکیر بکس

121۔ ای بلاک بکس II، لاہور۔ فون: 042-35760323

ڈسٹری بیوشن

لاہور: اردو بازار، فون: 042-37220879

لاہور: جہا تکیر سنز، جوہڑا ڈاؤن، فون: 042-35290892-3

لاہور: جہا تکیر سنز، بکس II، فون: 042-35771000

راولپنڈی: کتاب گھر، اقبال روڈ، نزد کینٹی چوک، فون: 051-5539609

کراچی: اردو بازار، فون: 021-32765086

حیدرآباد: نظام ٹیئر 8/194، نوری میٹن، لچھت روڈ، فون: 022-2780128

صاحب بک (0321-4443533) 212۔ جہا تکیر بک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور۔

دکن: اسٹڈی بک، بکس 104، ایرش 1، متحدہ عرب امارات

فون: +9714-4475920

Life Style
PUBLISHERS

انتساب

انتہائی خوبصورت اور منفرد شخصیت
جناب ایس ایم تقی صاحب کے نام
جن کی آج آٹھالیس سال گزر جانے کے بعد
بھی میں بے پناہ عزت کرتا ہوں کہ انھیں
میں نے ہمیشہ افسر سے زیادہ گائیڈ پایا!

صاحبان! اُردو کتاب کا نام فارسی میں رکھنے پر معذرت چاہتا ہوں۔ میری کم علمی کا عالم یہ ہے کہ میرے ذہن میں سوائے ”ارژنگ فقیر“ کے کوئی لفظ آیا ہی نہیں۔

انسان اس طرح سے زندگی گزارے کہ عبادتِ تورب کے لیے کی جائے لیکن زندہ دوسروں کے لیے رہا جائے۔ عبادت اور نیکی ایک جا ہو جائیں تو رب تعالیٰ کی دوستی نصیب ہو جاتی ہے۔

”ارژنگ فقیر“ اسی راہ میں ایک کاوش ہے کہ اللہ سے دوستی اور قرب کے راستے حتی المقدور واضح کر دیے جائیں۔ اس میں کس حد تک کامیابی ہوئی، فیصلہ آپ کریں گے۔

سرفراز اے شاہ
212۔ جہانزیب بلاک
علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

نشت نمبر 1

غور و فکر

- مادیت پرستی کس حد تک جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کیا انسان صرف تقدیر پر اکتفا کرے؟ 30
- حضرت علیؓ کا فرمان ہے ”میں نے دُنیا کو تین طلاقیں دے دیں۔“ اس کا کیا مطلب ہے؟ 30
- کیا مراقبہ کے لیے جگہ اور وقت کی پابندی ضروری ہے؟ مجھے بھی مراقبہ کی اجازت عطا فرمادیجیے۔ ... 30
- رب تعالیٰ کے اختیار ”مالک الملک“ کی وضاحت کریں۔ 31
- اللہ کی طرف سے آزمائش یا امتحان کا کیسے پتا چلے گا کہ یہ پریشانی ہماری آزمائش ہے یا امتحان؟ 31

نشت نمبر 2

کثافتیں دُور کرنے کے طریقے

- سورۃ الفاتحہ کے بارے میں مختصر ابتدائیجیے۔ قرآن پاک کی کتابی صورت کا بیک گراؤنڈ کیا ہے؟ 35
- جب پیدائش کے وقت انسان کی قسمت لکھ دی جاتی ہے تو پھر نیک و بد کا سوال کیوں؟ 37

سورۃ الفاتحہ کے اہم مضامین کا خلاصہ

- سورۃ الفاتحہ کے اہم مضامین بیان فرمادیجیے۔ 38
- حاجی حافظ عالم پناہ میر سید وارث علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ دیول شریف انڈیا کے بارے میں کچھ ارشاد فرمائیں، کیا وارثی سلسلہ انبی سے شروع ہوا؟ 41
- کیا وارثی سلسلہ فقیری لائن کا تسلسل ہے؟ 42
- وارثی سلسلہ میں پیلا لباس کیوں پہنا جاتا ہے؟ 42
- آپ کے مرشد سید یعقوب علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام کے ساتھ بھی وارثی لکھا جاتا ہے۔ کیا وہ بھی وارثی سلسلے سے بیعت تھے؟ 42
- ”زوحانیت، سائنس، علم فطریات اور سال 2012ء“ کتاب کے مصنف فواد صدیقی نے اپنی اس کتاب میں 21 دسمبر 2012ء کو سب سے ہولناک دن قرار دیا ہے۔ 42

نشت نمبر 4

دس کثافتیں

- لوگ کسی شخص میں ایک نقص دیکھ کر اسے اس کی پوری Personality پر Apply کر دیتے ہیں جسے ہم Over Channelisation کہتے ہیں۔ ایسا کیوں؟ 49
- محبت کیا ہے؟ 50

نشت نمبر 5

روحانی کیفیات اور بنیادوں کی تیاری

- سورۃ الرحمن کی برکات کیا ہیں؟ 52
- مرشد سے ملاقات کے بعد بھی مرید کو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس کے اندر کا خالی پن بھر گیا۔ ایک سکون اور اطمینان کی کیفیت ہوتی ہے لیکن کبھی ملاقات کے بعد بہت زیادہ Emptiness کا احساس ہوتا ہے۔ ایسا کیوں؟ 54

- بارگاہ النبی میں اہل حق اور خواست اور قریا وہ ہے کہ جو وہ حق آپ کا مقصد ہو جو اللہ کے پاس ہے اور جو اللہ سے پیارے رسول آقا کے دو جہاں میں اللہ نے اپنی حیات عظیمہ میں اپنے رب سے طلب فرمائی۔ جہاں اس شر سے آپ محفوظ و مامون ہوں جس سے پناہ کے لیے سرور کو نین میں اللہ نے بارگاہ رب میں مقصد قرار مختلف مواقع پر دعا فرمائی۔ آمین۔ 56

- ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ کچھ والدین اپنے بچوں کی ہوس سے اور کچھ بچے اپنے والدین کی سبقت بہم میں جائیں گے۔ کیا یہ حدیث قوی ہے یا ضعیف؟ 56
- آج کل پڑھ لکھے لوگوں کو جاب ملنا مشکل ہو گیا ہے۔ رشوت، سفارش عام ہو گئی مگر انسانی ضروریات جاب کے ذریعے پوری ہوتی ہیں۔ جاب کے حصول کے لیے سفارش کا Concept کیا ہے؟ یہ کس حد تک ہونی چاہیے؟ 57
- دوسروں کا حق مارنے سے کیا مراد ہے؟ 57

نشت نمبر 6

سورۃ التغابن

- سورۃ التغابن کھلے آسمان تلے کھڑے ہو کر پڑھی جائے یا تنہائی میں؟ 64
- کیا بسم اللہ الرحمن الرحیم والے وظیفہ کی مانند سورۃ التغابن پڑھنے کے فوراً بعد بھی سونا ضروری ہے؟ 64
- اسلام میں نظر لگنے کا کیا Concept ہے؟ 64
- سود (Interest) کی ایک خاص Percentage کو بعض ملاکرام نے جائز قرار دیا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟ 65

نشت نمبر 7

نفس سے جنگ

- یہ کیسے پتا چلے گا کہ خواہش قلب کی ہے یا نفس کی؟ 70
- What are UFOs? 70

- جہات اور Other dimensionals کو دیکھنے کے لیے کوئی وسیع بنا دیجیے۔ 71
- کیا ہم آپ سے کچھ نام کے لیے قربانی کر سکتے ہیں؟ 72
- درود شریف کا دور صغیر اور دور کبیر کیا ہے؟ 72

نشت نمبر 8

اکتاب فیض

- سورۃ سبا کے فضائل و خصائل بیان فرمادیجیے۔ 74
- مرشد کی ہدایت پر جب مرید کسی بزرگ کے مزار پر Periodically حاضر ہوتے ہیں تو کیا یہ سچ ہے کہ وہ صاحب مزار اس مرید کو Direct فیض دینے کے بجائے اس کا حصہ اس کے مرشد کو دے دیتے ہیں؟ یوں مرید کو ان بزرگ سے فیض اپنے مرشد کے Through ملتا ہے۔ 74
- کبھی کبھی بہت شدت سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ دنیا کھیل تماشا ہے اور ہم چتلیاں..... یا یہ دنیا ایک بساط ہے اور ہم اس پر بچے ہوئے مہرے جن کی Placement تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ 76
- گھر میں اگر ماں، بہن، بیوی یا بیٹی نماز نہ پڑھے تو ان پر کس حد تک سختی کی جائے کہ وہ نماز باقاعدگی سے ادا کرنے لگیں۔ 77
- آپ اکثر کہتے ہیں فقیر سے علم حاصل کرو۔ یہ علم لدنی ہے، وہ ظائف کامل یا دانائی کی باتوں کا علم؟ 77

نشت نمبر 9

مرشد، مرید اور راہ سلوک

- آیات مجیدہ میں مجاہد کا بیگ گراؤ نہ کیا ہے؟ 81
- کھٹک کا حصول کیسے ممکن ہے؟ 81
- کیسے دیکھیں کہ مرید کو مرشد کی توجہ حاصل ہو رہی ہے یا نہیں؟ اس کو Monitor کیا جا رہا ہے یا نہیں؟ 84
- آپ کے پاس بہت سے لوگ دعا کے لیے آتے ہیں۔ کچھ باقاعدگی سے اور کچھ کبھی کبھار۔ کیا ان سب کا آپ کے ساتھ مرید اور مرشد کا تعلق ہے؟ 85

- اگر مرشد اپنے مرید کو Monitor کر رہے ہوں اور مرید سے جاننے والے میں کوئی بہت بڑی Mistake ہو جائے تو کیا اسے Monitoring سے نکال دیا جاتا ہے اور مرشد کی توجہ مرید پر نہیں رہتی؟ 85
- راہ سلوک پر چلتے چلتے کبھی جانے انجانے میں کوئی ایسی غلطی ہو جاتی ہے کہ یوں لگتا ہے کہ مجھے ریورس کیڑ لگ گیا ہو۔ اس ریورس کیڑ سے کیسے بچا جاسکتا ہے؟ کیا ریورس کیڑ کی Feelings بچہ بھی ہو سکتی ہیں؟ 85
- جب کوئی طالب الہی روحانیت کی دنیا میں قدم رکھتا ہے تو اسے لگتا ہے کہ اس کے Grey areas کو White areas میں تبدیل کیا جا رہا ہے لیکن گزرتے وقت کے ساتھ تبدیلی کا مکمل انداز سے پتہ چلنے لگتا ہے۔ ایسا کیوں؟ 86

نشت نمبر 10

مثبت رویہ اور شکر گزاری

- رب تعالیٰ کو اپنا کون سا Attribute سب سے زیادہ پسند ہے؟ 88
- تیسرا کلمہ سنت الہی کے بارے میں ہے۔ کیا تیسرے کلمہ کا ورد کر کے بھی رب تعالیٰ کا شکر ادا کیا جاسکتا ہے؟ 88
- ہم زاد کیا ہے؟ 89
- سورۃ یس کو قرآن پاک کا دل کیوں کہا جاتا ہے؟ سورۃ یس کو روزانہ پڑھنے کی فضیلت کیا ہے؟ 91
- کشف القبور کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے؟ 91
- میں سورۃ طہ کس طریقے سے پڑھوں کہ میرا Confidence level بہتر ہو جائے؟ 92

نشت نمبر 11

رب پر یقین

- اسلام پر جب مشکل وقت آتا ہے تو فقیر کو درگاہ سے باہر نکالنا چاہیے جیسا کہ حضرت عبد الوہاب ثانی رحمہ اللہ نے اکبر کے خلاف جدوجہد کی۔ اب جب کہ Kharji'ites نے اسلام کو بدھ لے کر کوشش کی ہے تو فقیر کیوں چپ ہیں؟ 93

- ہم اللہ پر بھروسہ کرنا کیوں نہیں سیکھ پاتے؟ جب ہم جانتے ہیں کہ رب سب جانتا ہے تو ہم اُس کو ماننے اور رابطہ پر بھروسہ کرنے کے لیے خود کو Tame کیوں نہیں کرتے؟ ہم شاہ صاحب پر تو بھروسہ کر سکتے ہیں مگر اللہ پر نہیں۔ ایسا کیوں؟ 93
- سائنس کے نظریہ Big Bang اور قرآن کے نظریہ تخلیق کائنات میں کیا مطابقت اور مشابہت ہے؟ 98
- واقعہ معراج کی تشریح سائنس و عقل سے کیسے کی جاسکتی ہے؟ سائنسی نقطہ نظر سے سفر معراج کی وضاحت فرمادیجیے۔ 100

نشست نمبر 12

عمل سے زندگی

- ہمارے رویے غیر مستقل مزاجی کا شکار ہیں۔ ہم خدا کے ساتھ تعلق میں کبھی تو احساس کی اُس منزل پر ہوتے ہیں کہ صرف وہی نظر آتا ہے اسارے راستے روشن دکھائی دیتے ہیں لیکن پھر حالت بدل جاتی ہے اور انسان دنیا میں گمن ہونے لگتا ہے۔ نیکی میں مستقل مزاجی کا حصول کیسے ممکن ہے؟ 104
- اکثر سلسلہ ہائے تصوف میں آیت کریمہ بطور ورد پڑھنے کے لیے دی جاتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور خواجہ ذما رینما ظلمعا للفسا پڑھنے کے لیے کیوں نہیں دی جاتی؟ 105
- ایسا کوئی ذکر بتا دیجیے جو ہماری روح کے Controlling word سے Clash نہ کرتا ہو اور جسے ہم سارا دن پڑھ سکیں۔ 105
- کیا ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج کا تعلق کسی دوسرے Planet سے تھا؟ 106
- ایک قول ہے "بے ادب کا حق کفر اور باادب کا جھوٹ بھی ایمان ہوتا ہے۔" ہم اس سے کیا سیکھ سکتے ہیں؟ 106
- قربانی دینے والے شخص کے لیے مستحب ہے کہ وہ ذی الحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد ہال نہ کٹوائے اور ناخن ختم کرے۔ اس حکم کی وجہ کیا ہے؟ 107
- کیا نماز میں اللہ کی سے پہلے قربانی کی جاسکتی ہے؟ 107
- کیا کسی شخص کی تاریخ پیدائش کے بعد اور نام کے بعد اس کی مطابقت اس شخص کے لیے خوش قسمتی یا بد قسمتی کا موجب ہو سکتی ہے؟ کیا یہ مہر مل کر لے سنا انسان کی خوش قسمتی پر اثر پڑتا ہے؟ 107

- کہا جاتا ہے کہ کئی مسلمان ٹوری ضروری بھلائی بھلائی نے تو شہر پاک کی سات چشتیں دلی کر دی ہیں۔ کیا ایسا ممکن ہے؟ کئی مسلمان موصوفیہ اس سلسلہ تصوف سے غصے رکھتے تھے؟ 108

نشست نمبر 13

چند مضامین قرآن اور حروف کے اثرات

- سورۃ الحديد کے شان نزول اور خاص مضامین کا خلاصہ بیان فرمادیجیے۔ 109
- سورۃ الحديد کے فضائل و خصائص بیان فرمادیجیے۔ 111
- سورۃ الحشر کی آخری تین آیات کی اہمیت اور اثرات کیا ہیں؟ 111

نشست نمبر 14

شکر ان نعمت

- یاجوج ماجوج کے بارے میں کچھ بتائیے۔ 114
- سورۃ الرحمن میں "رب المشرقین و رب المغربین" کے الفاظ ہیں اور اس کے بعد فرمایا گیا "پس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو بھٹلاؤ گے۔" اس کی وضاحت فرمادیجیے۔ 116
- کیا فقیر سے دُعا کروانا جائز ہے؟ بعض اوقات مجھ جیسے جاہل آدمی کو فقیر کے جواب سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ فقیر کو بات شاید ناگوار گزری ہے۔ کیا فقیر سے دُعا کروانے کے کوئی خاص آداب ہیں؟ 116
- حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول "میرا پاؤں تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہے" کی وضاحت کر دیجیے۔ 118
- (الف) قرآن پاک کی نسبت احادیث میں قرآن و آثار قیامت کی تفصیلات زیادہ ملتی ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ 119
- (ب) کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا کر (نعوذ باللہ) آپ ﷺ سے بلند مقام دے دیا گیا؟ 119

نشست نمبر 15

حسن آگہی

- سورۃ العزمل کے بارے میں کچھ بتائیے بالخصوص یہ کہ آپ ﷺ کو "مزمحل" کہہ کر پکارنے کی وجہ کیا ہے؟ 120

- کیا اللہ تعالیٰ کی خدمت میں صرف اپنے کا ہی فرض ہے؟ 121
- بعض صاحب علم، بزرگ اور پاس آنے والوں کا نام اور والدہ کا نام پوچھ کر انھیں اُن کے باطنی حال اور مستقبل کے بارے میں بتا دیتے ہیں۔ اکثر اوقات یہ مخالف دشمنوں کے نام تک بتا دیتے ہیں اور دوسروں کے بارے میں انھیں یہ سب کیسے معلوم ہوتا ہے؟ 122

نشت نمبر 16

دوسروں کی سنیے

- ایک انسان کی طور پر اللہ کی معرفت رکھتا ہے اور اُسے یقین ہے کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں لیکن وہ ایمان کا اعلان اور اظہار کیے بغیر مر جاتا ہے تو کس حیثیت سے مرا 127
- آپ نے ایک بار بتایا تھا کہ آپ بیعت نہیں کرتے۔ لندن میں موجود ایک صاحب نے ہمیں بتایا کہ وہ اور اُن کے بیٹے آپ سے باقاعدہ بیعت ہیں جو آپ نے ہاتھ میں ہاتھ دے کر لی تھی۔ اس کی وضاحت فرما دیجیے۔ 128
- کیا احادیث میں موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بطور اُمتی ہوگا؟ 128
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ نزول کے وقت نبی کے بجائے اُمتی ہونے سے اُن کی نبوت کا تو انکار ہو جائے گا۔ 129
- قرآن پاک کے مطابق پیدا کرنا، مارنا اور رزق دینا اللہ کا کام ہے۔ روایات کے مطابق قرب قیامت کے وقت دجال بھی یہی کام کرے گا۔ کیا تب قرآن کی تعلیمات بدل جائیں گی اور نعوذ باللہ دجال اللہ کے اختیار استمال کرے گا؟ 129
- آپ نے فرمایا تھا کہ کل 70 ہزار جہان اور 20 ہزار عالم ہیں۔ عالم اور جہان سے کیا مراد ہے؟
- ”عالم“ عربی کا لفظ ہے جب کہ ”جہان“ فارسی کا لفظ ہے۔ جب عالم اور جہان کا مطلب ایک ہی ہے تو پھر 70 اور 20 کی تفریق کیوں؟ 130
- نمبر 7 فیال میں رب کی تمام صفات اسم الٰہی ”الحمد“ میں ہیں اور اس کی انتہا ”الملک“ میں ہے۔ اس کی وضاحت فرما دیجیے۔ 130

نشت نمبر 17

منفی سے مثبت تک

- کیا رُوح بھی انہی پانچ ہوتی ہے؟ رُوح کی طاقت و بالیدگی سے کیا مراد ہے؟ 135

- موت و منقے نے لکھا ہے کہ آپ کے مرشد صاحب نے آپ کو ایک خط لکھنے کو ہاتھ اور جاہلیت کی قہقہہ اس کے بعد اُنھیں مانگنی لیکن آپ نے تو عالم انگلی جس پر وہ کچھ مراد آپ سے مراد بھی رہے۔ 136

نشت نمبر 18

عالم اسرار

- مقام حیرت، عالم ہاوت، عالم لاہوت اور عالم جبروت سے کیا مراد ہے؟ 137
- صدقہ و خیرات میں کیا فرق ہے۔ 138
- کیا رب کا شکر نماز کے علاوہ بھی کیا جاسکتا ہے جب کہ نماز میں خُشوع و خُشوع بھی نہ ہو؟ 138
- اُم اپنے اعمال اور اطوار چودہ سو سال پہلے کے مسلمانوں جیسے کس طرح دکھائے ہیں؟ 139
- یورپ میں اخلاقیات کم لیکن ڈسپلن زیادہ ہے۔ وہاں رُوح کی بالیدگی کا کوئی سامان نہیں۔ میں رُوح کی بالیدگی کے لیے پاکستان آیا ہوں کہ شاید مجھے یہاں کوئی ایسا حام یا سہیل مل جائے کہ جس میں اُنہی گری رُوح کی کشائیں دُور ہو سکیں لیکن یہاں بھی مجھے باتیں زیادہ اور عمل کم دکھائی دیتا ہے۔ 139
- آپ نے ایک بار فرمایا تھا کہ دو صوفی آپس میں Ciphred language میں گفتگو کرتے ہیں۔ Ciphred language سے کیا مراد ہے؟ 140

نشت نمبر 19

علم حصولی و حضوری اور درستی اعمال

- علم حصولی اور علم حضوری سے کیا مراد ہے؟ 141
- ایک شخص جو ساری عمر نماز روزے کا پابند رہا ہو اُس نے اپنی اولاد کی اچھی تربیت کی ہو، اگر آخری عمر میں اُس کے اسلام کے بارے میں Concepts گڑبہ ہو جائیں تو ایسے میں اولاد کی کیا ذمہ داری ہے؟ 142
- کیا اسلام واقعی مکمل ضابطہ حیات ہے؟ 143
- ہم علم حضوری جاننے کے تو شوقین ہیں لیکن ”حی حضوری“ کا رویہ نہیں چھوڑ سکتے۔ اللہ اور آپ ﷺ کو راضی کرنے کے لیے ہماری نظر ابتدا کی طور پر کن امور پر ہوتی چاہیے؟ 143

- کیا محض زمینی کافی ہے؟ 144
- اسلام کا اکٹا مک سسٹم کیا ہے؟ ایک ماہر اقتصادیات کے مطابق اسلام کے اکٹا مک سسٹم میں سوشلزم اور Capitalism کی تمام اچھائیاں موجود ہیں۔ 145

نشت نمبر 20

تلاوت قرآن..... رب تعالیٰ سے ہم کلامی کا ذریعہ

- آپ ﷺ سے ہم کجی محبت کیسے پیدا کریں؟ 148
- آپ نے ایک بار بتایا تھا کہ عموماً اہل فقر جو اور اتوار کو صبح 9 سے 10 بجے کے درمیان دو نفل پڑھتے ہیں۔ ان کی فضیلت بیان فرمادیجئے۔ 148
- کیا اپنے مرشد صاحب سے ملاقات کے بعد بھی آپ کو کسی پہنچے ہوئے فقیر کی تلاش رہی؟ 148
- حقیقی طریقہ زندگی کو ثبوت میں ڈھالنے کے لیے تلاوت قرآن پاک کس طرح مؤثر ثابت ہو سکتی ہے؟ 149
- کیا ترجمہ کے بغیر قرآن پاک کی تلاوت کرنے سے بھی ہدایت مل سکتی ہے؟ 150
- وجد سے کیا مراد ہے؟ 150
- مجھے قرآن پاک پڑھنے میں اتنا سرور حاصل نہیں ہوتا جتنا سننے میں۔ 150
- کیا وجہ ہے کہ گوشش اور عبادت کے باوجود ہماری زندگی تبدیل نہیں ہوتی؟ 151

نشت نمبر 21

بدون عشق الہی مشاہدہ حق ممکن نیست

- کیا فرض عبادات اور بنیادی عقائد کی اصلاح کے بغیر محض نیکی سے رب کو پایا جاسکتا ہے؟ 154
- کیا یہ بہتر نہیں کہ نیکی اور عبادت کا Blend معلوم کیے بغیر ہی نیکی کی راہ پر چل پڑیں؟ 156
- آج کل کی شرفیں، جان وادوں کی تصویریں یا پاملو کا Logo کنڈہ (Emboss) ہوتا ہے۔ کیا ایسی قمیص پہن کر نماز ہو جاتی ہے؟ 157
- کچھ گروہوں میں بزرگوں کی تساویر لگی ہوتی ہیں۔ کیا ایسے کمروں میں نماز پڑھی جاسکتی ہے؟ 157

کیا Aspiration سے پہلے Sustains Inspiration کہلے؟

- کوئی طریقہ ہے؟ 157
- راہ سلوک میں سالک کو بہت سے مشاہدات حاصل ہوتے ہیں لیکن انہیں انہی مشاہدات اور حقائق کی بنیاد پر قرار دینا چاہیے؟ 158

نشت نمبر 22

توکل علی اللہ

- کیا موسیقی اسلام میں جائز ہے؟ 162
- کیا ہمارے سات میں سے پانچ لطائف مختلف پیغمبروں سے روشنی لیتے ہیں؟ 162
- کیا سورۃ التغابن پڑھنے سے یہ نشان دہی ہو جاتی ہے کہ کسی انسان کا راجہ تصوف میں مرشد یا گائیڈ کون ہے؟ 163
- قصہ کے عنصر کو اپنی ذات سے کیسے نکالا جاسکتا ہے؟ 163
- کیا ایسا ممکن ہے کہ انسان ابتدا میں اسرار الہی کی جھلک دیکھ لے تاکہ باقی روحانی سفر جرات قدمی سے طے ہو سکے؟ 164
- خیال کی اصلاح کیسے ممکن ہے؟ 164
- میں روحانیت کی راہ پر ہر طرح کی آزمائش اور مشکلات کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن چاہتا ہوں کہ میری فیملی کو مالی تنگی کا شکار نہ ہونا پڑے۔ 164

نشت نمبر 23

ذوقی مناجات سے شوقی ملاقات تک

- سورۃ یس کے فضائل بیان فرمادیجئے۔ 165
- سورۃ الملک کی فضیلت بیان فرمادیجئے۔ 166
- میں نے ذہنی ورزش کے طور پر مراقبہ شروع کیا۔ اس سے دل میں سکون کے ساتھ ساتھ جسم میں کراہت بھی محسوس ہوتا ہے۔ اس میں مزید بہتری کیسے لائی جائے؟ 167

- یہ کیسے ممکن ہوا کہ کائنات ایک دم سے وجود میں آگئی؟ 168
- انسان مختار ہے یا مجبور؟ 169
- کیا حقیقی مسائل تصوف کا علم حاصل کرنے سے پہلے بنیادیں مضبوط کرنا ضروری ہے؟ 169
- آپ کسی کو نافی اور کسی کو کوئی اور چیز دیتے ہیں۔ جن کو کوئی اور چیز دیتے ہیں کیا وہ آپ سے زیادہ قریب ہوتے ہیں؟ اور کیا نافی دینے کا کوئی خاص مقصد ہوتا ہے؟ 169
- آپ دعا کرو دیجیے کہ میں اپنے ذمہ واجب الادا تمام قرض ادا کروں اور پھر اللہ مجھے

- موت دے دے۔ 170
- ایسا کیا کام کروں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور سرخرو ہو جاؤں۔ 170
- مجھے اپنے اعمال کی وجہ سے حج و عمرہ پر جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ 170
- جب مرنے کے بعد رب تعالیٰ کی طرف ہی لوٹ جانا ہے تو پھر پریشانی کس بات کی؟ 171
- کہا جاتا ہے کہ ہمارے ارد گرد کے لوگ ہماری آزمائش کے لیے بنائے گئے ہیں۔ جب آزمائش اسی طرح ہو جانی ہے تو پھر مزاح جڑا کا معاملہ کیوں؟ 171
- کیا ایک لاکھ بار اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کے مرتبے کو پہنچا جاسکتا ہے؟ 172
- کوئی طریقہ بتا دیجیے کہ مرتے وقت جان آسانی سے نکل جائے۔ 172

نشت نمبر 24

فضیلت تلاوت کلام پاک

- کیا نام کا انسانی شخصیت پر اثر پڑتا ہے؟ کیا نام تبدیل کرنے سے پہلے والا اثر ختم ہو جاتا ہے؟ کیا نام، مقام پیداؤں اور وقت پیداؤں میں بھی شخصیت پر اثر انداز ہوتا ہے؟ 174
- لہذا تو بہت جلد ختم ہو جاتی ہے۔ عبادت میں تسلسل کے لیے کیا کیا جائے؟ 176
- کیا غیر سید مسلمان کے لیے بھی روحانی سفر میں ترقی ممکن ہے یا انھیں محض ایک خاص حد تک ہی علم عطا ہوتا ہے؟ 176
- تلاوت کلام پاک کے وقت کیا نیت اور مقصد پیش نظر ہونا چاہیے؟ 176
- کائنات محمدان اور محمداتوں میں بنائی گئی۔ اللہ کے "کھن" کہنے سے کام ہو جاتا ہے پھر چو دن کیوں؟ 177

- (الف) کیا فخر کے لیے طریت ضروری ہے؟ 178
- (ب) نفس امارہ کے تحت کی جانے والی نیت اور بڑا انکسار نیت میں کیا فرق ہے؟ 178

نشت نمبر 25

سورۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مشاہدۃ اسرار

- فنا کیا ہے؟ میں میں نہ رہوں تو ہو جاؤں؟ 183
- کیا معاملات کی ذرستی کو دلالت کہتے ہیں؟ 184
- تجدید کسے کہتے ہیں؟ 184

نشت نمبر 26

کلام الہی

- کیا الفاظ کے بھی اثرات ہوتے ہیں؟ 186
- ہوائی چیزوں کی وجہ سے کچھ اوقات میں باہر نکلنے سے منع کیا جاتا ہے۔ ایسا کیوں؟ 186
- باقاعدگی سے قرآن پاک کے دو تین زکوع ترتیب سے ہر روز پڑھنے کے فوائد زیادہ ہوں گے یا کسی وظیفہ کے پڑھنے کے؟ 187
- کیا فقیر پر خدمت خلق کی ڈیوٹی Mandatory ہوتی ہے؟ 187
- باوجود رہنے کے فوائد کیا ہیں؟ 188
- سورۃ الواقعة کی اس آیت کی وضاحت فرما دیجیے "اس کو نہیں چھوئے مگر وہ جبر پاک ہیں۔" 188
- کیا حجدۃ تلاوت مؤخر کیا جاسکتا ہے؟ 188

نشت نمبر 27

جمہ کی فضیلت

- حاضری سے کیا مراد ہے؟ 192
- ہم رب تعالیٰ پر مان کیسے پیدا کر سکتے ہیں؟ 192

- کہا جاتا ہے کہ شافعی فکھ الامور میں موجود حلقی مسجد میں نیک اور بزرگ جنات رہتے ہیں جہاں دو انگلی عبادت پڑھ کر جو عامائی جائے قبول ہوتی ہے۔ 193
- کہا جاتا ہے کہ تھقی کی حصول کے لیے انسان دولت کو عزت پر ترجیح دے کہ اس سے انا کے بت نور جاتے ہیں۔ اس کی وضاحت فرمادیجیے۔ 193
- حدیث کا مفہوم ہے رب پر اچھا گمان رکھو۔ رب تمہارے گمان کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ اس کی وضاحت فرمادیجیے۔ 194

نشت نمبر 28

روح کی لطافت

- کیا کامیابی کے حصول کے لیے محنت ضروری ہے؟ رب تعالیٰ تو کبھی محنت کے بغیر بھی عطا کر دیتا ہے۔
 • سعودی عرب میں تو لوگوں کے گھر سے تیل نکل آتا ہے۔ 197
 • کیا رزق کی فتح کی صورت میں ہجرت کرنا مناسب ہے؟ رزق میں وسعت کے لیے کوئی وظیفہ
 بتادیں گے۔ 198
 • وہ پاک بڑھتے ہوئے ہم اللہ سے التجا کرتے ہیں اللہم صل علی سیدنا محمد۔ وضاحت کرویں
 کہ صل علی حق بنی نعمت ہے؟ کیا پوری کائنات کا نظام اس کی وجہ سے چل رہا ہے؟ 198
 • عالم مثال کے اثرات عالم اسباب پر کیسے مرتب ہوتے ہیں؟ 198

نشت نمبر 29

رب کی رضا اور قرب

- 13 اگست 2013ء کو سید یعقوب علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عرس مبارک کے موقع پر وہاں حاضری لے کر بہت زور دہائی تحسین حاصل ہوئی۔ انہوں نے بہت سے لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکے۔
ایسا کیوں؟
- لعلہ فقید عطا کے رب ہے یا یہ ہمارے والے کو تعییب ہوتی ہے؟ کیا اس شب دعائیں قبول ہوتی ہیں؟

- 2003 جب کہ روزِ دعا کی قیامت کا وقت کون سا ہے؟
- 2003 کیا قرآن پاک تشریب سے یا صاف پانی سے ہے؟
- 2011 نبیت اور مشورہ میں کیا فرق ہے؟
- 2014 کیا مرشد بدلا جا سکتا ہے۔ جس طرح اگر ایک لاکڑے کے تمام ٹکڑے توڑ دیئے جائیں؟
- 2015 کوئی ایسی عبادت یا عمل بتا دیجیے کہ رب راضی ہو جائے۔
- آپ فرمایا کرتے ہیں کہ خلقِ خدا پر مہربان ہو جائیے، اس کی مدد کیجیے، تلافی دیجیے۔ مگر شخص خود کو بالکل صلہ
- 2015 پر مستحکم نہیں وہ کسی کی کیا مدد کرے گا؟

نشت نمبر 30

اعمال میں اخلاص کی اہمیت

- رہ کی راہ پر چلتے ہوئے Level of motivation میں Ups and downs آتے رہتے ہیں۔ کیا یہ لیول Permanent نہیں ہو سکتا؟
- مابوسی کفر ہے یا گناہ۔ بعض اوقات پوری نہ ہونے والی دعائیں اور خواہشات انسان کو مایوس کر دیتی ہیں۔ اس مایوسی سے کیسے نکل جاسکتا ہے؟
- Personality development کے لیے کیا کیا جائے؟
- بعض اوقات انسان ماضی میں کیے گئے گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے لیکن ان کی یاد ذہن سے ٹوٹ نہیں جاتی۔ کیا ایسا کا تا موبہ ہے؟
- Old age میں ذریعہ معاش کے لیے سرمایہ کاری کے دوران سے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں؟
- اگر مرشد زور ہوں اور میرے کسی مشکل میں ہواور کسی مسئلہ کا حل چاہتا ہوتو کیا وہ مرشد کا قہم رکھ کر کے اپنا مسئلہ ان کے سامنے بیان کر سکتا ہے؟

نشت نمبر 31

نیت اعمال

- 216 کشف القورہ کشف الصدور کا آسان اور تیز بہدف نسخہ کیا ہے؟
- 217 سید یعقوب علی شاہ صاحب رحمہ اللہ کے مرشد کون تھے؟

- اطفال امرے کہا تھا "بب آپ پناؤی مقام پر جاتے ہیں جہاں زمین و آسمان آپس میں مل رہے ہیں وہاں آپ ایک دائرہ سا مکمل ہوتا محسوس کریں گے۔" اس کی وضاحت فرمادیجیے۔ 217
- بعض افراد کو آپ سے ملاقات کے بعد یا آپ کی کتاب پڑھ کر کچھ چیزوں کی موجودگی کا احساس یا خوف کی کیفیت ہوتی تو اس کا کیا مطلب ہے؟ 218
- جب کوئی سائل کسی فقیر کے در پر جاتا ہے تو کیا فقیر سب کو یکساں Treat کرتا ہے یا فرقی رکھتا ہے؟ 218
- توفیق کیا ہے؟ کیا توفیق رب تعالیٰ سے مانگنا پڑتی ہے یا یہ عطا ئے رب ہے؟ کیا جب اللہ تعالیٰ انسان سے خوش ہوتا ہے تو اسے نیک اعمال کی توفیق دیتا ہے؟ 219
- ملاقات سے کیا مراد ہے؟ ظاہر و باطن کیسے ایک ہو سکتا ہے؟ 219
- کیا فقیر کی دلہیز پر آنا باعث رحمت ہے یا لعنت؟ 220
- اگر کسی مقام پر نقصان کا خیال ختم ہو جائے تو وہ کون سا مقام ہے؟ حضرت بی بی رابعہ البصری رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول کا مفہوم ہے کہ عمل صرف رب کے لیے ہوتا کہ جنت کے لالچ یا عذاب و دوزخ کے خوف سے۔ 221

نشت نمبر 32

پُر اخلاص عبادت کے ثمرات

- (الف) کچھ حضرات کے مطابق اپنے نام کے حروف کی تعداد کے برابر اللہ کے نام جو اس تعداد کے برابر ہوں Collect کر لیے جائیں تو وہ اس شخص کے لیے اسم اعظم ہوگا۔ 225
- (ب) کیا آیت الکرسی میں اسم اعظم پوشیدہ ہے؟ 225
- (ج) یہی نظریہ ہے یا نہیں؟ بعض اوقات خواہشات یا ذہانیں پوری نہ ہونے کی وجہ سے انسان مایوس ہونے لگتا ہے؟ مایوسی سے بچنے کا آسان راستہ کون سا ہے؟ 228

نشت نمبر 33

Personality Grooming

- آپ کا کیا خیال ہے نشت و تہذیب ہماری زندگی میں ہو جائے گی یا ابھی اس میں تاخیر ہے؟ 236

- کائنات بہت وسیع ہے زمین کی حیثیت ایک نقطے کے برابر مگر ہمیں کوئی اہمیت نہیں حاصل ہے؟ 236
- کیا ہماری تہذیب کائنات کے درمیان میں ہے؟ 237
- کیا آپ کی ملاقات کبھی کسی شہید سے ہوئی؟ اور کیا آپ نے کبھی اس سے رب کے بارے میں پوچھا؟ 237

نشت نمبر 34

تصوف اور غلط فہمیاں

- کیا صاحبان طریقت اور صاحبان کشف و الہام نبوت کے دعویٰ دار ہیں؟ 238
- اللہ اپنے بندوں کو باوقار دیکھنا چاہتا ہے لیکن کچھ لوگ متعین کرتے ہیں کہ آپ دوسروں کے لیے Footmat بن جائیے۔ 238
- سورہ ابراہیم کی آیت نمبر 22 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ 239
- اکثر یہ ہوتا ہے کہ قرآن پاک کا ترجمہ پڑھتے ہوئے کبھی کوئی معنی سمجھاتے ہیں تو کبھی کوئی اور شئی راہ بھٹائی دیتی ہے۔ 239
- معاشرے میں تبدیلی اُد پر سے نیچے یا نیچے سے اُد پر آتی ہے جب کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ بند و انحرافی طور پر ٹھیک ہو جائے تو اچھا حکمران آجائے گا۔ 241
- دارالاحسان میں ایک مینار "مینار صفا" کے نام سے زیر تعمیر ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس مینار کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد بڑی تبدیلی آئے گی۔ 241
- اسلامی بینکنگ حرام ہے یا حلال؟ کیا یہ سود کے زمرے میں آتی ہے؟ 242
- ہر روح کا اپنا رنگ، خوشبو اور Controlling word ہوتا ہے۔ کیا پڑھائیوں کے نتیجے میں یہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں؟ 242
- کسی بھی پڑھائی یا دور کی Calculations میں جن Factors کو مد نظر رکھا جاتا ہے اگر مناسب سمجھیں تو ان پر روشنی ڈال دیں۔ 242
- ہر صدی کے آخر میں جو مجدد آتا ہے کیا وہ کسی خاص فطی یا معاشرے کے لیے ہوتا ہے یا تمام امت مسلمہ کے لیے؟ ایک وقت میں کتنے مجدد دین کی تجدید کی Assignment پر کام کر رہے ہوتے ہیں۔ 243

- ہم آپ سے آپ کی محبت کی وجہ سے محبت کرتے ہیں۔ آپ سے ملاقات و زیارت کا مقصد وہی ہے۔
- محبت کے معمول کے سوا کچھ نہیں۔ 243
- ایک زندہ انسان کی قریب المرگ کو اپنی زندگی کیسے دے سکتا ہے؟ 243
- (الف) جہد میں جب ہم زمین پر سر رکھتے ہیں تو لگتا ہے کہ جیسے حرف "ن" بن گیا ہو۔ رکوع میں 7 کا ہندسہ بنتا ہے۔ کیا یہ حقیقت ہے یا میرا وہم؟ 244
- (ب) کیا سورۃ النور میں لفظ "طاق" سے مراد ہماری آنکھوں کے اندرونی گھڑے ہیں؟ 244
- جب آپ سیدۃ عالم کو خرقہ مبارک حضرت اولیٰ کو دیا گیا تو کیا اُس وقت وہ قطب بن گئے تھے؟ 245

نشت نمبر 35

سورۃ القلم کے خاص مضامین اور اسم اعظم

- اگر کوئی شخص قرآن پاک پر ہاتھ رکھ کر کوئی کام کرنے کی قسم کھائے لیکن بوجہ وہ قسم پوری نہ کر سکے تو کیا کفارہ ہے؟ 248
- اگر کوئی شخص کہے کہ اگر آپ نے میرا یہ کام نہ کیا تو میں آپ کے لیے پدۂ دعا کر دوں گا۔ کیا ایسی بددعا قبول ہو جاتی ہے؟ 249
- اولاد مل باپ کے لیے کس طرح آزمائش ہو سکتی ہے؟ 249
- ہم اسم اعظم کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟ 249
- میں اکثر خواب میں خود کو مختلف اولیائے کرام کے مزارات پر حاضری دیتے دیکھتا ہوں۔ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ 250
- اسم اعظم قرآن پاک میں کس کس مقام پر ہے؟ 250

نشت نمبر 36

فلسفہ حیات

- حسب انسان پائی چھان نہ وہ معانیت کی بلندی پر گیا ہو اور ان دنوں کی مہارت وہ جائے تو کیا وہ مہارت پوری کرنا پڑے گی یا اسے چھوڑنا چاہئے؟ 253

- کسی مغربی دانش ور کا کہنا ہے کہ اگر ہم زندگی کی Dichotomy کو سمجھیں تو بہت سی باتیں حل ہو سکتی ہیں۔ 253
- موجودہ حالات سے مدد کچھ کر گمان ہوتا ہے کہ جیسے نوزاد ہندو ایک ہوا ہے میں اسے اپنے آپ کو کیسے تھرا رکھنا چاہیے۔ 253
- پاکستان کے کچھ علاقوں میں جاری کشمکش کی وجہ سے کوئی کتابت کہ یہ امریکہ کی جنگ ہے تو کسی کے نزدیک یہ پاکستان کی جنگ ہے۔ 255
- کارپوریٹ سیکٹر میں دس بارہ گھنٹے کام کرنے کے بعد بہت سی دیگر ذمہ داریوں کی ادائیگی رہ جاتی ہے۔ ایسے میں کیا کیا جائے؟ 256
- روحانیت کی نظر میں پاکستان کا مستقبل کیسا نظر آتا ہے؟ 256

نشت نمبر 37

مضامین سورۃ النور

- سورۃ النور کی تلاوت سے حاصل ہونے والے فوائد کیا ہیں؟ 259
- ہندو معاشرے کے اثرات کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں دوسری شادی کو برا سمجھا جاتا ہے۔ دوسری شادی میں حائل رکاوٹوں کی وجہ سے بھی پاؤں Slip کر جاتا ہے۔ 259
- کیا ایک کنواری مسلمان لڑکی اپنے والدین کی مرضی کے بغیر نکاح کر سکتی ہے؟ 261
- راہ تصوف میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے دامن کو کیسے پکڑا جائے؟ 261

نشت نمبر 38

قلبی وارداتیں

- یہ کیسے چاہیے کہ اہل مزار و اقبی ولی اللہ ہے؟ 267

نشت نمبر 39

اللہ نور ہے

- سورۃ النور کی آیت نمبر 35 میں ارشاد ہوا جس کا ترجمہ ہے۔ 268

- عام طور پر اللہ کے کون سے نور کی زیارت لوگ کرتے ہیں؟ 269
- حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پر اللہ کی چلی کی تاب نہ لاسکے اور بے ہوش ہو گئے۔ عام لوگ اُسے کیسے Absorb کر لیتے ہیں؟ 270
- پہلے جن اور سالکین سے کیا مراد ہے؟ 270
- حق چار پارہ جاتی، خواجہ قطب، فرید۔ ان کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ 270

نشت نمبر 40

ایک خط

- ایک خط 272

نشت نمبر 41

آرزوئیں

- اگر حضرت بہاؤ اللہ بن زکریا علیہ السلام کے دل میں مال و زر کی محبت نہیں تھی تو انھوں نے اُسے جمع کیسے کر لیا کیونکہ دولت کی محبت کے بغیر اُسے جمع نہیں کیا جاسکتا۔ 279
- کیا دوران سفر و روڈ پاک بغیر وضو کے پڑھا جاسکتا ہے؟ 281
- مجھ جیسے کچھ تالاق مشورہ نفس اپنے مرشد کی توجہ پانے کے لیے کبھی بے پروائی سے اور کبھی جان بوجھ کر غلطی کرتے ہیں تاکہ انہیں سنی لیکن ان کے پاس کسی بہانے کی زیادہ بیٹھنے کا وقت مل جائے۔ 281
- فیض احمد فیض نے کہا تھا 284

نشت نمبر 1

غور و فکر

ہم بچپن سے سنتے آئے ہیں کہ جس نے خود کو پہچانا، اُس نے رب کو پہچان لیا۔ اگر آئینہ میں ہماری شکل دکھائی جائے تو ہم خود کو فوراً پہچان جاتے ہیں۔ اسی طرح ہم اپنی Strengths اور Weaknesses بھی جانتے ہیں۔ ہم خود کو تو کچھ حد تک پہچانتے ہیں لیکن پھر بھی رب تعالیٰ کو نہیں پہچان پاتے۔

رب تعالیٰ کو پہچاننے کے لیے ہمیں غور و فکر کرنا ہوگا اور غور و فکر کا آغاز ہم اپنے جسم کی Formation کے جائزے سے کر سکتے ہیں۔ کاسٹ سر میں 55 ہڈیوں کی حکمت، Brain، انسانی جسم کی 247 ہڈیوں کے فوائد، ان کی حفاظت کے لیے اُن پر گوشت اور اُس گوشت میں بلڈ سرکولیشن کے لیے مختلف سائز اور Description کی مختلف Veins کی کارکردگی اور جسم میں موجود 527 عضلات (Muscles) کے انداز کار پر غور کر کے اللہ کی اعلیٰ قدرت اور صفائی کا احساس ہوتا ہے۔

اسی طرح غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ انسانی جسم میں رب تعالیٰ نے حیوانیت کا جو جذبہ رکھا ہے، وہ چار چیزوں پر مشتمل ہے:

1- خون

2- سودا

3- صفرا

4- بلغم

آپ نے سنا ہوگا کہ سفلی علوم کے ماہر عموماً خون سے تحریر کرتے ہیں۔ مجھے اب یہ بات کھائی ہے کہ وہ خون سے تحریر کیوں کرتے ہیں۔

انسان میں جو حیوانی جذبے ہیں جنہیں ہم نفس بھی کہتے ہیں، ان کا پہلا Ingredient خون ہے۔ مثلاً یا کالے علم والے جب کوئی عمل کرتے یا چیز لکھ کر دیتے ہیں تو خون اُس کا لازمی حصہ ہوتا ہے۔

ہمارے ہاں جس طریقہ علاج نے بہت عروج پایا وہ حکمت تھی۔ آج سے ساڑھے تین سو سال پہلے اس طریقہ علاج کو عروج حاصل تھا اور اس پر بہت تحقیق ہوا کرتی تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ بلغم و Mind blowing treatments سامنے آئے لیکن پھر مغلیہ دور کے زوال کے ساتھ حکمت بھی ختم ہو

تھی۔ حتیٰ کہ دو سال قبل اس پر تحقیق بھی مکمل ہو گئی اس لیے اب اچھا حکیم شاذ و نادر ہی ملتا ہے۔

جب حکمت مروج پر حتمی حکم نامہ بھی ان چار Ingredients خصوصاً سودا اور صفرا پر کام کرتے ہوئے مریض کے جسم میں صفرا، سودا، بلغم یا خون میں سے کسی چیز کی زیادتی ہو گئی ہے۔ وہ ایسی دوا میں دیا کرتے جو یا تو معتدل مزاج ہو جس یا گرم یا خشک یا تر۔

حکماء حضرات ادویات کے ذریعے مریض میں سودا، صفرا، خون اور بلغم کو کنٹرول میں رکھا کرتے تاکہ وہ حیوانی جذبات سے مغلوب ہو کر حیوانیت کی راہ پر نہ چل پڑے۔ وہ حیوانی جذبات کو کنٹرول کر کے انسان کی روحانی صفات کو Activate کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اچھا حکیم روحانی شخصیت بھی ہوتا ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ روحانیت کے بغیر حکمت ممکن نہیں۔ حکماء حضرات ادویات کے ذریعے مریض کے حیوانی جذبات کو با دیا کرتے تھے (یہ موضوع سے ہٹ کر بات تھی)۔ ذکر ہو رہا تھا غور و فکر کا۔

زمین جس پر ہم چلتے پھرتے ہیں اور جسے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے بچھونا بنایا ہے اُس کی ساخت پر نظر ڈالیں تو پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی کیسی چیزیں اس میں چھپا دی ہیں، کیسے کیسے خزانے اس میں پوشیدہ کیے ہیں۔ جوں جوں انسان ان خزانوں کو دریافت کر کے استعمال میں لائے گا وہ اللہ کی عظمت و قدرت کا قائل ہوتا جائے گا۔ قیامت تک انسان کو جن چیزوں کی ضرورت پڑ سکتی ہے وہ زمین میں موجود ہے۔ مثلاً ہمارے یہاں پٹرول کا استعمال 1850ء کے بعد شروع ہوا لیکن Crude oil (خام تیل) تب سے زمین میں موجود ہے جب سے زمین بنی حالانکہ Crude oil بننے میں بہت وقت لگتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ تیل اُن علاقوں میں پایا جاتا ہے جہاں کسی زمانے میں سمندر ہوتا تھا۔

اسی طرح نباتات (Vegetation) پر مبنی، گروہ رو کوڑا کرکٹ جمع ہوتا رہتا ہے۔ کئی صدیوں میں مٹی کی اتنی تہیں جم جاتی ہیں کہ وہ مٹی Solid rocks میں بدل جاتی ہے اور ان Solid rocks میں سے ہوا کا گزر قسم قسم ہو جاتا ہے۔ نباتات پر بھی مٹی کی ہزاروں کے حساب سے اُس نبات کو Compression دیتی ہے۔ Compression اور Heat مل کر Vegetation، جانوروں کے ڈھانچوں اور پتھروں کو اس طرح Format کر دیتے ہیں کہ یہ سب ایک گاڑھے سیال کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ یوں کئی صدیوں میں تیل بنتا ہے اور مٹھان کی طرف چلنا شروع کر دیتا ہے۔ کہیں کہیں دروزوں (سوراخوں) سے باہر بھی نکلتا رہتا ہے حتیٰ کہ اگر اسے زمین کے اندر کہیں Depression مل جائے تو وہاں یہ تیل تالاب کی شکل میں جمع ہو جاتا ہے۔

سودا بھی اسی اصول کے تحت بنتا ہے لیکن یہ کبھی اصلی حالت میں نہیں پایا جاتا ہمیشہ دوسری Metals کے ساتھ ملتا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ پتھر بھی رب تعالیٰ نے کئی لاکھ سال پہلے ہمیں Provide کر دیے تھے۔ ان سب پر غور کرنے سے رب تعالیٰ کی عظمت کا اندازہ ہونے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”تم غور و فکر کیوں نہیں کرتے۔“ حضرت عقب الدین اختیار کاکی حضرت کافران ہے

”انسان یہ لازم ہے کہ وہ رب کی رحمت پر گھوم پھر کر اس کی قدرت کا مستحکم ہو کر۔“

جب انسان زمین پر سیر کرتا ہے تو اسے رب کی قدرت کا اندازہ ہوتا ہے جس کے عجز و کمزوری کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ جہاں فکر و غریب اور ہاں خوشی و طاعت کی جاتی ہے۔

اگر ہم روحانی طور پر ترقی کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ عجز و کمزوری کو دیکھیں اس پر غور کریں۔ وہ زمانہ کبھی ایک چیز پر غور ضرور کریں۔ جب ہم انسانی کمزوری دیکھیں جائیں گے تو حیرت ہوگی کہ اس کے اندر رب کی قدرت کے کیا کیا کرشمے چھپے ہیں۔ غزوان کی حقیقت کا اندازہ ہمیں روحانیت کی طرف لے جائے گا۔

اکثر حضرات یہ سوال کرتے ہیں (اگرچہ میرے لیے یہ لطیفی ہوتا ہے کہ آپ مجھے ایک لوگ کھانا گارے پوچھتے ہیں) کہ نماز میں دل کیسے لگے گا، اس میں خشوع و خضوع کیسے لگے گا؟ نماز میں خشوع و خضوع میں وہ عوامل شامل ہوتے ہیں:

1- خارجی عوامل

2- داخلی عوامل

خارجی عوامل تو سادہ سے ہیں کہ ہم نماز پڑھ رہے ہیں، وہ تھا نا، ہماری نظر کسی خوب صورت چیز پر پڑ گئی اور توجہ اُس طرف چلی گئی۔ اس کا تیل یہ ہے کہ اس چیز کو وہاں سے ہٹا دیں۔

ایک شخص نے آپ ﷺ کی خدمت میں نہایت عمدہ اور خوب صورت کپڑا پہن لیا۔ آپ ﷺ کو پسند آیا اور آپ ﷺ نے اُسے سلا کر پہن لیا۔ نماز پڑھتے ہوئے وہ ان اُس کی طرف سودا کی طرف متوجہ ہو گیا۔ نماز پڑھنے کے فوراً بعد آپ ﷺ نے پہلا کام یہ کیا کہ وہ سوٹ اُس کو دے دیا جس نے وہ کپڑا پہن لیا تھا۔

اسی طرح آپ ﷺ نے ایک بار چمڑے کا نیا قسمہ جوتے میں لگا لیا۔ دوران نماز اُس قسمے کی طرف خیال چلا گیا۔ نماز کے بعد آپ ﷺ نے اپنے جوتے اُس شخص کو بغیر تحفہ دے دیے جو سب سے پہلے نظر آیا۔

میسوزک، لوگ، شور اور اسی قسم کے دیگر خارجی عوامل نماز میں خشوع و خضوع میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ آج ایک اور بات سمجھ آ جائے گی کہ فقیر جنگ جگہ پر نماز کیوں پڑھتے ہیں کیونکہ کشادہ جگہ پر Distraction زیادہ ہوگی جب کہ جنگ اور کم روشن جگہ پر خشوع و خضوع بڑھ جائے گا۔

داخلی عوامل سے مراد ہے کوئی جذبہ یا فکر جو ذہن سے بھونہ ہو اور نماز میں بھی دھیان اور غور ہے۔ آپ نے بار بار سنا ہوگا کہ اگر سخت بھوک لگی ہو اور نماز کا قائم بھی ہو تو پہلے کھانا کھالیں کیونکہ بھوک کی حالت میں نماز پڑھنے سے نماز میں یک سوئی نہیں آئے گی۔

اسی طرح اگر انسان کے ذہن میں کوئی ایسا جملہ ہے جو وہ کہنا چاہتا ہے تو پہلے وہ جملہ کہ لے پھر نماز پڑھے تاکہ وہ جملہ ذہن میں اٹکا نہ رہے اور نماز کی یک سوئی اور خشوع و خضوع کو متاثر نہ کرے۔ بعض یادیں جس ایسی ہوتی ہیں جو نماز میں ٹھک کرتی ہیں۔ اس کا تیل یہ ہے کہ ان یادوں کو ترک کر دیا

جائے۔ اگرچہ یہ آسان امر نہیں ہے لیکن نماز میں خشوع و خضوع کے حصول کے لیے اس پر عمل کرنا بہت ضروری ہے۔

سوال: ہدایت پرستی کس حد تک جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کیا انسان صرف تقدیر پر اکتفا کرے؟

جواب: مسلمان کبھی تقدیر پر اکتفا نہیں کرتا۔ رب تعالیٰ کو وہ لوگ بہت پسند ہیں جو ہر وقت مجاہدوں کی طرح عمل کے لیے کمر کس کر رکھتے ہیں، جو ست اور کامل نہیں بلکہ ہر وقت جدوجہد اور محنت کرتے ہیں۔ محض تقدیر پر اکتفا کرنے والے ہاتھ پاؤں تو ذکر بیٹھ جاتے ہیں، بے عمل ہو جاتے ہیں اور بے عملی کا اسلام میں کوئی تصور نہیں۔

اگر ہدایت پرستی سے مراد دنیاوی وسائل پیدا کرنا یا ان کے حصول کے لیے کوشش کرنا ہے تو بہت سادہ سی بات ہے کہ مسلمان Maximum دنیاوی وسائل کے حصول کے لیے جان تو ذممت کرتا ہے۔ میراثی خیال بھی یہی ہے کہ انسان کو آخری حد تک محنت کرنی چاہیے لیکن اس محنت کے نتیجے میں جو حاصل ہو جائے اُس میں سے اپنی ذات پر کیم سے کم اور اپنے Dependents پر کھلے ہاتھ سے خرچ کیا جائے۔ جو خرچ رہے اُسے رب کے بندوں پر کھلے دل سے خرچ کر دینا چاہیے۔

حضرت عثمان غنیؓ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ انھوں نے مسلمانوں کے لیے کواں اور دیگر دنیاوی سہولتیں فراہم کیں کیونکہ ان کے پاس دنیاوی وسائل موجود تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے جتنی ہمت دی ہے اُس سے کام لے کر آخری حد تک کوشش کر کے دنیاوی وسائل جائز طریقے سے حاصل کرنے چاہئیں۔

سوال: حضرت علیؓ کا فرمان ہے "میں نے دنیا کو تین طلاقیں دے دیں۔" اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب: حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ کا قصہ بے پناہ امیر انسان تھے۔ اُن کے ہم عصر ادلیا، کرام انھیں اکثر و بیشتر کہتے رہتے کہ آپ کیسے دلی اللہ ہیں جنھوں نے اس قدر دولت جمع کر رکھی ہے۔ جب آپ ہواٹھویں نے ایک دلی اللہ کو ان کے خط کے جواب میں لکھا کہ میں نے دولت جمع ضرور کی ہے لیکن اُسے دل میں جگہ نہیں دی اور یہ بات کچھ عرصہ بعد اُس وقت ثابت بھی ہو گئی جب ریاست میں قحط پڑا اور گورنمنٹ کی کوششوں کے باوجود ختم ہوا تو حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ نے اپنے ملکہ کے گوداموں کے منہ حوام کے لیے کھول دیے۔

انسان کو دنیاوی وسائل ضرور حاصل کر لے چاہئیں لیکن دنیا کو دل میں جگہ نہیں دینی چاہیے۔ حضرت علیؓ کے قول کا مطلب یہی ہے کہ انھوں نے دنیا سے محبت نہیں پائی تھی۔

سوال: دنیا مراقبہ کے لیے کہا اور وقت کی پابندی ضروری ہے؟ مجھے بھی مراقبہ کی اجازت عطا فرمادیجیے۔

جواب: مراقبہ کسی کی نیرات تو ہے نہیں کہ کسی کو اجازت ملے، یا نہ ملے یہ تو رب تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا طریقہ ہے اور بے قیاس کا ہے۔

مراقبہ اپنے وقت کرتا چاہیے جب کوئی اور کام نہ ہو چاہے وہ زمین و آسمان اور ایک سوہو کر مراقبہ کر سکے۔ جہاں تک خاص مقام کی بات ہے تو یہ انسانی فطرت ہے کہ انسان جہاں کثرت سے وقت نکال لیتا ہے وہاں اُس کے

اعصاب Relax کر جاتے ہیں۔ مراقبہ میں اعصاب کا Relax کرنا دنیاوی ضرورت ہے۔ وہاں Familiar جگہ پر بیٹھنے سے اعصاب Relax رہیں گے۔ آپ جب مراقبہ کر لیں جتنی کوشش کریں کہ جب مراقبہ کرنے بیٹھیں تو اُس وقت کوئی اور کام نہ ہو۔

سوال: رب تعالیٰ کے اختیار "مَالِكِ الْمَلِكِ" کی وضاحت کریں۔

جواب: اللہ بادشاہوں کا بادشاہ اور شہنشاہوں کا شہنشاہ ہے۔ وہ مالک کل اور قادر مطلق ہے۔ اُس کے اختیارات کلی ہیں، کوئی چیز پیچھے نہیں ہٹتی۔

سوال: اللہ کی طرف سے آزمائش یا امتحان کا کیسے پتا چلے گا کہ یہ پریشانی ہماری آزمائش ہے یا امتحان؟

جواب: میں تو آزمائش سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کیونکہ مجھ میں بہت نہیں کہ کسی آزمائش پر برداشت کر سکوں۔ میں تو ہر وقت اُس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا رہتا ہوں کہ میں بہت کمزور ہوں، تو مجھ پر رحم فرما۔ اور اللہ بہت رحیم و کریم ہے، وہ بندوں کو آزمائش میں نہیں ڈالتا وہ گناہوں پر جلدی پکڑ نہیں کرتا اور اپنے بندوں کو معاف کرتا رہتا ہے۔

البتہ اُس وقت ٹیسٹ ضرور آ جاتے ہیں زندگی میں کہ اگر میں نے کبھی یہ کہہ دیا کہ مجھے ڈیپ سے ٹیسٹ وب سے پیار ہے تو تھوڑی دیر بعد ایک آدمی دس روپے لینے آ گیا تو میری زوجہ فنا ہو گئی۔

ایسے ٹیسٹ آتے رہتے ہیں اس لیے ایسے الفاظ منہ سے نکالنے سے گریزی کرنا چاہیے۔ ہم پاکستانی طریقے سے کہتے رہتے ہیں "یا اللہ! مجھے تو بس ٹو چاہیے۔"

اللہ کہتا ہے اچھا میں تمھارا ٹیسٹ لیتا ہوں اور جب وہ شروع ہوتا ہے تو ذرا سی بات پر ہماری چیخیں نکل جاتی ہیں۔

1989ء میں ایک صاحب نے آکر مجھے کہا کہ "میں روحانیت کی راہ پر چلنا چاہتا ہوں۔ مجھے روحانی علم چاہیے۔" میں نے کہا "آپ کسی ایسے صاحب کے پاس جائیے جو روحانیت سے واقف ہوں اور آپ کو علم دے دیں۔" لیکن وہ بھندر رہے تو میں نے ایک حربہ استعمال کیا کہ اس میں آزمائش آتی ہے اور دنیاوی وسائل تیزی سے کم ہونے لگتے ہیں۔ فقر و فاقہ تیزی سے آتا ہے۔ وہ صاحب کہنے لگے "دنیاوی وسائل بہت ہیں میرے پاس، بس آپ علم دے دیجیے۔" تب میں نے انھیں ایک لفظ بتا دیا کہ یہ پڑھ لیجیے، اللہ آپ کو اپنے قریب کر لے گا۔ ایک ہفتے بعد وہ صاحب دوبارہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے "واہیں لے لیجیے اپنا لفظ۔ میں تو اس کو پڑھنے کے بعد فاتحوں پر آ گیا ہوں۔"

انسان کو بہت سوچ سمجھ کر الفاظ زبان پر لانے چاہئیں، باقی اللہ بہت رحیم و کریم ہے۔ اُس کی رحمت و کرمی کا اندازہ اس بات سے لگا لیجیے کہ مجھ جیسا گناہ گار اور سرکش اُس کی زمین پر چلتا پھرتا اور بلا سے طے سے زندگی گزارتا ہے۔ اگر وہ مجھ جیسے گناہ گار کو پاتا ہے تو آپ جیسے نیک لوگوں کو بھی سینے سے لگائے گا۔

جب کوئی شخص ہم پر تنقید کرتا ہے تو ممکن ہے کہ بظاہر تو Smiling face کے ساتھ ہم اس تنقید کو برداشت کر لیں لیکن اس کے باوجود دل میں ایک گمراہ ہاتھ لیس اور جہاں موقع ملے اس تنقید کا ہولہ چکا دیں۔ یہ سیکھتے ہیں۔

لیکن جب ہم اس مقام پر آ جاتے ہیں کہ کوئی شخص ہمیں کتنا ہی برا بھلا کیوں نہ کہے ہماری بڑی سستی ہی کاٹ دے، ہم پر کتنے ہی الزامات لگائے، ہمیں کتنا ہی نقصان پہنچائے، ہم اسے نہ اٹھیں سمجھتے بلکہ اس کے لیے بہتر کلمات کہتے اور اللہ کے حضور اس کے لیے دعا گو رہتے ہیں۔ یہ بددیاں بات کا مقابلہ ہے کہ اس شخص کے خلاف ہمارے دل سے کینہ ختم ہو گیا کیوں کہ اس کے نہ بے سلوک کا ہمارے دل پر کوئی اثر نہیں آ رہا کہ اس کی بدسلوکی یاد رہ جائے۔ جب بڑا سلوک یا دینی نہیں ہوگا تو ہم ہلا لینے کا بھی نہیں سوچیں گے۔

تھوڑی سی محنت کر کے بہت احتیاط اور انحراف کے ساتھ اس پر محنت کریں تو دل سے کینہ نکل جاتا ہے۔ کینہ ختم کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص ہمیں گالی دے تو ہم دل میں سوچیں کہ شاید مجھے اعزازہ نہیں ہوا کہ میں نے انجانے میں اسے کوئی دکھ دیا ہے۔ تب انسان مسکراتے ہوئے گالی کے جواب میں کہتا ہے "معاف کیجیے بھائی۔ اگر میری ذات سے آپ کو دکھ پہنچا ہے تو میں دل سے معافی چاہتا ہوں۔" یہ عمل بار بار کرنے سے ہمارے اندر سے یہ خواہش ختم ہو جاتی ہے کہ ہم گالی کے جواب میں گالی دیں۔ نہ بے کے جواب میں اچھا سلوک کرنا آپ سیکھیں گے علم کی سنت ہے۔

اسی طرح جب کوئی شخص ہماری جڑیں کاٹا اور ہمیں برا بھلا کہتا ہے تو ہم اپنے آپ کو سمجھا لیں کہ یہ میری طرح کا انسان ہے۔ جس طرح مجھ سے غلطیاں اور کوتاہیاں ہو جاتی ہیں اسی طرح اس سے ہو سکیں۔ اللہ اسے توفیق دے کہ وہ ان غلطیوں کو نہ دہرائے۔ جب ہمیں یہ پریکٹس ہو جاتی ہے تو کسی کا بھی غیر متوقع رویہ یہ نہیں دکھ نہیں دیتا۔

اسی طرح جب دل میں حسد زور مارے تو ہم اپنے آپ کو قرآن کی وہ آیت یاد دلائیں جس کا مفہوم ہے کہ ہر انسان کو وہی ملتا ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے۔ اس شخص نے محنت اور کوشش کی اور رب تعالیٰ نے اسے اس کی کوششوں سے کہیں زیادہ صلہ عطا کر دیا۔ یہ میری کوتاہی ہے کہ اس سے زیادہ محنت نہ کر سکا۔

غیبت سے چھٹکارے کے لیے ہم یہ کر سکتے ہیں کہ جب کسی کی غیبت کرنے کو ہمارا جی چاہے تو ہم اس شخص کی خوبیاں بیان کرنا شروع کر دیں۔ جب کوئی توجہ دلائے کہ اس میں تو ظلم غامی بھی ہے تو ہم کہیں "صاحب! یہ میرے علم میں نہیں ہے۔ اگر اس میں یہ غامی ہے بھی تو اللہ اس پر رحم فرما کر اسے اس سے نجات عطا فرمائے۔" یوں 12، 15 دن کی پریکٹس کے بعد ہم غیبت سے نجات پالیں گے۔

مختلف کثافتوں سے چھٹکارے کے بعد ہم ان مادات و اطوار پر کام شروع کر دیں جو اللہ کو بہت پسند ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ صبح ناشتے کی میز پر دن بھر کا Plan بناتے ہوئے ہم یہ بھی سوچیں کہ مجھے آج کم از کم اتنے لوگوں کی مدد کرنی ہے۔ یہ مدد صرف پیسے سے ہی نہیں ہوتی۔ مدد یہ بھی ہے کہ ہم کسی کو سڑک پار

کثافتیں دور کرنے کے طریقے

جو لوگ اللہ کی راہ پر چلنے اور اللہ کی دوستی Win کرنے میں Interested ہیں، ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ دس کثافتوں کے نام کاغذ پر لکھ کر انہیں اپنی زندگی سے بتدریج ختم کرنا شروع کر دیں۔ سب سے پہلے کینہ کو اپنے اندر سے دور کرنا شروع کریں۔ جب ہم دل سے کینہ ختم کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو کاغذ سے لفظ "کینہ" کاٹ دیں اور پھر بغض اور اس کے بعد حسد پر کام شروع کر دیں۔ جب دل کو 'بغض' اور 'حسد' سے پاک کر لیں تو کاغذ پر لفظ 'بغض' اور 'حسد' کو قلم زد کر دیں۔

چوتھی کثافت غیبت ہے۔ غیبت ہمارے معاشرے میں As a part of life قبول کر لی گئی ہے حالانکہ یہ تمام کثافتوں میں سب سے بُری ہے اور کسی طور انسان کو اللہ کے قریب نہیں جانے دیتی۔ بد قسمتی سے ہم نے اسے Gossip اور Part-time hobby کا نام دے دیا ہے۔ میں جہاں بیٹھتا ہوں دوسروں کے عیب Discuss کرتا رہتا ہوں۔ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ اور پیر محمد غنیہ جیسی بستیوں نے مرید کی Guidance کے لیے یہی فرمایا کہ مرید کچھ نہ کرے، پہلے دس کثافتوں کو اپنے اندر سے نکالے اور اس کے بعد ان باتوں پر عمل شروع کرے جو اللہ کو بہت پسند ہیں۔

اللہ نے Dos اور Do's کی جو اسٹ بتائی ہے ہم اس کے مطابق عمل کریں۔ جن کاموں کا حکم دیا گیا ہے وہ کریں اور جن سے منع کیا گیا ہے ان سے ٹوک جائیں۔ ہم خود کو منع کر دے کاموں سے ابتناب کر کے سمجھتے ہیں کہ معاملہ ٹھیک ہو جائے گا لیکن ایسا نہیں ہے۔ ہمیں Dos پر بھی عمل کرنا ہوگا۔ اسی طرح دس کثافتوں کو اندر سے نکال دینا کافی نہیں۔ پسندیدہ اطوار کو اپنی ذات میں شامل بھی کرنا ہوگا۔

اپنی ذات میں جو اوسب کثافتوں پر غور کریں اور ایک ایک کر کے انہیں اپنی شخصیت سے نکال دیں۔ اگر سب سے پہلے غیبت پر کام کریں گے تو کینہ، بغض اور حسد ختم کیے بغیر غیبت کو ختم کرنا ممکن نہ ہوگا کیونکہ غیبت ختم ہوتی ہے کینہ، بغض یا حسد سے۔ جب ہمارے دل میں کسی کے خلاف کینہ ہوتا ہے تو ہم اس کے خلاف اس کی غیر موجودگی میں نہ بے لفاظی میں ٹھکڑا کر کے تسکین اور تسلی حاصل کرتے ہیں۔ جس سے ہم حسد کرتے ہیں اسے Run down کر کے ہمیں بہت تسکین ملتی ہے۔ اس لیے اگر ہم نے اپنے دل سے پہلے کینہ، بغض اور حسد کو ختم کر لیا تو غیبت ختم کرنے کی کوشش راکھیں نہیں جانتی گی۔

کرتے ہیں Help کر دیں۔ قطار میں کھڑے ہیں تو کسی ضرورت مند کو اپنی باری دے دیں کہ بھائی آپ
تھکے ہوئے لگ رہے ہیں میری باری لے لیں میں آپ کی جگہ کھڑا ہو جاؤں گا۔
آج کل کے دور میں ہم سفارش کر کے لائن میں سب سے پیچھے لگا ہوا اپنا کام سب سے پہلے کروانا
چاہتے ہیں۔

مسلمان کے مذہب میں یہ کسی کی حق تلفی ہے اور بہت بڑا گناہ ہے۔ جب ہم سفارش اور رشوت کے زور
پر اپنا کام دوسروں سے پہلے کروا رہے ہوتے ہیں تو ان کی حق تلفی کر رہے ہوتے ہیں..... ہم یہ رویہ ترک
کر دیں۔

جب صبح ہم فیصلہ کر لیتے ہیں کہ میں آج اتنے لوگوں کے کام آؤں گا، دوسروں کی مدد کروں گا، اللہ نے
مجھے جو مال و زر عطا کیا ہے اسے میں لوگوں کے لیے صدقہ کروں گا۔ پھر جب انسان رات کو سونے کے لیے
لیٹتا ہے تو اپنا احتساب کرتا ہے کہ صبح جو فیصلہ میں نے کیا تھا اسے کس حد تک پورا کیا۔

مختلف کشافوں سے دل کو پاک کرنے کے لیے بھی ہم یہی Method استعمال کر سکتے ہیں کہ ناشتے کی
میز پر اپنے آپ سے وعدہ کریں کہ آج میں کسی کی بات کا بُرا نہیں مانوں گا، دل میں کدورت نہیں آنے دوں
گا۔ پھر رات کو سونے سے قبل ہم خود سے پوچھیں کہ جن لوگوں نے میری مرضی کے خلاف کام کیے ان کے
خلاف میرے دل میں کچھ ہے تو نہیں۔ جن لوگوں نے مجھے گالی دی ان کے لیے میرا دل صاف ہے یا نہیں۔

یہاں تشریف لانے والے لوگ روحانیت سے دلچسپی رکھتے ہیں اور متنبی ہیں کہ ہم کسی طریقے سے اللہ کی
راہ پر چل نہیں سکتے اور اللہ کی دوستی میں نصیب ہو جائے۔ وہ ان ساری باتوں پر عمل کریں جن کا ذکر ہوا ہے۔

اسلام کے بارے میں بہت سی غلط فہمیوں نے جنم لیا۔ ایک صاحب نے بہت صحیح Term استعمال کی کہ
اب ہم Part-time مسلمان ہیں۔ واقعی ہم میں سے کچھ نے اسلام کو عبادات، کچھ نے ظاہری شکل و صورت
اور اعمال اور کچھ نے محض حقوق العباد تک محدود کر دیا۔ ہم اس میں سے بندگی کو Miss کر گئے حالانکہ بندگی
بہت اعلیٰ مقام ہے۔ اس کے اعلیٰ مقام کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ معراج کا ذکر کرتے
وقت رب تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے لفظ ”بندہ“ استعمال کیا کہ لے گیا وہ اپنے ”بندہ خاص“ کو۔ رب تعالیٰ نے
آپ ﷺ کو اللہ کے بعد سب سے عظیم ہیں، کے لیے ”بندہ“ کا لفظ استعمال کیا۔ بندگی اختیار کرنے کے
بعد انسان Part-time مسلمان نہیں رہتا۔ وہ ہر لمحہ اسلام کی پابندی کرتا ہے۔ ماں باپ سے سلوک، فیملی کے
ساتھ Dealing، پڑوسیوں، رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات تو کبریٰ غریبہ کہ ہر معاملے میں اسلامی احکامات کی
پابندی کرتا ہے۔ وہ اسلام کو اپنی زندگی میں یوں نافذ کر لیتا ہے جیسے شعل کا ک برقعہ اوڑھا جاتا ہے۔

ایک چھٹی پر پروگرام کے دوران مجھ سے انتظار نے پوچھا کہ رب کے فرمان کے مطابق روزہ رکھنے سے
انسان متقی ہو جاتا ہے تو پھر یہ دیکھتے ہیں کہ کونسا آدمی ہے کہ انظار سے تھوڑی دیر پہلے سڑکوں پر افراتفری کا عالم ہوتا
ہے، ماہ رمضان میں بلیک مارکیٹنگ زیادہ ہو رہی ہوتی ہے؟ اس سبب میں شیاطین کو دلچسپی میں جکڑ دیا جاتا

ہے لیکن اس کے باوجود ایسے حالات و واقعات نظر آتے ہیں۔ اس کو مگر کوئی سبب دیا کہ ان واقعات
اور حالات کا سبب یہ ہے کہ ہم بندگی کی طرف متوجہ آتے۔ ہم عبادات پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ ابھی روزہ پہلے
تک میں UK میں تھا۔ وہاں ایک مسئلہ پارلیمنٹ سے سامنے آیا کہ ایک فی دینی کونسل اور کچھ عبادت کی سہا جہ
میں معمری کے بند ہونے کا وقت 1:15 بتایا جاتا ہے حالانکہ اصل وقت 3:20 تھا۔ یہ دراصل ایک Section
of Muslims کی وجہ سے تھا۔

ایک بات یہ بھی سامنے لائی گئی کہ یہاں (UK) میں روزہ 19 گھنٹے کا ہے جو انسانی پس سے باہر ہے۔
اس لیے اسے کٹ کر کے 12 گھنٹے کا کیا جائے۔ یہ سوچ اور طریقہ غلط ہے۔ ہم بندگی کی طرف جانے کے
بجائے Convenience کی طرف جانا چاہتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہم عبادات کی طرف زیادہ مائل ہو گئے۔ فرض اور نقلی عبادات ضرور کرنی چاہئیں لیکن
اسلام صرف عبادات تک محدود نہیں بلکہ بہت وسیع ہے۔ اسلام میں تمام شعبہ ہائے زندگی کے بارے میں
احکامات موجود ہیں۔ جب ہم ہر لحاظ سے اسلام کو اپنی زندگی پر لاگو کریں گے تو حق اصل میں بندگی کریں گے۔
جب انسان بندگی شروع کرتا ہے تو رب تعالیٰ اسے سینے سے لگا لیتا ہے اور اسے اپنا دوست بنا لیتا ہے۔

سوال: سورۃ الفاتحہ کے بارے میں مختصر آیتا دیجیے۔ قرآن پاک کی کتابی صورت کا بیک گراؤ کیا ہے؟
جواب: جس طرح سورۃ یس قرآن کا دل ہے۔ سورۃ الفاتحہ قرآن پاک کا مغز ہے۔ مغز دماغ اور
نچوڑ دونوں معنوں میں ہے۔ یہ سورۃ دماغ بھی ہے۔ جس راہ پر چل کر ہم نجات حاصل کر سکتے ہیں اسے یہ
تین الفاظ میں بیان کر دیتی ہے۔ صراط الذین النعمت۔

اس سورہ میں رب تعالیٰ کی صفات رحمن اور رحیم کا ذکر ہوا۔ 30 پاروں کی ابتدا بسم سے جب کہ
قرآن پاک کی ابتدا بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ہوتی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو عطا ہوئی۔ لوح محفوظ پر سب
سے پہلے لکھا جانے والا کلمہ یہی ہے۔ یاد رہے لوح محفوظ عرش معلیٰ پر ہے اور سمندر سے نکلنے والے موتی کی سی
چمک دکھ رکھتی ہے۔ لوح محفوظ پر نظر ڈالیں تو سب سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا نظر آتا ہے۔
اگر ہم رب تعالیٰ کے نام سے ہر کام کی ابتدا کرنے کی عادات ڈال لیں تو ہمیں بسم اللہ الرحمن
الرحیم کے فیوض و برکات حاصل ہونے لگیں گے۔

سورۃ الفاتحہ کا آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد جن دو الفاظ سے ہوتا ہے وہ ہیں
”الحمد للہ“۔ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ دُعا کے دوران کچھ لوگوں کے سلسلے میں ایک بات
بہت واضح طور پر سامنے آئی کہ اگر وہ دل میں ”الحمد للہ“ کا ورد رکھیں تو اس کے بہت عجیب و غریب
اثرات اُن پر مرتب ہوں گے۔ رب تعالیٰ اس لفظ کے صدقے اپنی حمد بیان ہونے سے خوش ہو کر ان لوگوں کو
مشکل حالات سے نکال دیتا ہے اور دشمن کی دشمنی سے انھیں نجات مل جاتی ہے۔

جب انھیں تلاوت قرآن پاک کرتے خاتوا انھیں دو ابوالہجہ بھی معلوم ہوں۔ جب ایک صحابی نے حضرت عثمان غنیؓ کی خدمت میں عرض کی "اے خلیفۃ المومنین اگر تم نے یہ صورت برقرار رکھی تو قرآن بدلنا چلا جائے گا۔ اس لیے بہتر ہے کہ اسے اہل قریش کے Dialect اور لغت کے مطابق پڑھا جائے تاکہ قرآن پاک میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہونے پائے۔ یہ بہت عقل مندانہ فیصلہ تھا۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کے ذمہ یہ خدمت لگائی کہ وہ اہل قریش کے Dialect کے مطابق قرآن پاک تحریر کریں۔ ساتھ ہی ہر جگہ یہ احکامات جاری کر دیے گئے کہ کوئی مسلمان Local dialect کے مطابق قرآن پاک نہیں پڑھے گا۔ یہ اسی اقدام کا نتیجہ ہے کہ آج تو مسلم بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ قرآن پاک میں آج تک زیرِ برکت کی تبدیلی نہیں آئی۔ اگر آپ آج بھی برعکس انسانی عقیدہ یا مسیحیت کو اس میں قرآن پاک کے بارے میں لکھا ہوا ہے "یہ کتاب پہلے دن سے آج تک اپنی اصلی حالت میں موجود ہے۔" یہ قرآن پاک کی کتابی صورت کی بیک گراؤ ٹھ ہے۔

سوال: جب پیدائش کے وقت انسان کی قسمت لکھ دی جاتی ہے تو پھر نیک و بد کا سوال کیوں؟

جواب: جو قسمت لکھ دی جاتی ہے وہ نوٹل تقدیر کا Hardly پانچ سے دس فی صد ہے۔ یہ محض تقدیر یا تقدیر مبرم کہلاتی ہے جب کہ تقدیر مطلق یا غیر مبرم تقدیر ہم خود بناتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر نیک یا بد ہونا تقدیر مبرم میں لکھ دیا گیا ہوتا تو رب تعالیٰ ہمیں کبھی نیک ہونے کی ہدایت نہ کرتا اور صراطِ مستقیم پر چلنے کے طریقے نہ بتاتا۔ رب تعالیٰ ہمیں بہتر زندگی کی راہ کبھی نہ سکھاتا۔ اس نے یہ سب ہمیں دکھا اور بتا کر ہم پر چھوڑ دیا کہ ہم آزاد ہیں اپنی تقدیر کو جیسے چاہیں بنالیں۔ اگر ہم مجبور محض ہوتے تو رب تعالیٰ کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پچیس فیصد بھیجتا اور اپنے صحائف اور کتب میں یہ نہ کہتا کہ سیدھی راہ کی طرف آؤ۔

چونکہ قرآن پاک کی ابتدا سورۃ الفاتحہ سے ہوتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ قرآن پاک کے حوالے سے چند باتیں بیان کر دی جائیں۔ مثلاً قرآن کو تریل (ظہر ظہر کر) اور خوش الحانی سے پڑھا جائے تاکہ غور پڑھنے والے اور سننے والے دونوں پر اس کا اثر ہو۔ ہم عام طور پر قرآن پاک بہت روانی سے پڑھتے ہیں۔ اسی طرح ہم الفاظ کو سمجھ کر ادا کرتے ہیں جیسے اللہ اکبر کہتے ہوئے ہم اکبر کو اتنا سمجھ دیتے ہیں کہ وہ "اکر بار" ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک کو اسی طرح تلاوت کرنا چاہیے جس طرح کسی پڑھنے والے کا محفل میں ایک پڑھا لکھا انسان بھیج دیں اور وہ اسے گفتگو کرتا ہے۔

قرآن پاک کے حوالے سے کافی بڑی عمر میں جا کر میری دو غلط فہمیاں دُور ہوئیں۔ قرآن پاک کی دو ترتیب ہیں:

1- ترتیب نزولی

2- ترتیب کتابی

ترتیب نزولی تو وہ ہے جس کے مطابق حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کے لیے وحی لایا کرتے تھے اور مختلف آیات نازل ہوتی تھیں۔ یہ ترتیب موجودہ قرآنی ترتیب سے مختلف تھی۔ آپ ﷺ نے جس جماعت کو وحی تحریر کرنے کی ڈیوٹی سونپی تھی اسے یہ ہدایات بھی جاری کی تھیں کہ فلاں آیت کو فلاں سورہ میں فلاں جگہ پر لکھ دو۔ کاجان وحی نے آپ ﷺ کی ان ہدایات پر عمل کیا لیکن دقت یہ آئی کہ آپ ﷺ کے زمانے میں جب قرآن پاک لکھا گیا تو اس کے لیے کھجور کے پتے، چھرا اور ہڈیاں استعمال کی گئیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانے میں جب نبوت کے جموںے داعی پیدا ہوئے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان کے خلاف جہاد آغاز کیا تو ان جنگوں میں بڑے پیمانے پر حفاظ شہید ہو گئے۔ تب حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے عرض کی کہ اے خلیفۃ الرسول! قرآن پاک کو کتابی شکل میں محفوظ کر دیا جائے تاکہ حفاظ کے شہید ہونے کی صورت میں بعد میں آنے والے لوگوں کو قرآن پاک کی صحیح ترتیب اور حالت کے بارے میں دقت نہ ہو۔ تب حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایک صحابی حضرت زید بن ثابتؓ کے ذمہ یہ کام لگایا۔ انھوں نے قرآن پاک کو کتابی صورت دی اور قرآن پاک کو کتاب کی شکل میں محفوظ کر دیا گیا۔ ہوتے ہوتے وہ ام المومنین حضرت بی بی حفصہؓ کے پاس محفوظ کر دیا گیا۔ جب کبھی ضرورت پڑتی اس قرآن پاک سے Consult کر کے اپنی صحیح کر لی جاتی۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں فتوحات بہت وسیع پیمانے پر ہوئیں۔ قرآن پاک اہل قریش کی لغت کے مطابق نازل ہوا تھا اور اہل قریش کے مختلف کے مطابق اسے پڑھا جاتا تھا۔ سلطنت کے وسیع ہونے سے غیر قریش کے لیے اسے عربی نقطہ کے ساتھ پڑھنا مشکل تھا۔ اس لیے ابتدا میں لو مسالوں کو قرآن پاک کی طرف مائل کرنے کے لیے انھیں ان کے Local dialect میں قرآن پاک کی تلاوت کی اجازت دے دی گئی تھی۔

لیکن ہوا یہ کہ جنگ آرمیا میں مختلف علاقوں سے مسلمان جنگ لڑنے کے لیے آئے تو اہل مدینہ نے

سورۃ الفاتحہ کے اہم مضامین کا خلاصہ

آج سے 46 سال پہلے 7 جولائی کو دوپہر ایک بجے میں سوئی گیس میں جب ملازم ہوا تو کسی نے ایک صاحب سے میراثاً بابت تعارف پر و فیسر کے نام سے کرایا۔ بعد میں پتا چلا کہ اُن کا اصل نام بشیر صاحب ہے۔ وہ ٹیلی کام ڈیپارٹمنٹ میں جاب کرتے تھے۔ بہت نفاست پسند تھے۔ اُن کی رائٹنگ ڈیسک پر چیزیں بہت ترتیب سے رکھی ہوتی تھیں۔ انتہائی ٹھنڈے مزاج کے خاصے Pleasant آدمی تھے لیکن جب اُن کی ڈیسک پر چیزوں کو بے ترتیب کیا جاتا تو وہ بہت بھنا جاتے اور بڑے عالمانہ Comment دیا کرتے۔ آج کئی سال کے بعد میں انھیں یہاں اپنے سامنے بیٹھے دیکھ رہا ہوں..... بہت خوشی ہو رہی ہے۔

سوال: سورۃ الفاتحہ کے اہم مضامین بیان فرمادیجیے۔

جواب: سورۃ الفاتحہ قرآن کا لازمی حصہ ہے لیکن 30 پاروں کا حصہ نہیں ہے۔ 30 پاروں کی ابتدا اللہ سے ہوتی ہے۔ سورۃ الفاتحہ پہلے پارے سے بھی پہلے ایک علیحدہ صفحے پر ہوتی ہے۔

قرآن پاک مسلمانوں کا Written constitution ہے۔ پہلے ڈھائی پارے اصل Constitution اور باقی ساڑھے ستائیس پارے اس Constitution کی Interpretation ہیں۔ سورۃ الفاتحہ اس Constitution کا Gist ہے۔ ہم اسے بجا طور پر قرآن پاک کا مغز کہہ سکتے ہیں۔ سورۃ الفاتحہ مکی ہے۔ اس میں ایک ہی رکوع ہے۔ اس میں 7 آیات ہیں اور بسم اللہ الرحمن الرحیم انہی سات آیات کا حصہ ہے۔

سورۃ الفاتحہ کو پانچ مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے لیکن سب سے معروف نام ”سورۃ الفاتحہ“ ہی ہے۔ لفظ ”فاتحہ“ فتح سے مشتق ہے۔ عربی میں کھٹنے کو فاتحہ کہا جاتا ہے۔ اصطلاحی معنوں میں اس سے مراد ہے کہ یہ وہ سورہ ہے جو اسرار و رموز اور نیکات کو کھولتی ہے۔ اس کا ایک اور نام ”فاتحۃ الكتاب“ بھی ہے یعنی یہ سورہ ایسا کتاب کو آپ کے سامنے کھول دیتی ہے جو انسان کے لیے باعث برکت و نجات ہے۔

سورۃ الفاتحہ کی ابتدا بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ہوتی ہے۔ بے شک یہ وہ کلمہ ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کو اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی عطا ہوا۔

سورۃ الفاتحۃ الحمد لله سے شروع ہوتی ہے۔ ”الحمد“ کے معنی حمد و ستائش کے ہیں لیکن ایک خاص بیگ گراؤنڈ کے ساتھ۔ جب کسی کے ایسے کام، وجہ یا خوبی کی تعریف کی جاتی ہے جو اختیار یا صلاحیت پر مبنی اور ارادے کے تحت کیا گیا ہو تو اس کی ستائش اور تعریف حمد کہلاتی ہے کیوں کہ صرف رب ہے جو ہر کام اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے۔ بظاہر یہ لگتا ہے کہ انسان کو بھی کام اپنے ارادے کے تحت کرتا ہے مثلاً آپ نے چاہا کہ میں فلاں چیز اٹھاؤں اور آپ نے وہ چیز اٹھائی۔ وہ قوت جس سے آپ نے سوچا اور وہ چیز حضرت جبریل علیہ السلام کی اپنی نہیں بلکہ اللہ کی عطا کردہ قوت ہے اس لیے انسان کی مدد میں بیان کی جاسکتی محض تعریف یا Appreciation کی جاسکتی ہے۔ یہ صرف رب ہے جو ارادہ کرتا ہے اور کام ہو جاتا ہے۔ یہ اُس کی اپنی قوت ہے۔ کسی نے اُسے یہ قوت عطا نہیں کی۔ اس لیے حمد صرف رب تعالیٰ کی ذات کو دینا ہے۔ ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے، رب کی عطا ہے۔ ”الحمد لله“ کے بعد ”رب العالمین“ کے الفاظ استعمال ہوئے..... عربی دنیا کی سب سے زیادہ فصیح و بلیغ زبان ہے۔ اہل قریش کو جو فصاحت و بلاغت حاصل تھی وہ کسی اور ملک یا قوم کو حاصل نہ تھی۔ اہل قریش کی عربی زبان پر سترس مثنائی تھی۔ قرآن پاک اہل قریش کی عربی لغت کے مطابق نازل ہوا تھا۔ خلفائے راشدین ایسے بیدار ذہن تھے کہ جب فتوحات کے نتیجے میں مسلم سلطنت وسیع ہوئی اور عرب کے ساتھ ساتھ عجم ممالک بھی مسلمانوں کے زیر تسلط آئے، یورپ میں آدھا فرانس مسلمانوں کے قبضے میں آگیا تو Dialect تبدیل ہونے کی وجہ سے جمیوں کے لیے قرآن پاک کو اُس کے اصل تلفظ کے ساتھ پڑھنا ممکن نہ رہا۔ تب خلفائے راشدین نے قرآن پاک کو اصلی صورت میں برقرار رکھنے کے لیے اسے اہل قریش کے Dialect کے مطابق کتابی شکل دی اور یہ پابندی لگا دی کہ تمام لوگ اسے اہل قریش کے Dialect کے مطابق پڑھیں گے تاکہ قرآن پاک میں کوئی Addition یا Alteration نہ ہونے پائے۔

”رب“ پالنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ رب کے ایک اور معنی بھی ہیں ”تر بیت دینے والا“۔ وہ استعداد یا Abilities جو کسی شخص میں پیدا انہی، جبلی اور فطری طور پر موجود ہوں انھیں Gradually develop کرتے کرتے نقطہ عروج پر پہنچا دینا ”تر بیت“ کہلاتا ہے۔ رب تعالیٰ پالنے والا بھی ہے اور تر بیت دینے والا بھی۔ سورۃ الفاتحہ میں لفظ ”رب“ ان دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ قرآن پاک انسان کی تربیت کر رہا ہے، انسان میں جو Capacities اور Abilities جبلی طور پر موجود ہیں یہ اُن کو Develop کر کے نقطہ عروج پر پہنچا دیتا ہے۔

”رب العالمین“ میں لفظ ”عالمین“ عالم سے اور عالم ”عالم“ سے ہے۔ ”عالم“ نشانی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ”رب العالمین“ کا مطلب ہے تمام نشانوں کا رب، سب کو پالنے اور تربیت دینے والا۔ ہم ہوش سنبھالنے سے مرے دم تک یہ سنتے رہے ہیں کہ جس نے خود کو پہچانا اُس نے رب کو پہچان لیا۔ رب کو پہچاننے کے لیے جو نشانیاں چاہئیں ”عالمین“ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ رب ہر گز ہے

آتا ہے۔ یہ جو اکثر و بیشتر ہم لوگ کہتے ہیں کہ گائیل یا مرشد کا ہونا بہت ضروری ہے تب تک لوگ سمجھتے ہیں کہ مرشد نہ جانے کیسی ماورائی قوتوں کا مالک ہے، معاذ اللہ، کما س سے منسلک ہونے کے بعد ہم حقیقی حصار میں آجائیں گے، معاذ اللہ، اور وہ ہمیں ہر مصیبت سے بچائے رکھے گا۔

ایسا نہیں ہے۔ مرشد بھی ہماری ہی طرح رب کا محتاج بن رہا ہے۔ وہ اس پر بھی قادر نہیں کہ اپنی مرضی سے کسی کی حفاظت کیا کرے گا۔ ہاں اُسے مجھ پر اور آپ پر جس حد سے Edge حاصل ہے وہ یہ کہ اس نے اُسے علم عطا کیا ہے۔

اگر مرشد کامل ہو تو وہ اپنے مرید کے تصورات کو درست رکھتا ہے اپنی ذات کے بارے میں۔ وہ اپنے پاس آنے والوں کو سمجھاتا رہے گا کہ میں بھی اتنا ہی رب کا محتاج ہوں جتنا تم سب۔ میں تمہارا کچھ ستوار سکتا ہوں نہ بگاڑ سکتا ہوں۔ صرف یہ کر سکتا ہوں کہ رب نے مجھے جو علم عطا کیا ہے وہ تمہیں فراہم کر دوں۔ جب انسان علم سیکھ لے اور اُس کی زیادتی سے بیکٹے لگے تو تب مرشد کام آتا ہے۔ وہ ہاتھ سے پکڑ کر مرید کو سمجھاتا دیتا ہے، جگا دیتا ہے اور اُسے گائیڈ کرتا ہے، بھٹکنے نہیں دیتا۔ مرشد کا یہی کام ہے۔ یہ نہیں کہ اُس کے پاس چاکے روتے رہیں کہ میرا یہ کام انک گیا، میں فلاں مصیبت میں پھنس گیا، میری فلاں دنیاوی مشکل ہے، میں بے ایمانی اور چوری کرنا چاہتا ہوں۔ آپ دعا کر دیجیے کہ میں اس میں کامیاب ہو جاؤں۔ میں رشوت دے آیا ہوں، آپ دعا کر دیجیے کہ وہ شخص رشوت لے کر میرا کام کر دے۔ مرشد اپنی جیسی اور بڑا داری کی وجہ سے آپ کی سب باتیں سنتا ہے اور مسکرا دیتا ہے۔ وہ کوشش کرتا ہے کہ مجھ جیسے بھٹکے ہوئے لوگوں کو یہ کہہ کر سیدھی راہ دکھا دے کہ میاں جاؤ جا کر کوشش کرو، اللہ مہربانی کرنے والا ہے، وہ بہتری فرمائے گا۔ یہ کہہ کر مرشد اپنے پاس آنے والوں کو رب کی طرف دھکیلتا ہے کہ اللہ کے بتائے راستے کی طرف چلے جاؤ۔

بات علم کی ہو رہی تھی۔ علم کے بارے میں ہم لوگ مختلف ابہام کا شکار رہتے ہیں۔ کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ علم الکلام ہے جو انسان کو حاصل کرنا چاہیے جب کہ کچھ لوگ علم فقہ اور کچھ علم الکتاب کے حصول پر زور دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے 81000 علوم انسان کے لیے اتارے ہیں۔ آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق ہر مسلمان مرد اور عورت پر علم کا حصول فرض ہے۔ علم خواہ کوئی بھی ہو انسان کو حاصل کر لینا چاہیے لیکن جہاں کوئی انسان علم میں Confusion کا شکار ہونے لگے وہاں وہ اپنے مرشد سے Guidance ضرور لے لے ورنہ وہ Track سے ہٹ جائے گا۔

سوال: حاجی حافظ عالم پناہ ہر سید وارث علی شاہ رحمہ اللہ دیوبند شریف اندیا کے بارے میں کچھ ارشاد فرمائیں۔

کیا وارثی سلسلہ انہی سے شروع ہوا؟

جواب: جناب حاجی حافظ ہر سید وارث علی شاہ صاحب رحمہ اللہ حاجی وارث پاک کے نام سے مشہور ہیں۔

ان تمام شخصوں کا۔ "مالک یوم الدین"۔ عربی میں "مالک" Almost انہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن معنوں میں اردو میں۔ لیکن تھوڑے سے فرق کے ساتھ۔ عربی میں "مالک" اُسے کہتے ہیں جسے اختیار کی ہو، جو اپنی ملکیت میں موجود چیزوں کو جب اور جیسے چاہے استعمال کر سکے۔

"یوم الدین" روزِ سزا و جزا اور یومِ حساب کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

سورۃ الفاتحہ قرآن پاک کے ابتدائی ڈھائی پاروں (سورۃ البقرہ) کا Gist ہے۔ ان ڈھائی پاروں میں بتایا گیا ہے کہ انسان اپنی زندگی کیسے گزارے۔ زندگی صرف عبادات تک محدود نہیں بلکہ تمام پہلو سمیٹے ہوئے ہے۔ وقت اُس وقت ہوتی ہے جب انسان اسلام کو ایک خاص حد تک محدود کرتا چاہتا ہے۔ اسی لیے مغربی مفکر کہتے ہیں:

"مشرق میں مسلمان بہت دیکھے لیکن اسلام کہیں نظر نہ آیا۔ مغرب میں اسلام ہر جگہ دیکھا، مسلمان کہیں نظر نہ آئے۔"

یہ اکی وجہ سے ہے کہ ہم اسلام کو ایک خاص Sphere تک محدود کر کے اپنی Convenience کے مطابق اس پر عمل کرنا چاہتے ہیں۔

علم اور معلومات

جو لفظ ہمارے ردیوں کو مثبت انداز میں نہ بدل سکیں وہ علم نہیں بلکہ معلومات ہیں لیکن جو الفاظ یا معلومات ہمارے ردیوں کو مثبت انداز میں بدل دیں وہ علم ہیں۔

علم آیا کہاں سے؟

رب تعالیٰ کی Proverbial کرسی جس کا ذکر آیت الکرسی میں ہے، ساری کائنات کو محیط کیے ہوئے ہے۔ وہ رب کی Omnipresence اور سب چیزوں پر محیط قدرت کو Explain کرتی ہے۔

رب تعالیٰ کی ایک Virtual نشست ہے جہاں بیٹھ کر شب معراج رب نے آپ ﷺ سے گفتگو کی تھی۔ سب آپ کے ذہن میں یہ سوال ابھرے گا کہ یہ Virtual نشست کہاں ہے؟

ہم اذن کے بعد دعا کرتے ہیں جس میں یہ الفاظ ہیں "اے اللہ! تو آپ ﷺ کو مقام محمود عطا فرما جس کا تو نے اُن ﷺ سے وعدہ فرمایا ہے۔ بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔" یہ مقام محمود بھی عرض ہے۔

رب تعالیٰ کی Virtual نشست کے پیچھے ہمیں لہریں مارتا ہوا نور کا سمندر دکھائی دیتا ہے۔ اس سمندر سے نکلنے والی مختلف نہروں میں علم کی نہریں بھی ہیں جن کی تعداد 81000 ہے۔ رب تعالیٰ نے انسان کو یہ موقع فراہم کیا ہے کہ وہ چاہے تو یہ علوم حاصل کر لے۔ یہ اور بات کہ علم کی زیادتی سے بعض اوقات انسان بھٹک جاتا ہے۔

علم کی زیادتی بھی بعض اوقات انسان کو بھٹکا دیتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں وہ بھٹک جاتا ہے۔

سلسلہ چشتیہ صابر یہ کے لوگ ان کے معتقد ہیں۔ سلسلہ دارشیدہ کی ابتدا بھی اٹمی سے ہوئی۔ ان کا مرکز گجرات سے تقریباً 35 کلومیٹر باہر دیول شریف میں ہے۔

جناب حاجی سید وارث علی شاہ صاحب مدظلہ بہت بلند پایہ ولی اللہ ہیں۔ ان کا روحانی فیض آج بھی جاری ہے۔ ان کی پارسانی اور تقویٰ کا انداز اس بات سے لگائیں کہ حج سے آنے کے بعد بھی انھوں نے احرام نہ کھولا۔ مرتے دم تک احرام میں رہے اور اس کے تمام protocols کو Maintain کرتے رہے۔ یہ بات بظاہر ہمیں آسان لگتی ہے درنہ احرام کے protocols کو Observe اور Maintain کرنا عام انسان کے لیے آسان نہیں ہوتا۔

سوال: کیا وارثی سلسلہ فقیری لائن کا تسلسل ہے؟

جواب: بالکل یہ درویش زندگی ہی کا جزو ہے۔ جن لوگوں نے سلسلہ دارشیدہ میں تربیت پائی وہ بہت کمال کے پریکڑ گاروار تھے ہیں۔

سوال: وارثی سلسلہ میں پہلا لباس کیوں پہنا جاتا ہے؟

جواب: اصل میں جناب حاجی وارث پاک صاحب پہلا تو نہیں کہہ سکتے بلکہ Mustard احرام باندھتے تھے اور Shoulder پر دو مال بھی Light mustard کلر کا استعمال کرتے تھے۔ ان کے ماننے والے اور مریدین ان کو Follow کرتے ہوئے بلکہ Mustard لباس یا دو مال استعمال کرتے ہیں۔

اس میں روحانیت کو دخل نہیں۔ وارثی سلسلے کے بانی نے چوں کہ اس رنگ کا لباس پہنا اس لیے ان کے مریدین ان کی اتباع میں یہ رنگ پہنتے ہیں۔

سوال: آپ کے مرشد سید یعقوب علی شاہ صاحب مدظلہ کے نام کے ساتھ بھی وارثی لکھا جاتا ہے۔ کیا وہ بھی وارثی سلسلے سے بیعت تھے؟

جواب: میرے مرشد صاحب بیعت تو سلسلہ چشتیہ صابر یہ میں تھے لیکن تربیت کے لیے انھیں دارشیدہ سلسلے میں بھیج دیا گیا اور سادہ تربیت دارشیدہ سلسلے میں ہوئی اس لیے ان کے نام کے ساتھ وارثی بھی لکھا جاتا ہے۔

سوال: ”دروحانیت و سائنس“ علم فلکیات اور سال 2012ء کتاب کے مصنف فواد صدیقی نے اپنی اس کتاب میں 21 دسمبر 2012ء کو سب سے ہولناک دن قرار دیا ہے۔ مصنف کا کہنا ہے کہ ذم دار ستارے کی ٹکر کے علاوہ زمین کی طرف Solar flare آئے گا اور چاند کے کچھ ٹکڑے علیحدہ ہو کر زمین سے ٹکرائیں گے۔ یہ یوں محفوظ پر لکھا ہے۔ تمام دنیا میں تباہی پھیلے گی۔ سترہ ارب میں سے دو ارب آبادی بچے گی۔

جواب: ایسی پیش گوئیاں پہلے بھی بہت ہوتی رہی ہیں۔ رب تعالیٰ انھیں جھوٹا کر دیتا رہا ہے۔ میرے ایمان کے مطابق صرف رب جانتا ہے کہ کب کیا ہوگا۔ ذم دار ستارے ہوں یا بغیر ذم کے ستارے، چاند ہو یا سورج یا مجھے جیسے سرخس لوگ۔ سب رب کے ماتحت ہیں اور رب کے دائرہ قدرت میں ہیں۔ صرف رب ہے جو جب جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔ مختلف ستارے وقتاً فوقتاً زمین پر ٹوٹ کر گر رہے ہیں۔ مختلف سائنس دانوں کو زمین کے مختلف حصوں سے ان کے ٹکڑے بھی ملے ہیں جنھیں شہاب ثاقب کہتے ہیں۔ یہ روئین کا کام ہے جو

دے رہا ہے۔ درحقیقت یہ روایت West سے چلی تھی کہ 21 دسمبر 2012ء کو قیامت آجائے گی۔ مگر اب اس پر کچھ فیض ہے اس لیے ہم West کی بات کو سن و سن حلیم کر لیتے ہیں۔

میں پورے یقین سے کہہ چکا ہوں کہ 21 دسمبر 2012ء کو قیامت گھٹنے لے گی کیوں کہ آپ (رحمہ اللہ) نے قیامت کی جو نشانیاں بیان فرمائی ہیں ان میں سے بہت سی بڑی بڑی نشانیاں ابھی ہرگز نہیں ہوئیں۔ مثلاً حضرت امام مہدیؑ کا ظہور ہوا، نہ حال آیا نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے، نہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان دو جنگ ہوئی جو دنیائے اردن کے کنارے ہوئی۔

اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ 21 دسمبر 2012ء کو قیامت نہیں آئے گی۔ مگر ابی میں ہر وقت دہ کی چمک مانگتی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں تمام مصائب سے بچائے رکھے۔ کم از کم مجھے مجھے گناہ گار کے لیے سب سے Safe راستہ یہ ہے کہ دہ سے ہر وقت اس کا گرم مانگ جائے اور یہ مانگ جائے کہ یا اللہ اٹھ مجھے اپنی پادشاہی لے لے اور تو مجھے ہر قسم کے آلام و مصائب سے محفوظ رکھتا رہا۔

صاف نہ ہو گا اور جب تک دل صاف نہ ہو گا وہاں رب نہیں ہے گا۔

رب تعالیٰ پاک و صاف اور نکست پائند ہے۔ اور وہاں رہتا ہے Negative یعنی نہ ہونے والا۔
ان دس Negative عادات یا کثافتوں میں پہلی کثافت "کینہ" ہے۔ جب تک انسان دل سے کینہ یا غلظت نہ
اُٹل جائے تب تک وہاں رب نہیں رہتا۔

دس کثافتیں

جب ہم اپنی ذات پر غور کرتے ہیں کہ کس طرح ہم عالم ارواح سے عالم الاسباب میں آئے اور
عالم الاسباب سے ہم عالم برزخ میں چلے جائیں گے تو پھر ہمارا ذہن اُس قوت کی طرف جاتا ہے جو دکھائی
نہیں دیتی لیکن محسوس ہوتی ہے۔ وہ غیر مرئی قوت جس کا کہیں وجود نہیں لیکن ہر جگہ وجود ہے..... اُس قوت اور
ذات کو کیسے پہچانا جائے!

ہم اپنے آپ کو Examine کرتے اور دیکھتے ہیں کہ کس طرح ہم ایک ناپاک قطرے سے ایک چھ
فٹ کے نوجوان کی صورت میں وجود میں آ گئے۔ تب احساس ہوتا ہے کہ جس قوت نے یہ سب کیا وہ سب سے
زیادہ طاقت ور ہے۔ لیکن وہ قوت کیسی ہے؟ یہ جاننے کے لیے ہمیں اپنے اندر کو کھوجنا پڑے گا۔ مثلاً انسان
مہربان ہے، اس میں اللہ نے معاف کر دینے کی صلاحیت رکھی ہے۔ انسان کو نصہ آتا ہے، وہ انتقام لیتا ہے، غی
ہے۔ اسی طرح اس میں بہت سے Virtues ہیں۔ اسی ریفرنس سے اگر ہم آگے چلتے جائیں تو ہمیں رب
تعالیٰ کی صفات کا ادراک ہوتا چلا جائے گا اور ان صفات کا عکس انسان میں نظر آنے لگے گا۔ لیکن یہ نہیں کہ اس
سے ہمیں رب کی حد کا پتا چلے گا۔ رب تعالیٰ کی قوتیں بے حد و حساب ہیں، انسان کے ساتھ ان کا موازنہ نہیں
کیا جاسکتا لیکن ایک ریفرنس ضرور ہے کہ رب کے Virtues ایسے ہوں گے کیونکہ رب تعالیٰ نے اپنے تمام
Virtues کا عکس انسان میں رکھا سوائے رحمن کے۔ رحمن صرف رب ہے۔ جب ہم رب تعالیٰ کو اس
ریفرنس سے دیکھیں گے تو اسے مزید جاننے اور پہچاننے کا شوق ہمارے اندر پیدا ہوگا۔

رب کی ذات پر بھی غور نہ کریں کہ وہ کیسا ہے۔ یہ منع ہے کیونکہ انسان کی عقل اتنی کمزور و ناقص ہے کہ
رب تعالیٰ کی ذات پر غور کرنے سے انسان بھٹک جائے گا۔ رب کی صفات اور قدرت پر غور کرنے سے ہم رب
کو پہچانتے آئیں گے۔

جب ہم غور کریں کہ رب اپنی صفات میں کیسا ہے تب ہمیں ایک آئینہ کی ضرورت ہوگی جس میں ہم اُس کا
عکس دیکھ سکیں۔ وہ آئینہ ہمارا دل ہے اور آئینے میں کوئی شبیہ جب تک صاف دکھائی نہیں دیتی جب تک وہ
صاف نہ ہو۔

انسان کے اندر ایسی دس Negative عادات یا کثافتیں ہیں کہ جب تک وہ ختم نہ ہو جائیں انسان کا دل

اسی طرح ہم غصے کو پالتے ہیں۔ یہ اصطلاح ہے کہ جو انسان غصے میں عقل کھو دیتا ہے اور اسے اپنی زبان
پر کنٹرول نہیں رہتا وہ خواہ کتنا ہی عبادت گزار کیوں نہ ہو رب کے قریب نہیں آتا۔

آپ میں سے اکثر حضرات شاید یہ سوچیں کہ یہ تو پاگل پن ہے۔ اللہ کیسے قریب کیوں نہیں کرے گا؟
یہ ہے کہ اگر میں غصہ میں ہوں اور زبان پر کنٹرول نہیں کرتا تو دل کا چاہے جتنا بھی اچھا ہوں غصے میں آ کر اپنے
مسلمان بھائی کو بڑا بھلا کہہ کر اُس کی دل آزادی کرتا ہوں۔ غصے سے لکھنے کے بعد میں اس مسلمان بھائی کو جتنا
بھی Compensate کروں لیکن اُس کا دل تو پہلے میں تو کھا چکا۔ رب کو یہ پسند نہیں ہے کہ کوئی اُس کے
بندوں کا دل دکھائے۔ اُسے تو اپنے منکرین کا دل دکھانا بھی گوارا نہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ جن لوگوں نے
کسی منکر خدا کا بھی دل دکھایا، وہ رب کے قریب نہ جاپائے۔

اس لیے فقیر خاص طور پر اپنا غصہ ختم کر دیتے ہیں، کسی کا دل نہیں دکھاتے۔ وہ کسی کو No نہیں کہہ سکتے۔
حالانکہ Management میں کہا جاتا ہے کہ سب سے Effective executive وہ ہے جو سب
سے پہلے No کہنا سیکتا ہے۔ آج سے 46 سال پہلے گورے نے مجھے یہ بات پڑھائی تھی لیکن فقیر کا طرز عمل
اس Management سے مختلف ہوتا ہے۔ فقیر کسی کو No نہیں کہہ سکتا۔ اس لیے نہیں کہ اس میں اطلاقی
جرات نہیں ہوتی بلکہ اس لیے کہ وہ No کہہ کر کسی کا دل نہیں دکھانا چاہتا۔ اسے ڈر لگتا ہے کہ کہیں اس طرح وہ
رب کی گرفت میں نہ آجائے۔

یوں دس کثافتوں میں سے چھٹی کثافت دوسروں کی دل آزادی ہے اور ساتویں کثافت کسی کے کام آنے
کے بجائے انھیں "No" کہنا ہے۔

ایک اور خانی یا مٹاؤت جو ہمیں بہت عزیز ہے وہ ہے حرص کلام (Tale end) پر یہ تیسری خانی ہے (کہ میں بات کروں۔ دوسرا کرے۔)

اسی طرح حرص طعام ہے۔ ہم کھاتے چلے جاتے ہیں۔ مجھے کالج کے زمانے کا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ میرے تھکن کے دوست تھے ربانی صاحب۔ وہ جب بھی ہماری طرف آ کر ٹھہرتے تو چونکہ میں فیملی میں سب سے کم عمر تھا (جب فرسٹ ایئر میں پڑھتا تھا) اس لیے میری ڈیوٹی تھی کہ اُن کو Look after کروں۔ انھیں نہ جانے کیسے یہ گمان ہوا کہ میں بھی اہل زبان ہوں۔ ایک روز ربانی صاحب مجھے کہنے لگے کہ سرفراز! چلے ایک جگہ چلے ہیں۔ جب ہم وہاں پہنچے تو دو صاحبان کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ ربانی صاحب انھیں غور سے دیکھتے رہے اور اُن کے فارغ ہونے کا انتظار کرتے رہے۔ جب انتظار طویل اور کھانے کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا تو بولے "سرفراز ایک پنجابی اور اہل زبان میں اتنا ہی فرق ہے جتنا بھینس اور بکری میں۔" میں چونکہ غور پنجابی تھا اس لیے قدرے چونک کر انھیں دیکھا۔ مزید گویا ہوئے کہ اہل زبان بکری کی طرح ہیں۔ جیسے بکری کھاد ہی ہو تو ایک بار "ہش" کر دیں تو وہ چارہ چھوڑ دیتی ہے جب کہ بھینس تب تک کھری میں سے منہ نہیں نکالتی جب تک اُسے دو چار ڈانکس نہ پڑ جائیں۔" اُن کی یہ بات سن کر میں نے وہی زبان میں کہا "ربانی صاحب! میں بھی پنجابی ہوں۔" اس پر انھیں جھٹکا لگا، کہنے لگے "اچھا واقعی! آپ پنجابی کیسے تو نہیں۔"

جملہ ستر خاند کے طور پر عرض کرتا چلوں کہ ربانی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ایک بہت زبردست کوالٹی عطا کی تھی۔ ایک رات جب میں انھیں کھانا سرو کرنے کے بعد برتن لینے اُن کے کمرے میں گیا تو پوچھنے لگے "سرفراز صاحب! آپ کا پورا نام، والدہ کا نام، Date and place of birth کیا ہے؟" ادب کے تقاضے کے تحت میں نے انھیں سب معلومات فراہم کر دیں۔ اگلی صبح جب میں ناشتے کر اُن کے کمرے میں گیا تو انھوں نے سات اچھا لبا اور 15 انچ چوڑا ایک پیپر مجھے دیا جس پر پنسل سے میرے بچپن سے لے کر 55 سال تک کی عمر کے خاص خاص واقعات درج تھے۔ میں چونکہ شروع ہی سے پاسٹری، آسٹریالوجی، تعویذ دھماکے یا جادو نوٹا پر یقین نہیں رکھتا تھا کہ میرا عقیدہ ہے کہ Foretelling رب کے سوا کوئی نہیں جانتا اس لیے میں نے اس جتنی کوتاہ سے پڑھے بغیر کہیں رکھ دیا۔

1999ء میں تین پرانی چیزیں نہ جانے کہاں سے برآمد ہو گئیں۔ نکلا چار کوڑیاں اور ربانی صاحب والا پیپر۔ گئے کا تھکے کچھ یوں ہے کہ جب میں پانچویں کلاس میں پڑھتا تھا تب اپنی والدہ کے ہمراہ ایک بزرگ کے پاس گیا تھا (اب وہ حیات نہیں۔ اُن کا حراز ربانی صاحب میں ہے۔) انھوں نے مجھے ایک نکادیا تھا۔ کئی سال بعد 1999ء میں وہی نکا مجھے اپنی ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا۔ اس پر کائی جی ہوئی تھی۔

اسی طرح ایک بزرگ جنھیں آغا سے رخصت ہوئے تقریباً چھ سال گزر چکے انھوں نے مجھے چار کوڑیاں عطا کی تھیں۔ (کیونکہ اُن کے دو بیٹے کوڑیاں بطور داراستعمال ہوتی تھیں۔) وہ کوڑیاں بھی ایک مدت

کے بعد 1999ء میں مجھے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی ہوئی تھیں۔ ربانی صاحب کا بچہ بھی ایک دن وہیں سے ملا تو مجھے حیرت کے ساتھ خوشی بھی ہوئی۔ اُسے دو پارہ پڑھا۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اُس میں دو دن واقعات میں سے کوئی بھی واقعہ ایسا نہیں تھا جو میری زندگی میں ہوا نہ ہو۔ انھوں نے لکھا تھا کہ 55 سال کی عمر میں میں پاگل ہو جاؤں گا یا مجھے کوئی حادثہ پیش آئے گا اور پھر ہوا یہ کہ 55 سال کی عمر میں میں اس قدر کمال ہو گیا کہ قرین عزیز باضابطہ طور پر مجھے کہنے لگے "شاہ صاحب! آپ اللہ کو پکارتے رہتے ہیں اس لیے نیک عملے اور کام لوگ تو ایسے حالات میں خودکشی کر لیا کرتے ہیں۔" ربانی صاحب انتقال کر چکے۔ تماشائیت کیجئے کہ کتنی جیس ملیں گے۔ (یہ جملے ازراہ تفنن کہے گئے۔)

حرص طعام سے بات چلی تھی۔ حرص طعام رب کو پسند نہیں۔ اس میں جتنا شخص ذرا عاقبت کی راہ پر نہیں چل پائے گا۔ ایک اور بُرائی یا کثافت حرص جاہ کی ہے۔ جس دل میں یہ خواہش ہو کہ لوگ میری عزت کریں، میری تعظیم میں کھڑے ہوں..... اُس دل میں رب نہیں بستا۔

جیسا کہ سیدنا امیر معاویہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص چاہے کہ لوگ اُس کے لیے (تعظیم میں) اُٹھ کر کھڑے ہوں، اُسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔" لا جامع ترمذی باب ماجاء فی قیام الرجل للرجل، حدیث نمبر: 2754)

حرص جاہ اُن دس Negative چیزوں یا خامیوں میں سے Last ہے۔ اگر ہم رب تعالیٰ کو پانا چاہے ہیں تو ہمیں اُن دس کثافتوں سے چھٹکارا پانا پڑے گا۔ دل کو صاف کرنے کا ایک طریقہ مراقبہ بھی ہے۔ مراقبہ کے لیے ایسی جگہ بیٹھیے جہاں آپ روز بیٹھتے ہوں اور جہاں شور نہ ہو۔ Familiar جگہ پر بیٹھنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اعصاب پر تناؤ محسوس نہیں ہوگا۔ اعصابی تناؤ یا Tension کی صورت میں مراقبہ نہیں ہوتا۔ Meditaton (مراقبہ) کے مختلف Postures ہیں۔ کچھ لوگ التیمات والے Posture تو کچھ Cross-legged posture میں بیٹھتے ہیں اور سر کو اُتار جھکا لیتے ہیں کہ ٹھوڑی سینہ کو Touch کرنے لگتی ہے۔

مراقبہ کرتے ہوئے ابتدا میں تصور کیجیے کہ دل کو دیکھ رہے ہیں۔ دو چار دن تو اندھیرا دکھائی دے گا لیکن مایوس نہ ہوں چند دن بعد اُسی اندھیرے میں ہلکی سی روشنی نظر آنے لگے گی اور پھر آپ کو کمرے دکھائی دے گا چمکتا ہوا اپنا دل دکھائی دے گا۔ جب اُس پر نظر بٹھا کر تصور کیجیے کہ اُس پر "اللہ" کا نام لکھا ہے۔ چند لمحوں میں آہستہ آہستہ "اللہ" کا نام Visible ہونے لگے گا۔ اللہ کا نام دل پر واضح ہونے کے بعد بھی اگر آپ مراقبہ کرتے رہتے تو پھر یوں ہوگا کہ جیسے ہی آپ مراقبہ میں بیٹھیں چند ہی لمحوں میں اللہ کا نام دل پر لکھا آگے آئے گا۔ سانس آئے جائے گا۔ جب ایسا ہو تو سمجھ لیں کہ آپ کا مراقبہ ہو گیا۔ (میں نے کبھی مراقبہ کیا ہی نہیں۔ یہ تو چمکی ہوئی باتیں آپ کو بتاتا چار ہوں۔)

ہے کہ کسی بھی انسان سے نفرت نہ کرو۔ فقیر اس پر شدت سے عمل کرتے ہیں اور بڑے لوگوں کو زیادہ سنبھلے لگاتے ہیں۔

اگر ہم دوسروں کے بارے میں صرف اپنی گواہی درست کر لیں تو قومی سطح پر 80 فی صد مسائل ختم ہو جائیں گے۔ ایک بار کالم نگار ڈاکٹر اے آر خالد نے اسی موضوع پر میری گفتگو کی روشنی میں کالم لکھا تھا۔ "اصلاح احوال کا ایک نکاتی منشور، گواہی"۔ اگر ہم اپنی گواہی درست کر لیں گے تو پھر محض ایک گواہی کی وجہ سے کسی شخص کی تمام اچھائیوں کو Condemn نہیں کریں گے۔ اول تو کسی کی خامی، گناہ یا کمزوری کا ذکر کیا ہی نہیں جانا چاہیے لیکن اگر ناگزیر ہو جائے تو ان الفاظ میں کیا جائے کہ وہ بہت اچھا انسان ہے۔ اس بے چارے سے یہ کوتاہی ہو گئی ہے کہ اس نے ایک بڑی عادت Pick کر لی ہے۔

ایام جوانی میں میری ملاقات ایک صاحب دل اور صاحب علم شیرازی صاحب سے ہوئی جو جو غیر شادی شدہ تھے اور مرے کالج میں انگریزی کے پروفیسر تھے۔ وہ مجھ پر بہت مہربان تھے۔ ایک روز انھوں نے بتایا کہ مولانا اشرف تھانوی جب بھی سیال کوٹ آتے ہمارے گھر قیام کرتے تھے۔ جب میں پانچویں کلاس میں تھا تو ان سے ایک سوال پوچھا "مولانا صاحب! کافر اور مسلمان میں کیا فرق ہے؟" انھوں نے اللہ اور آپ ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے میری ذہنی سطح کے مطابق جواب دیا "بیٹا! ایک مسلمان اور کافر میں اتنا ہی فرق ہے جتنا ایک اچھے اور بڑے انسان میں۔۔۔ جب بڑا آدمی کسی اچھے انسان کو نیکی کا کوئی کام کرتے دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ ضرور اس نیکی کے پیچھے اس کا کوئی ذاتی مفاد چھپا ہے جب کہ نیک آدمی کسی بڑے آدمی کو گناہ کرتے دیکھتا ہے تو کہتا ہے بے چارے سے غلطی ہو گئی۔"

مارے Social set-up میں یہ رویہ بھی در آیا کہ ہم کسی کی ایک خامی یا کوتاہی کو پکڑ کر اس کی پوری Personality کو Damage کر دیتے ہیں۔ مسلمان یہ کام نہیں کرتا۔ وہ تو دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالتا ہے۔

سوال: محبت کیا ہے؟

جواب: جب ہم کسی شخص کو اس کی اچھی فطرت کی وجہ سے پسند کرنے لگتے ہیں تو اس پسندیدگی کی تھڑڈگری پیار یا محبت ہے۔ شروع میں Liking (پسندیدگی) Develop ہوگی پھر Infatuation اور اس کے بعد محبت یا پیار کی Stage آئے گی۔

اچھی فطرت بڑی Relative term ہے۔ مثلاً مجھ جیسے انسان کو اس شخص کی فطرت اچھی لگے گی جو مجھ سے زیادہ ہو۔ نیک آدمی سے میں ذرا بھانگوں گا۔ میرے دل میں اس کے لیے Liking develop نہیں ہو گی۔ سیال کوٹ کے پروفیسر شیرازی صاحب (جن کا ابھی ذکر ہوا) سے پریزیوٹیو نیورسٹی کے ہیڈ آف کیمسٹری ڈیپارٹمنٹ طفیل قریشی صاحب ملاقات کے خواہش مند تھے لیکن انھیں Appointment نہیں ملتی تھی۔ انھیں کسی نے بتا دیا کہ میں شیرازی صاحب سے خاصا قریب ہوں اور جب وہ لاہور تشریف لاتے ہیں تو ان

کے چوکرام سے آگاہ ہوتا ہوں۔ طفیل قریشی صاحب نے مجھ سے کہا کہ ان سے ملو اور میں نے شیرازی صاحب سے بات کر کر قریشی صاحب کی ان سے ملاقات کرادی۔ لیکن کچھ عرصے بعد قریشی صاحب کی دست شروع ہو گئی کہ مجھے ان سے دوبارہ ملنا ہے۔ شیرازی صاحب سے ان کی خواہش کا جب میں نے ذکر کیا تو کہنے لگے "لے آؤ۔" جب میں طفیل قریشی صاحب کو شیرازی صاحب کے پاس لے کر گیا تو ان سے کہا "شیرازی صاحب! طفیل صاحب کبلی ملاقات میں آپ سے بہت متاثر ہوئے ہیں اس لیے ان کا دل چاہتا ہے کہ آپ سے بار بار ملیں۔" پروفیسر شیرازی نے کہا "سید لاہ سے آؤ کچھ قریشی صاحب سے محبت میرے بارے میں کہا ہے یہ درحقیقت وہ اپنی ذات کے بارے میں کہہ رہے ہیں کیونکہ جب کوئی شخص دوسرے شخص سے ملتا ہے تو اسے اپنی ذات کا عکس اس میں دکھائی دیتا ہے جس طرح ہمیں آئینے میں اپنا Image دکھائی دیتا ہے۔" قریشی صاحب چونکہ خود بہت نیک اور بھلے آدمی ہیں اس لیے انھیں اچھے لگتی ہیں اچھائی کا عکس میرے اندر دکھائی دیا جس کی وجہ سے وہ صدمہ کھا گئے کہ میں اچھا ہوں۔

دائے شاگرد اسی طرح بیٹھے ہوتے ہیں۔ یہ استاد کو نہیں شاگرد کا کمال ہے کہ اس Receiving centre کا Strong ہے، اُس کے ادب آداب اسے پسند ہے کہ وہ استاد کے دل میں آتا ہے۔ اُس کے Etiquette, manners بات کرنے کا طریقہ، اُس کی Selflessness، اُس کا غم اور جذبہ اتنا خوبصورت ہوتا ہے کہ وہ استاد کے قریب ہو جاتا ہے۔ جس شاگرد کو اہل نے خوبیاں دکھائی ہیں اُس کا Receiving centre بہت Strong ہے اور وہ علم بہت تیزی سے Pick کرتا ہے۔ اسے استاد یا کمال کے بارے میں یہ سمجھئے کہ وہ آپ کو علم دے نہیں رہا بلکہ یہ سمجھئے کہ میں اُن سے علم لے نہیں رہا۔ جب ہم اپنے آپ کو یہ یقین دلا دیں گے تو پھر ہم Emptiness (خالی پن) کی فضا میں نہیں ہوں گے۔

جب میں کلاس لیا تو پھر میں پڑھتا تھا تو پاکستان میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے انا کی بہت کمی ہوئی۔ جب ایک دفعہ سنا کہ اُن دنوں مسجد کے مولانا نے نمازیوں سے فرمایا کہ "آج ہم نماز کے بعد مکہ میدان میں جمع ہو کر نماز استسقاء ادا کر کے بارش کے لیے دعا مانگیں گے۔" حسب پروگرام اُن سب نے نماز استسقاء ادا کر کے جب بارش کے لیے دعا کر لی تو اچانک مولانا صاحب نے اعلان کیا "بھائی اچھے سو رہے کانوت یہاں گرا ہوا ملا ہے۔ جس کا بے وہ لے لے۔" (یاد ہے یہ سورہ پیر 1952ء کا تھا) آدھے سے زیادہ نمازیوں نے دعویٰ کیا کہ یہ 100 روپیہ اُن کا ہے۔ جب مولانا نے کہا "بھائی اچھے سو رہے کسی کا بھی نہیں۔ میں نے خود اپنی جیب سے نکال کر اسے یہاں پھینکا تھا۔" اب آپ خود بھی سوچ لیجئے کہ ہماری حالت جب یہ ہو کر نماز کے فوراً بعد اپنا ایمان سورہ پے میں بچ رہے ہوں تو پھر ہماری دعاؤں میں اثر کہاں ہوگا۔

میں بھی رُوحانیت کا بہت شوقین ہوں اور چاہتا ہوں کہ رُوحانیت کے حصول کے بعد میں سڑک پر چلتے لوگوں کو مخاطب کر کے کہوں کہ بھائی تمہارے دل میں یہ ہے، تم یہ بات سوچ رہے ہو۔ اس طرح میں کسی کی چلتی کار روک دوں، کسی کو درخت سے اُلٹا لٹکا دوں، کسی کو پھونک مار کر آسمان تک اُڑا دوں۔ پھر لوگ مجھے جھک جھک کر سلام کریں، میرے گھٹنوں کو ہاتھ لگائیں۔ مجھے اس سب کا بہت شوق ہے لیکن مجھ سے یہ سب ہو نہیں پاتا۔ تب مجھے آپ جیسے کسی سمجھ دار آدمی نے یہ بات سمجھائی "جناب سرفراز صاحب ایہ خصوصیات اپنے آپ کو منادینے سے حاصل ہوتی ہیں۔ آپ نے تو اپنے اندر بڑے بڑے بت بنائے ہوئے ہیں اور آپ اُن باتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ کہیں آپ کے اندر انا کا بت ہے تو کہیں تقاضا۔ کہیں آپ سمجھتے ہیں کہ مجھ سے زیادہ علم کوئی نہیں رکھتا، مجھ سے زیادہ اچھا تو کوئی نہیں، مجھ سے زیادہ عقل مند کوئی نہیں۔ جب تک آپ ان باتوں کی پرستش کرتے رہیں گے کہیں پہنچ نہیں پائیں گے۔" اس کے بعد میں نے جانا کہ جب تک میرے اندر کے بت لو نہیں گئے نہیں، میں دس استادوں کے پاس بھی جا کر بیٹھ جاؤں تو مجھے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ جب شاگرد استاد کے پاس جا کر بیٹھتا ہے تو استاد اُسے لگا ہوں سے تو لہا ہے اور اپنے علم سے جان لینا ہے کہ اُس کے شاگرد کے اندر کیا کیا بات ہیں۔ وہ اُن باتوں کو توڑنے لگتا ہے۔ انسان میں سب سے زیادہ Strong بت انا کا ہے۔ بھائی انا کا بت تب تک نہیں ٹوٹتا جب تک اسے گرد نہ مارے جائے۔ یہ Physical بت ہے۔

سوال: مرشد سے ملاقات کے بعد کبھی مرید کو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اُس کے اندر کا خالی پن بھر گیا۔ ایک سکون اور اطمینان کی کیفیت ہوتی ہے لیکن کبھی ملاقات کے بعد بہت زیادہ Emptiness کا احساس ہوتا ہے۔ ایسا کیوں؟

جواب: ہم اگر اپنی زندگی پر نظر ڈالیں تو ہم سدا ایک ہی کیفیت اور موڈ میں نہیں رہتے۔ ایک ہی جذبے پر قائم نہیں رہتے۔ اس میں Variation آتی رہتی ہے۔ انسان کا بلڈ پریشر Lunar system کے تحت بڑھتا اور گھٹتا رہتا ہے۔ انسان کی باڈی کیمسٹری میں چاند کے بڑھنے اور گھٹنے کے ساتھ Changes آتی رہتی ہیں۔ جب باڈی کیمسٹری میں Change آگئی تو ہماری ذہنی کیفیات اور موڈ بھی بدل جائیں گے۔

بات یہاں مرشد کی نہیں ہے۔ یہ مرید کی اپنی بات ہے۔ جب کوئی شاگرد اپنے استاد کے پاس جاتا ہے تو اگرچہ استاد کے بھی اپنے Mood swings ہیں، اُس کی Body chemistry بھی Change ہوتی ہے اور اُس کے جذبے بھی کم اور زیادہ ہوتے رہتے ہیں لیکن چونکہ وہ علم کے ایک مقام پر چلا گیا ہوتا ہے اس لیے اُس کو اپنی کیفیات پر کافی Control حاصل ہوتا ہے۔ اُس کے اندر کیسی ہی کیفیات کیوں نہ چل رہی ہوں وہ تاہل Behave کرے گا۔ شاگرد ابھی اُس مقام تک نہیں گیا ہوتا اس لیے اُس کی کیفیات اُسے Overpower کر لیتی ہیں۔

مختلف ریڈیو اسٹیشن ایک ہی وقت میں اپنی نشریات جاری رکھے ہوتے ہیں۔ ہم اُن نشریات کو صرف اُس صورت میں Clearly سن پاتے ہیں جب ہمارا Receiving set اچھا ہو۔ ریڈیو اچھی حالت میں ہو تو دور دروازے کے ریڈیو چلتے بھی ہمیں واضح طور پر سنائی دیتے ہیں ورنہ Distortion آتی ہے۔

شاگرد کی Body chemistry میں Highs and lows آتے رہتے ہیں۔ جب اُس کی باڈی کیمسٹری Lows میں ہے اور وہ اپنے استاد کے پاس جا کر بیٹھتا ہے تو اسے احساس نہیں ہوتا کہ میرے یہاں آنے سے مجھے کچھ حاصل ہوا ہے۔ اُسے Emptiness کی Feelings آتی ہیں۔

اس کیفیت میں استاد کی نسبت شاگرد کا زیادہ رول ہے۔ کسی وقت استاد سے ایک منٹ کی ملاقات شاگرد کو ایسا احساس دلاتی ہے کہ جیسے وہ لہا لہا بھر گیا۔ کیونکہ اُس کا استاد تو Giving end دے رہا ہے۔ شاگرد جب بھی اُس کے پاس جا کر بیٹھتا ہے استاد اپنی گفتگو کے ذریعے اسے علم دے گا کیونکہ رُوحانیت میں استاد تو سرخ بھر کر علم Inject کرتا ہے۔ ذوالے کی صورت میں دیتا ہے کہ یہ علم کا ٹکڑا ہے اسے کھا لیجئے۔ استاد تو علم پھیلا رہا ہوتا ہے۔ اُس کی گفتگو ہمیشہ علم سے معمور ہوتی ہے۔ یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم اُس کی گفتگو میں سے علم کے ٹکڑے کس طرح چن لیتے ہیں۔

آپ کے استاد کی حرکات و سکنات بھی سبق لیے ہوتی ہیں۔ یہ ہم پر ہے کہ اُس سبق کو کس طرح Pick, gather and absorb کرتے ہیں۔ آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ کچھ شاگرد اپنے استاد کے پاس سب سے بعد میں جاتے ہیں۔ وہ سب سے زیادہ علم حاصل کر کے سائیڈ پر ہو جاتے ہیں جب کہ پرانے آنے

Humiliation کے گرز ہیں کہ ہر دھت کے بعد اگر شاگرد پر Humiliation ہو تو پھر کہیں جا کر رنڈا رہتا ہے۔

Emptiness کا یہ احساس کبھی نہیں ہوگا اگر ہم اپنے استاد کے پاس بیٹھ کر صرف اُسے سنیں۔ استاد سے علم حاصل کرنے کا Keynote سننا ہے، بولنا نہیں۔ جب آپ اپنے استاد یا گائیڈ کی خدمت میں حاضر ہوں تو اُسے سوئیاں چھوئیے کہ وہ بولے پر مجبور ہو جائے۔ جتنا وہ بولے گا اور شاگرد خاموشی سے سنے گا اتنا ہی زیادہ علم شاگرد Collect کرے گا۔ اگر شاگرد خود بولتا رہا تو استاد Comfortable ہو جائے گا۔ وہ آرام سے بیٹھ کر اُسے سنے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ وہاں سے کچھ لیے بغیر اُٹھ آئیں گے۔

سوال: بارگاہ الہی میں التجا، درخواست اور فریاد ہے کہ ہر وہ خیر آپ کا مقدر ہو جو اللہ کے پاس ہے اور جو ہمارے پیارے رسول آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں اپنے رب سے طلب فرمائی۔ ہر اُس شے سے آپ محفوظ و مامون ہوں جس سے پناہ کے لیے سرور کو نین صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ رب میں متعدد بار مختلف مواقع پر دُعا فرمائی۔ آمین۔

جواب: آمین۔ اللہ پاک یہ دعا قبول فرمائے اور آپ کو جزا عطا فرمائے کہ آپ نے مجھے جیسے گناہ گار اور حقیر انسان کے لیے اللہ کے حضور اتنی اچھی دُعا کی۔

سوال: ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ کچھ والدین اپنے بچوں کی وجہ سے اور کچھ بچے اپنے والدین کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔ کیا یہ حدیث قوی ہے یا ضعیف؟

جواب: اسلام یا کسی بھی الہامی مذہب کا قانون ہو یا پھر کوئی بھی Family law ہو کسی میں بھی یہ Provision نہیں کہ باپ کی سزا بیٹے کو یا بیٹے کی سزا باپ کو دے دی جائے۔ اسلام اس حوالے سے بہت Clear ہے۔ ہر بالغ شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے ہاں البتہ Parents بچے کے لیے اُس وقت تک ذمہ دار ہیں جب تک بچہ ہوش مند نہیں ہو جاتا۔ اُس کی تربیت کرنا، دین اسلام کی تعلیم دینا یا دلا نا اور اُس کے لیے Ensure کرنا کہ وہ بالغ ہونے کے بعد دین اسلام پر جس حد تک ممکن ہو عمل کرے، یہ سب ماں باپ پر فرض ہے۔ اگر ماں باپ اس میں کوتاہی کرتے ہیں تو وہ اس کوتاہی کے لیے اللہ کو جواب دہ ہیں کہ جب بچہ اُن پر Dependent تھا تو اُنھوں نے اُس کی تعلیم و تربیت اس انداز میں کیوں نہیں کی کہ وہ علم دین اور دوسرے علوم پر دسترس رکھتا۔ اُس کو اسلام کی کچھ ہوتی کہ اسے اسلام کے تحت زندگی کس طرح گزارنی ہے۔ یہ ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ سن بلوغت تک بچے تک اُسے اچانکتہ کر دیں کہ وہ ساری عمر اسلامی اصولوں پر چلے۔

کوتاہی کی صورت میں والدین کی پچھچھ تو ہوگی لیکن جس حدیث کا ذکر آپ نے کیا ہے میں اس پر یقین نہیں ہوں کہ اس کو قوی یا ضعیف قرار دے سکیں کیونکہ میری نظر سے جس گزری اور میں کوئی ایسی بات کہنے کو تیار نہیں ہوں جو میرے علم میں نہیں ہے۔

سوال: آج کل پڑھے لکھے لوگوں کو جاب ملنا مشکل۔ ہو گیا ہے، رشوت، سفارش عام ہو گئی۔ شہر نشینی ضروریات جاب کے ذریعے پوری ہوتی ہیں۔ جاب کے حصول کے لیے سفارش کا Concept کیا ہے؟ یہ کس حد تک ہونی چاہیے؟

جواب: اس سال 7 جولائی 2012ء کو میری جاب کے 46 سال پورے ہو گئے۔ ان 46 سالوں میں میں نے بہت سی Jobs تبدیل کیں۔ ملٹی نیشنل جابز بھی کیں، گورنمنٹ سروس میں بھی رہا، پرائیویٹ سیکٹر کے لیے بھی کام کیا۔ چھ یا بیس سال میں کوئی جاب ایسی نہیں جو مجھے سفارش سے ملی ہو یا جس کے لیے میں نے رشوت دی ہو۔ اسی طرح 1976ء سے میں Independent appointing authority کے طور پر کام کر رہا ہوں۔ اتنے سالوں میں میں نے کبھی کوئی آدمی سفارش پر نہیں رکھا۔

ہمارا یہ احساس کہ سفارش کے بغیر جاب نہیں ملتی، گورنمنٹ کی حد تک تو شاید درست ہو لیکن پرائیویٹ سیکٹر میں ایسا نہیں۔ کیونکہ ٹاپ پر بیٹھے آدمی کی اپنی نوکری خطرے میں پڑ جائے گی اگر وہ سفارش پر لوگوں کو لے آیا۔ کیونکہ اُسے اپنی نوکری بچائے رکھنے کے لیے Results Produce کر کے دینے ہیں۔ وہ اپنے Interest میں اُن لوگوں کو Appoint کرے گا جن میں واقعی قابلیت ہو۔

لیکن اس سب کے بعد میں یہ بھی عرض کر دوں کہ جس جاب کے لیے ایک شخص Apply کر رہا ہے اُس سے اُس کی قابلیت زیادہ ہے۔ وہ شخص Physically and Intellectually ایمان دار ہے، جاب کی تمام شرائط بہتر طریقے سے پوری کرتا ہے تو پھر Appointing authority کو یہ کہہ دینا کہ صاحب امیں نے اس آدمی کو ذاتی طور پر پرکھا ہے اور میری رائے میں یہ شخص اس جاب اور آپ کے ادارے کے لیے بہتر ثابت ہوگا۔ یہ سفارش جائز ہے لیکن ساتھ یہ بھی کہہ دیا جائے کہ آپ بھی اپنے منیجر کو اسے اس پرکھ لیجئے۔ اگر یہ آپ کے معیار سے زیادہ اچھا ثابت ہو رہا ہو تو اسے Chance دے دیجیے۔

لیکن اگر انیس بیس کا فرق ہے اور آپ اس فرق کو Ignore کر کے اس شخص کو Appoint کرنا چاہتے ہیں تو یہ گویا کسی حق دار کا حق مارنے کے مترادف ہے۔

سوال: دوسروں کا حق مارنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: جب ہم اپنے ذاتی مفاد کو دوسرے کے مفادات پر ترجیح دینے لگیں تو اس میں بہت Strong possibility ہے کہ ہم دوسروں کا حق مارنے لگیں۔ سب سے محتاط رویہ یہ ہے کہ دوسروں کے حق کو اپنے حق پر مقدم رکھیں۔ اگر میں آپ کے حق کو اپنے حق پر ترجیح دینے لگوں تو اس سے دوسروں کا حق بارگاہِ کام چلانے کی Tendency ختم ہو جائے گی۔

اگر میں قطار میں کھڑا ہوں اور میرا قہر آگیا ہے تو میرا حق ہے کہ اپنی داری پر کام کر لوں لیکن اگر میں بھٹا ہوں کہ ایک صاحب بہت بے یقین ہیں اور مجھے لگتا ہے کہ انھیں جلدی ہے۔ میں اُن سے کہتا ہوں کہ آپ میرے قہر پر کھڑے ہو جائیں میں بیچھے آپ کے قہر پر چلا جاتا ہوں۔ میں تمہاری کسی حق مارنے سے بچا گیا۔

تو میں نے دوسروں کا حق مار دیا۔
 بہتر یہی ہے کہ اس امثال کو ختم کر دیجیے کہ کہیں آپ کی وجہ سے دوسروں کی حق تلفی ہو۔۔۔ دوسروں کے
 حق، مفاد اور خواہشات کو اپنے حق، مفاد اور خواہشات پر ترجیح دے دیجیے۔ دوسروں کے آرام کو اپنے آرام پر
 فوقیت دے دیجیے۔ حق تلفی سے قاجائیں گے۔

سورۃ التغابن

جب میں پہلی بار اپنے مرشد سید یعقوب علی شاہ صاحب حیدر علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں
 نے کمال مہربانی فرمائی اور چند منٹ کی چٹائی ہی ملاقات میں مجھے پڑھنے کو کچھ عطا فرما دیا۔ ہر کم علم شخص کی
 طرح میں بھی اس زعم میں مبتلا تھا کہ میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ یہ فطرت کے رنگوں میں سے ایک رنگ ہے کہ
 انسان جتنا کم علم ہوتا ہے اسی قدر اُسے یہ زعم ہوتا ہے کہ میں بہت علم والا ہوں۔ جو شخص جتنا الاطم ہوگا اتنی ہی
 صاحبان علم پر تنقید کرے گا کہ اُن میں فلاں فلاں خرابی ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ پہاڑی تالے میں مون سون کے موسم میں پانی آتا ہے۔ Shallow ہے
 اتھاہ ہوتا ہے اور ٹخنوں سے بھی کم گہرائی تک اُس میں پانی ہوتا ہے۔ اس کے باوجود اُس کا بہاؤ کس قدر تیز
 ہوتا ہے اور کتنا زیادہ شور مچاتا ہے۔

ندی نسبتاً تالے سے بڑی ہوتی ہے لیکن اُس کا شور تالے کی نسبت کم ہوتا ہے۔ نہرو کیہ لہجے۔ بڑی روہلی
 سے بہت کم شور پیدا کیے بہتی اور زمین سیراب کرتی رہتی ہے۔ وریا میں نہرو کی نسبت کہیں زیادہ گہرائی اور پانی
 ہوتا ہے لیکن اُس کے بہاؤ میں نہ کوئی شور ہوتا ہے نہ سیلاب کے زمانے کے علاوہ اُس میں لہریں اٹھتی ہیں۔
 سمندر جو پوری زمین کا Almost دو تہائی ہے اُس میں بڑے بڑے جہاز تیرتے ہیں اور کئی طرح کی مخلوق
 بستی ہے۔ ذرا سوچیے! اُس سمندر کا ٹھہراؤ اور سکون کس قدر ہے، اس کا سینہ کتنا وسیع ہے کہ بڑے بڑے
 جہاز ڈوب جاتے ہیں لیکن کہیں اُن کا سراغ نہیں ملتا۔ کوئی چیز گہرائی میں جتنی کم ہوتی ہے اسی قدر زیادہ شور
 مچاتی ہے۔ میں بھی تب اپنے آپ کو بڑا علامہ سمجھتا تھا۔ مرشد صاحب نے جب وہ لفظ مجھے پڑھنے کو دیا تو
 میرے دل میں خیال آیا کہ اسے اتنا کم پڑھنے سے کیا فائدہ ہو جائے گا کیونکہ مرشد صاحب نے اُسے
 پڑھنے کا طریقہ یہ بتایا تھا کہ وضو کرتے وقت ہاتھ دھونے کے دوران اسے پڑھنا ہے (یوں وہ لفظ ہمشکل تھا
 5 مرتبہ پڑھا جاتا تھا) ساتھ انھوں نے سخت تلقین کی تھی کہ اس کے بعد دعا نہیں مانگی۔ تیس دن تو میں نے
 اُن کی تلقین پر عمل کیا۔ چوتھے دن سوچا کہ دعا مانگ کر تو دیکھوں کہ ہوتا کیا ہے۔ میں نے وضو کے دوران وہ
 لفظ پڑھا اور اُس کے فوراً بعد دعا مانگی۔ اُس وقت مجھے ایک بے حد خوب صورت جگہ دکھائی دی (اس کی
 تفصیل میں جانا شاید مناسب نہ ہو)۔ مرشد صاحب سے عرض کی کہ ”میں نے ایسی خوب صورت جگہ دیکھی

ایمان لا کر نیک عمل کرے اللہ اس کی تمام گناہوں کو دھو کر دے گا اور اسے جہنم میں داخل کرے گا جس کے لیے
شعیریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ میں گئے۔ لیکن بہت جلدی کا سامنا ہے۔"

"نہیں" اردو میں اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی کا جیسے غیر قانونی طور پر لفظ میں لے
لے۔ "نہیں" نہ صرف روپے پیسے کے لیے استعمال ہوتا ہے بلکہ شرارت دار (خود دہ زندگی) کے لیے اس کا ذکر کا
شریک ہو) اگر جان بوجھ کر ایسا مشورہ دے جس سے دوسرے کا نقصان ہو تو اس کے لیے بھی لفظ "نہیں"
استعمال ہوتا ہے۔ اگر وہ شرارت دار کا جیسے دھوکے اور بے ایمانی سے لفظ میں لے لے تو یہ بھی نہیں ہے۔

انسان غلطیاں اور کوتاہیاں کرتا ہے اور ان کی وجہ سے خسارے میں چلا جاتا ہے۔ سورۃ التغافل پڑھنے
سے انسان کی وہ غلطیاں، خطائیں اور کوتاہیاں معاف ہو جاتی ہیں۔ اس سورۃ کی تلاوت کے اثرات بہت
آہستہ آہستہ سامنے آئیں گے جب کہ ہم پاکستانی لوگ ہر وقت بہت جلدی میں ہوتے ہیں۔ کچھ اور ارادہ
آرٹ شجاعت ہاشمی نے پچھلے دنوں بڑا دلچسپ واقعہ سنایا کہ سب لوگ ریلوے کراسنگ پر لڑیں آئے اور
پھاٹک کھلنے کا انتظار کر رہے تھے۔ اچانک دیکھا کہ ایک صاحب اپنی سائیکل سر پر اٹھائے بلا خوف و خطر
ریلوے کراسنگ کراس کر رہے ہیں۔ ٹرین ان کے سر پر تھپی چکی تھی۔ پھاٹک پر کھڑے لوگ دم ہمارے یہ
سارا منظر دیکھتے ہوئے سوچ رہے تھے کہ نہ جانے کس ایمر جنسی نے ان صاحب کو اتنا بڑا Risk لینے پر مجبور کیا
کہ وہ جان پر کھیل گئے۔ الحمد للہ چند سیکنڈ کے وقفے سے ان صاحب نے ٹرین بچنے سے پہلے ہی کراس کر
لی۔ اتنے میں پھاٹک کھل گیا۔ جب لوگ ریلوے کراسنگ سے دوسری طرف بچنے تو دیکھا کہ وہ صاحب
ارگرد سے بے نیاز بڑی فرصت سے کھڑے مداری کا تماشا دیکھ رہے ہیں اور مجمع باز کی تقریریں کر رہے ہیں۔
ہماری جلد بازیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔

مجھے نہیں معلوم کہ اس سورۃ کو پڑھنے سے اس کے اثرات کتنی جلدی آپ کو حاصل ہوں گے۔ میں نے
ڈیڑھ سال تک یہ کثرت کا نا تھا۔ موسم خواہ جیسا بھی ہوتا میں مشاء کے بعد کھلی جگہ یہ سورۃ پڑھا کرتا تب ڈیڑھ
سال بعد مرشد صاحب نے اگلا سبق دیا۔ سورۃ التغافل میں رب تعالیٰ نے فرمایا "ہم نے انسان کو بہت خوب
صورت شکل و صورت اور متناسب جسم کے ساتھ تخلیق کیا۔" اس سورۃ میں کفار کو مخاطب کر کے فرمایا گیا کہ "یہ
سمجھتے ہیں کہ ہم انھیں مار کر دوبارہ زندہ نہیں کریں گے۔ آپ سچے ایمان انھیں کہہ دیجئے کہ ہم انھیں ضرور
اٹھائیں گے۔" جب ان کا نام اعمال ان کے سامنے پیش کیا جائے گا اور یہ اس نامہ اعمال کو جھٹلائیں
سکیں گے۔"

"کافروں نے کہا کہ وہ ہرگز نہ اٹھائے جائیں گے تم فرماؤ کیوں نہیں میرے رب کی
قسم تم اٹھائے جاؤ گے پھر تمہارے کو تک تحسین جی دیے جائیں گے اور یہ اللہ کو
آسان ہے۔" (التغافل: 7)

اس سورۃ کی آیت نمبر 15 میں اللہ نے مال اور اولاد کو انسان کے لیے آزمائش قرار دیا۔

ہے۔ "وچونک کر کہنے لگے" دوبارہ بتاؤ کیا دیکھا۔" میں نے بتایا تو سوچ میں گم ہوئے۔ پھر بولے "دوبارہ
بتاؤ کیا دیکھا۔" جب میں نے سن و عن تعلیمات دہرا دیں تو پوچھا "کیا تم نے دعا مانگی تھی؟" میں نے کہا
"جی" یہ سن کر وہ شدید غصے میں آ گئے اور کہا "پھر کیا لینے آئے ہو میرے پاس۔۔۔ چلو بھاگو یہاں سے۔"
اس کے بعد چھ مہینے میں وہاں نہیں گیا۔ اس عرصے میں میرا ایک ذاتی کام ایسا پھنس گیا کہ اسے ہر حال میں
کر دینا ناگزیر تھا۔ میں نے سبکیں اسی کمرے (212) جہاں زیب ہلاک علامہ اقبال ناؤن کا ڈرائنگ روم
کے اسی کونے میں بیٹھے بیٹھے ایک روز بابا تاج الدین کی طرف رُجوع کیا تو ان سے ملاقات ہو گئی۔ مرشد
صاحب کی شکل دکھا کر مجھے کہنے لگے "ان کے پاس چلے جاؤ اور دعا کر لو تمہارا کام ہو جائے گا۔" لیکن میں
چوں کہ ان کے پاس جانا نہیں چاہتا تھا اس لیے دوسرے دن دوبارہ بابا تاج الدین رضی اللہ عنہ سے رُجوع کیا تو
انھوں نے فرمایا "یہ (سید یعقوب علی شاہ رضی اللہ عنہ) بہت بڑے ولی اللہ ہیں۔ ان کے پاس جا کر اپنا مسئلہ
بیان کر دو۔ یہ دعا کریں گے تو کام ہو جائے گا۔" میں چارو تا چار ان کے پاس چلا گیا تو وہی ہوا جس کا ذکر تھا۔
مجھے دیکھتے ہوئے Politely پوچھا "کیسے آئے؟" میں نے کہا "حضور! ادھر سے گزر رہا تھا، سوچا آپ کو
سلام کرتا چلوں۔" فرمایا "کر لیا سلام؟" میں نے کہا "جی؟" کہنے لگے "جاؤ۔" یہ سن کر میں نے دل میں کہا
میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ ایسے ہی ہوگا۔ دو دن بعد دوبارہ ان کے پاس چلا گیا۔ کہنے لگے "آج کیسے آئے؟"
میں نے کہا "چائے پینے آیا ہوں" بڑی محبت سے بولے "ہاں ضرور۔ بیٹھو میں پلاتا ہوں۔" چائے بنا کر
مجھے دی۔ جب میں چائے پی چکا تو کہنے لگے "اب جاؤ۔" بغیر دعا کرائے میں پھر واپس چلا آیا۔ تیسری بار
جب ان کے پاس گیا تو کہنے لگے "کوئی کام ہے کیا؟" میں نے کہا "جی! کام تھا۔" بابا سید تاج الدین
اولیاء رضی اللہ عنہ سے تین دن ملاقات ہوتی رہی اور انھوں نے تینوں بار آپ کے پاس آنے کی تاکید کی
تھی۔ "یہ سن کر سخت جلال میں آ گئے کہ" وہ کون ہوتا ہے کسی کے راز کھولنے والا۔ اُسے تو میں آج رات
ٹھیک کروں گا۔"

تھوٹے مختصر اس دن کے بعد سے میں روٹین میں ان کے پاس جانے لگا۔ ایک روز مہربان ہو گئے۔
فرمایا "قرآن پاک کی سورۃ التغافل پڑھا کر دو۔" یہ دراصل اس غلطی کی تلافی کے لیے تھی جو میں نے دعا
مانگ کر کی تھی۔

یہ قلم سنانے کا مطلب یہ تھا کہ انسان سے جب کوئی غلطیاں اور کوتاہیاں یا ایسی حرکتیں سرزد ہو جائیں کہ
کوئی دعا، توبہ یا فریاد اللہ کے سامنے کام نہ کر رہی ہو تو وہ روزانہ عشاء کی نماز کے بعد سورۃ التغافل کی
تلاوت کرے۔ یہ سورۃ مدنی ہے اور اٹھائیسویں پارے میں ہے۔ یہ قرآن پاک کی 64 ویں سورہ ہے۔ اس
کی 18 آیات اور دو رکوع ہیں۔ اس سورۃ کی آیت نمبر 9 میں لفظ "التغافل" استعمال ہوا ہے۔ یہ لفظ
"نہیں" سے Derive ہوا ہے۔ آیت نمبر 9 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"جس دن تم سب کو اس جمع ہونے کے دن جمع کرے گا۔ وہی دن ہے ہرجیت کا۔ اور جو شخص اللہ پر

”تمہارے مال اور تمہارے بچے جانچ ہی ہیں اور اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے۔“

یہ سچ ہے کہ انسان اپنی اولاد کے لیے سب کچھ کر گزرتا ہے اور اولاد کے فائدے کے لیے غلط صحیح اور حرام حلال میں تمیز نہیں کرتا۔ ایک اور کوتاہی جو اکثر انسان سے سرزد ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے اہل خانہ کے لیے سچ کو تبدیل نہ بھی کرے تو اسے چھپا لیتا ہے تاکہ اہل خانہ اور اولاد کو اس سچ کی وجہ سے نقصان نہ ہو۔ یہ سب باتیں بروہ قیامت ہمارے سامنے آ جائیں گی۔ اور جس اولاد کے لیے ہم نے یہ سب غلط کام کیے ہوں گے وہ اولاد اس روز کام نہ آئے گی۔

جو لوگ محض زبانی نہیں بلکہ دل سے رب کو چاہنے والے ہیں وہ رب تعالیٰ کی طرف سے آنے والی ہر مصیبت، مشکل، آفت، جنگ، مفلسی اور غربت کو اتنی خوب صورتی اور خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں کہ ان کے قریبی لوگوں کو بھی پتا نہیں چلتا کہ وہ کس حال میں ہیں۔ آپ نے ایسے صاحبان ایمان کو دیکھا ہو گا جو دشمنوں کے زرخے میں کھڑے ہونے کے باوجود مسکرا رہے ہوتے ہیں حالاں کہ جانتے ہیں کہ اگلے ہی لمحے وہ قتل کر دیے جائیں گے۔ یہ وہ مبارک لوگ ہیں جنہیں اپنے رب پر ایسا بھروسہ ہے کہ موت کو بالکل سامنے دیکھ کر بھی ان کے ذہن میں یہ خیال رہتا ہے کہ میرا رب میرے ساتھ ہے۔ اگر مجھے مرنا ہے تو یہ موت میرے رب کی طرف سے بھیجی گئی ہے جس سے منکر ممکن نہیں۔ اگر اس نے بچانا ہے تو میں دشمنوں کے زرخے سے بچ کر نکل جاؤں گا۔ رب پر اس بھروسے کی وجہ سے اس کے چہرے پر نہ کوئی فکر و ملال ہوتا ہے اور نہ ہی وہ دشمن سے Compromise کرتا ہے۔ ہم کبھی جب تنہائی میں بیٹھے ہوں تو بہت گہرائی سے واقعہ کو بھلا کر جائزہ لیں۔ میرا ذہن بار بار اُدھر گیا (میں سنی العقیدہ ہوں لیکن سمجھتا ہوں کہ ان ہستیوں سے پیار کرنا تمام مسلمانوں کے لیے واجب ہے)۔ میدان کر بلا میں جو کروار حضرت امام حسینؑ نے دکھایا وہ آج تک نہ کسی نے دکھایا نہ کوئی قیامت تک دکھائے گا۔

ہمارے بچوں میں سے کسی کو اگر کوئی بھی چھہ جائے تو ہم جان دے کر بھی اسے سوئی کی اس چھین سے نجات دلانے کی کوشش کرتے ہیں جب کہ میدان کر بلا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ضعیف العمر انسان اپنے ہاتھوں سے اپنے جوان بیٹے کو تیار کرتا ہے۔ یہ جاننے کے باوجود کہ اکیلا بچہ دس ہزار فوج کے مقابل جا رہا ہے، اس کی شہادت یقینی ہے۔ زندہ واپس نہ آئے گا۔ اسے گھوڑے پر سوار کر کے بھیجتا ہے اور پھر جوان بیٹے کو شہید ہوتے دیکھتا ہے۔ لیکن پھر بھی نہ کوئی شہوہ نہ آفسونہ ملال اور نہ کوئی تسبیح یا وظیفہ۔ جب بیٹا شہید ہو جاتا ہے تو بڑے محنت سے اپنے ہاتھوں سے اس کی لاش اٹھا کر لاتا ہے۔ پھر بھانجے، بھتیجیوں کو اپنے ہاتھوں سے تیار کر کے بھیجتا اور ان کی شہادت کا قصہ دیکھتا ہے۔ آخر میں خود گھوڑے پر سوار ہو کر دشمن کی فوج کی طرف جاتا اور شہید ہو جاتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اپنے رب پر اس بھروسے کا بھروسہ ہے کہ اپنا سب کچھ وہ رب پر قربان کر دیتے ہیں کہ میرا رب یہی چاہتا ہے۔ جب انسان کو اپنے رب پر اس بھروسے کا بھروسہ ہو جاتا

ہے پھر وہ اس مقام پر آ جاتا ہے کہ جہاں اسے ہر طرح کی تکلیفیں پہنچان کر تھیں سب کہ ہر ہی زندگی میں ذرا سی مشکلات آ جائیں تو ہم پریشان ہو جاتے ہیں۔

مجھے ایک مدت سے فجر کی نماز کے بعد سونے کی عادت ہے۔ فجر کی نماز پڑھ کر بالآخر پڑھ ہی سہی جاتوں۔ باضی میں چوں کہ دفتر جانے سے پہلے مرشد صاحب کے پاس حاضری دینا ہوتی تھی اس لیے پڑھنے کو کھینچے سونے کا معمول ہے۔ ایک روز جب میں نماز فجر کے بعد جانا مارا سو رہا تھا تو Wife نے مجھے کمرے سے بلا کر بچایا کہ ایک مصیبت زدہ خاتون آپ سے ملاقات کے لیے تحریف لائی ہیں اور وہ مسلسل روتی ہیں۔ میں اُنھ بیٹھا اور Wife سے کہا ”آئیے میرے ساتھ آپ بھی ان خاتون سے مل لیجیے۔“ حالانکہ میں اپنے پاس آنے والوں کی Privacy کا خیال رکھتا ہوں لیکن اس روز بجز رات تک قحی اور وہی ہوا۔ میں نے خاتون سے مسئلہ دریافت کیا تو کہنے لگیں ”شاہ صاحب! میرے سالن میں کبھی گر جاتی ہے۔“ میری Wife یہ سب سن کر خاصی حیران ہوئیں۔ کچھ عرصے بعد ایک اور خاتون صبح سویرے آئیں۔ اس روز بھی میں نے Wife سے کہا۔ ”آپ بھی آجائیے، دیکھیے کہ انہیں کیا تکلیف ہے۔“ وہ خاتون کہنے لگیں ”شاہ صاحب! اچھے آئے سیدھے خواب دکھائی دیتے ہیں جن کی وجہ سے میں بہت پریشان ہوں۔“

اب ذرا غور کیجیے کہ ہمارا یہ عالم ہے کہ بجائے تدبیر کر کے مسائل سلجھانے کے (مثلاً کیموں سے بچنے کے لیے کوئی Insecticide سپرے کر لیا جائے) ہم منہ اندھیرے لوگوں کے پاس بھاگے جاتے ہیں کہ صاحب دُعا کر دیں کہ سالن میں کبھی نہ گرا کرے۔ اسی طرح ہم خوابوں سے بول خوف زدہ ہو جاتے ہیں کہ جیسے معاذ اللہ خواب ہی زندگی کو کنٹرول کر رہے ہیں۔

جن مسلمانوں نے عروج پایا وہ ان واہموں سے دور تھے۔ جب ہم ان واہموں کا شکار ہوتے گئے تو ذلت و رسوائی ہمارے مقدر میں لکھ دی گئی۔

خوشیوں کی طرح تکلیفیں بھی زندگی کا حصہ ہیں۔ رب تعالیٰ نے زندگی کو یونہی بنایا ہے کہ اس میں ہم مختلف قسم کے غم دیکھیں گے، ہر طرح کے لوگوں سے واسطہ پڑے گا اس لیے ہم زندگی کو پہنچ کر اپنی خوشی قبول کر لیں کہ اس میں راحتیں بھی آئیں گی اور دکھ بھی۔ لوگوں سے ہم فیض بھی پائیں گے اور انہی سے دھوکا بھی کھائیں گے۔

جب ہم زندگی کے ہر معاملے کو اس ایمان اور بھروسے کے ساتھ دیکھیں گے کہ ہمارا رب ہمارے ساتھ ہے۔ جب تک وہ زندہ و قائم ہے اور الحمد للہ وہ زندہ و قائم رہنے والا ہے پھر ہمیں کاہنہ کی فکر۔ یہ ایمان اور بھروسہ ہمیں بے نیاز کر دیتا ہے اور ہم دوسرے لوگوں کے سامنے جا کر گڑگڑانے اور ان کے سامنے دکھ بیان کرنے سے بچ جاتے ہیں۔ اگر آپ کے لیے ممکن ہو تو سورۃ التہاح میں مضاف کی تلاوت کے بعد چڑھیے۔ اس میں نبی سہق ہے کہ زندگی کو As It is قبول کر لیجیے۔ اس سورہ کی آیت نمبر 11 میں بتایا گیا ہے کہ انسان کو کوئی ایذا نہیں آتی سوائے اللہ کی طرف سے۔

Written

بقیہ صفحہ

Interpre

کی حد تک

بہت کم ہے

بہت کم ہے

بہت کم ہے

بہت کم ہے

بہت کم ہے

بہت کم ہے

بہت کم ہے

بہت کم ہے

بہت کم ہے

بہت کم ہے

بہت کم ہے

بہت کم ہے

بہت کم ہے

بہت کم ہے

بہت کم ہے

بہت کم ہے

بہت کم ہے

”کوئی مصیبت نہیں پہنچتی مگر اللہ کے حکم سے اور جو اللہ پر ایمان لائے اللہ اُس کے دل

کو ہدایت فرمائے گا اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔“ (التغابن: 11)

اگر زندگی میں رب کی طرف سے کوئی تکلیف آگئی ہے تو پھر ہم اُس کے سامنے سر تسلیم خم کیوں نہ کریں۔ اُسے جتنے مسکراتے قول کیوں نہ کر لیں اور کہیں ”یا باری تعالیٰ! یہ ٹوٹی ہوئی تو ہے جس نے ساری عمر مجھے اچھے حال میں رکھا۔ اگر یہ چاروں کی تکلیف آگئی ہے تو مجھے پورا یقین ہے کہ تُو اسے بھی جلد ہی مجھ سے ال دے گا۔“ اور بے شک رب اُس تکلیف کو ختم کر دیتا ہے۔ عشاء کی نماز کے بعد سورۃ التغابن پڑھنے سے بہت کچھ حاصل ہو جائے گا۔ اس سے بنیادیں تعمیر ہو جائیں گی۔ حروف مقطعات یا روح سے مطابقت رکھتا ہوا کوئی حرف، لفظ، شیخ یا وظیفہ پڑھنے کا فائدہ جب تک نہ ہوگا جب تک بنیادیں تعمیر نہ ہو جائیں۔ سورۃ التغابن کی تلاوت سے یہ بنیادیں تعمیر ہو جائیں گی اور اس کے بعد جب ہم کوئی وظیفہ پڑھیں گے تو اُس کے فوائد شیخ رنگ میں سامنے آئیں گے۔

سوال: سورۃ التغابن کھلے آسمان تلے کھڑے ہو کر پڑھی جائے یا تنہائی میں؟

جواب: میں سورۃ التغابن کھلے آسمان تلے پڑھتا رہا ہوں۔ کھڑے ہو کر نہیں بلکہ بیٹھ کر۔ اگر آپ کے لیے ممکن ہو تو آپ اسے تنہائی میں پڑھیے۔ بہت تیزی سے پڑھنے کے بجائے تریل سے پڑھیے۔ کوشش کیجیے کہ کھلی فضا میں بیٹھ کر پڑھ لیں لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو تو بند کمرے میں پڑھ لیجیے۔ بہت فوائد حاصل ہو جائیں گے۔

سوال: کیا بسم اللہ الرحمن الرحیم والے وظیفہ کی مانند سورۃ التغابن پڑھنے کے فوراً بعد بھی سونا ضروری ہے؟

جواب: عشاء کی قیامت کھل کرنے کے بعد آپ سورۃ التغابن پڑھ لیجیے۔ اس کے بعد معمول کے مطابق قرآن پاک کی تلاوت کر لیجیے۔ سورۃ التغابن پڑھنے کے بعد کسی سے بات کیے بغیر سونے کی کوئی پابندی نہیں۔ یہ پابندی صرف بسم اللہ الرحمن الرحیم کے وظیفے کے لیے ہے کہ اگر کسی کو اس وظیفہ کے لیے عشاء کا وقت Suit کرتا ہے تو وہ وظیفہ پڑھنے کے بعد بات کیے بغیر کچھ دیر کے لیے سو جائے۔

سوال: اسلام میں نظر لگنے کا Concept کیا ہے؟

جواب: اسلام میں نظر لگنے کا Concept موجود ہے لیکن معلوم نہیں کیوں میرا رب کے بارے میں عقیدہ بڑا جالسا نہیں ہے۔ میں رب تعالیٰ اور آپ ﷺ پر جہالت کی حد تک بھروسہ کرتا ہوں۔ میں تو اُن لوگوں میں سے ہوں کہ ضرورت پڑنے پر مافوق اور رست کی چوٹی سے جھلانگ لگا دوں گا اس ایمان کے ساتھ کہ میرا رب مجھے بچائے گا۔ اس جالسا بھروسہ کی وجہ سے میں نے کبھی نہیں سوچا کہ جادو، قیود یا نظر لگانا بھی کوئی چیز ہے۔ جب یہاں 2122 جہازیں ہلاک ہوئیں تو اُن لوگوں کو ہوا میں تھکی ہوئی تھی تو میرے ایک دوست اور میرا بھائی اپنی دوستی اور میری بھائی کے مظاہرے کے لیے ہر سو ہوا کو تشریف لاتے اور گیت کے پاس کونے میں

میرا ایک چلا جس میں سونیاں چھبی ہوئیں اور ایک فٹیل کی بڑی جس پر لکھا ہوا کہ اس کو موت آجائے۔ اس کو فلاں فلاں ہو جائے، دیا جائے۔ میں دوما سے فارغ ہو کر جب لکھا تو احساس ہوا کہ یہ جتنی جالسا دلی ہوئی ہیں۔ انھیں نکالنا اور Dustbin میں پھینک کر گھر روانہ ہو جاتا۔ میرے نزدیک تو ان چیزوں کی کسی کوئی ہی Value ہے کہ انھیں دیکھ کر قہقہہ لگایا جائے اور اٹھا کر Dustbin میں پھینک دیا جائے۔ ایک بار میں یونیورسٹی روڈ پر کینال برج کے سٹیل پر کھڑا تھا کہ ایک میری گاڑی کی وٹسکرین خون سے لبر لگی۔ لوگوں نے شور مچا دیا کہ جادو ہو گیا، جادو ہو گیا۔ میں نے کہا ”آپ اپنی اپنی گاڑیوں میں تشریف لیجئے۔ پتہ نہیں ہے یہ۔“ وائٹرز چلا کر سکرین کے دائرے سے اُس خون کو کچھ صاف کیا اور پتھر چلا آیا۔ وہاں ڈرامہ نگار کی کی سکرین دھو جاتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔ میں نے کہا ”لاؤ میں خود ہی اسے دھو لیتا ہوں۔“ اللہ کا کرم ہے آج بھی آپ کے سامنے زندہ سلامت بیٹھا ہوں۔

بھائی! میں تو ان قصوں میں نہیں پڑتا۔ ان سب کا وجود ہے لیکن شاید رب پر بھروسہ ان سب چیزوں سے زیادہ طاقت ور ہے۔ نظر، جادو، قیود، کنڈے، ٹوٹے۔ یہ سب چیزیں رب تعالیٰ کے سامنے بے کار ہیں۔

میرا اُس آیت پر بہت بھروسہ ہے کہ کوئی کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا اگر رب نہ چاہے اور کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا اگر اللہ نہ چاہے۔ جب رب تعالیٰ نے یہ وعدہ کر لیا مجھ سے تو پھر مجھے کس چیز کا ڈر یا خوف ایچر کوئی مجھے سرت پاؤں تک بھی ان چیزوں میں ذہن کر دے تو میں ان سب سے آرام سے نکل جاؤں گا کیوں کہ میرا رب تعالیٰ موجود ہے مجھے ان سب سے بچانے کے لیے۔ آپ ﷺ کی نظر عنایت ہے اپنی پوری اُمت پر۔ آپ ﷺ کا علم کے ہوتے ہوئے ڈر کس بات کا۔

سوال: سود (Interest) کی ایک خاص Percentage کو بعض علماء کرام نے جائز قرار دیا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

جواب: جب اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں واضح طور پر فرما دیا کہ سود لینے اور دینے والا اور سود کے کاروبار میں مدد دینے والا مجھ سے کھلی جنگ کرتا ہے تو پھر Percentage خواہ کچھ بھی ہو وہ جائز نہیں۔ جہاں کھلی احکامات ہوں وہاں مسلمان کو تاویلات میں جانے کی ضرورت نہیں البتہ جو احکامات قرآن و سنت میں واضح نہیں وہاں اجتہاد سے کام لیا جاتا ہے۔

چوں کہ سود کے بارے میں احکامات بالکل Clear ہیں اس لیے سود کو کسی بھی صورت میں جائز قرار نہیں دیا جاسکتا خواہ اس کی 0.1 Percentage ہی کیوں نہ ہو۔

میں علمائے کرام کو جھٹلاتا نہیں رہا۔ وہ مجھ سے کہیں زیادہ ظلم رکھتے ہیں۔ انھوں نے یہ بتا دیا اس لیے کمالی کہ سود اس لیے منع کیا گیا کہ اس سے انسانوں کی Exploitation (استعمال) ہوتی ہے۔ اس لیے علمائے Level تک سود کی Percentage کی اجازت دے دیتے ہیں جس Level تک Exploitation نہ ہوتی ہو۔ لیکن میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ جو قرآنی احکامات Clear ہیں اُن میں تاویلات نہیں لگائی جاسکتیں۔ سود خواہ کسی بھی قسم کا ہو حرام ہے۔

نفس سے جنگ

ہمارے ہاں بہت تیزی سے عقائد میں تبدیلیاں آرہی ہیں اور وہ بھی اس یقین کے ساتھ کہ یہ تبدیلیاں بالکل درست ہیں۔ یہ زحان اور رویہ بعض اوقات انسان کو Upset کر دیتا ہے۔ لوگ صاحب دعا کے پاس جاتے ہیں تو اس خواہش کا اظہار کرتے ہیں کہ پڑھنے کے لیے کچھ دے دیجیے۔ اگر ان صاحب نے صبح گائید کرتے ہوئے کہہ دیا کہ آپ سونے سے پہلے اور اٹھنے کے بعد تلاوت قرآن پاک کر لیا کیجیے تو وہ برجستہ کہتے ہیں "وہ تو ٹھیک ہے لیکن آپ کچھ پڑھنے کے لیے دے دیجیے۔" یہ رویہ انسان کے عقائد میں تبدیلی کو ظاہر کر رہا ہے کہ جہاں انسان یہ سوچنے لگے کہ قرآن پاک پڑھنے سے میرے دنیاوی مقاصد حاصل نہیں ہوتے بلکہ یہ تو کسی دینی سے حاصل ہوں گے۔ مجھے غیر ملکیوں سے Interaction کا کچھ Experience ہے Even ہندو سے بھی اگر کہہ دیا جائے کہ قرآن پاک کی تلاوت کر لیجیے تو وہ کہے گا کہ ضرور کر لوں گا۔ لیکن مجھے عربی نہیں آتی اس لیے اگر ہندی میں قرآن پاک مل جائے تو پڑھ لوں گا۔ جب کہا جائے کہ ہندی کے بجائے عربی میں ہی قرآن پاک پڑھنا پڑے گا تو وہ کہتا ہے کہ کوئی حل بتائیے۔ یہ نہیں کہے گا کہ یہ کیسے ممکن ہے۔ آپ اسے رومن ہندی میں قرآن پاک لکھ دیں تو کچھ Effort کے بعد وہ قرآن پاک کی تلاوت روانی سے کرنے لگے گا۔

اسی طرح کچھ Americans سے جب قرآن پاک پڑھنے کو کہا گیا تو ان کا جواب یہ تھا کہ ہم پڑھ لیں گے کیوں کہ وہاں قرآن پاک رومن انکش میں مل جاتا ہے۔ یہ سب لوگ کبھی یہ نہیں کہتے کہ نہیں صاحب! آپ ہمیں کوئی دیکھ بتا دیجیے۔

قرآن پاک صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ سب کے لیے ہے اور سبھی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ قرآن پاک کی فضیلت، برکات اور اثرات اتنے زیادہ ہیں کہ انسانی ذہن ان کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ جب صاحب دعا ہمیں قرآن پاک پڑھنے کی تاکید کر رہا ہوتا ہے تو وہ دراصل ہماری دنیا و آخرت سنوارنے کی بات کر رہا ہوتا ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت انسان کو دب سے ملا دیتی ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو رب تعالیٰ نے خواب میں بتایا تھا کہ مجھے تک پہنچنے کا آسان راستہ قرآن پاک کی کثرت سے تلاوت ہے۔ دنیاوی مقاصد کا حصول تو بہت معمولی سی بات ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت سے انسان رب تعالیٰ تک

پہنچتا ہے۔ دنیاوی مقاصد کا زیادہ تعلق ضروریات کی نسبت ہے۔ اس سے ہے۔ انسانی جسم میں موجود سات اعضاء میں سے ایک لیفٹ نفس ہے۔ محبوب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم میں جس کو قلب کے بالفاظ رکھا۔ حضرت بائزید بسطامی رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا "والایت کے حصول کا آسان طریقہ کیا ہے؟" جواب آیا "اپنے نفس سے لڑو۔"

دعا کے دوران ایک اور سوال اکثر اگ اچھٹے ہیں کہ نماز میں جہاں نفس رہتا ہے حضرت بائزید بسطامی رحمہ اللہ نے اس کا بھی جواب دیا تھا کہ جس شخص کو نماز میں لطف نہیں آتا وہ ایک معمولی حاصل نہیں ہوتی اسے چاہیے کہ وہ اپنے نفس سے لڑے۔

حضرت بائزید بسطامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اوائل عمر میں ایک بار جب میں نے سوچا کہ میں رات کو کافی حصہ عبادت میں گزاروں گا تو نفس نے بہکا کر شروع کر دیا تاکہ نصف شب عبادت میں نہ گزر سکے۔ تب میں نے نفس کو مخاطب کر کے کہا کہ تم مجھے رب تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرنے دے، ہے اللہ اب میں تمہیں یہ سزا دوں گا کہ ایک سال تک تمہیں پانی نہ پینے دوں گا۔ پھر میں نے ایک سال تک پانی نہیں پیا بلکہ دوسری خوراک سے یہ ضرورت پوری کرتا رہا۔

میں اپنے مرشد قبلہ سید یعقوب علی شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے حادثات و احوال اور حرکات کا بغور مطالعہ و مشاہدہ کیا کرتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ دن بھر میں محض ایک آدھ گھنٹہ پانی پیتے تھے البتہ چائے کے پندرہ بیس کپ پی لیا کرتے۔

مئی جون کے روزوں میں میں نے مشاہدہ کیا کہ انظار کے وقت صرف ایک Teaspoon فروٹ چاٹ اور دو Teaspoon چنے کی چاٹ کھاتے۔ اس کے بعد دو گھنٹہ پانی پیتے۔ پھر چائے کا کرنی لیتے۔ میں یہ سب دیکھا کرتا۔ ہمیں چائے پلانے کے بعد اپنے خادم سے کہتے کہ باؤ روٹیاں لے آؤ۔ میرا خیال تھا کہ وہ بھی ہمارے ساتھ کھانا کھائیں گے لیکن ہمیں کھا Servet کرنے کے بعد خود آرام سے بیٹھے رہتے۔ شروع میں جب میں نے کہا "حضور! آپ نہیں کھا رہے۔" کہنے لگے "میں سحری میں کھا لیتا ہوں۔" ماہ رمضان میں رات تراویح شروع ہونے تک میں وہاں بیٹھا رہتا لیکن دیکھا کہ انھوں نے پانی نہیں پیا۔ اس کے بعد تقریباً دو سال گزرے تو خود میں نے Realise کیا کہ میں 24 گھنٹوں میں صرف ایک کوارٹر گلاس پانی پینے لگا ہوں۔ لیکن ان دنوں جو لطف آیا وہ پہلے بھی نہ آیا تھا۔ (یہ مدت مجھے گا کہ میں عبادت میں لطف کی بات کر رہا ہوں۔ عبادت تو آج تک میں کر رہی نہیں پایا۔ اسی وقت میں سمجھا نہ ہوئی کہ میں رب کو پکار لیتا) وہ عجیب سرور کے دن تھے۔ ساڑھے چار سال تک میں دن بھر میں ایک کوارٹر گلاس پانی پیتا رہا لیکن اس کے بعد جب روزے آئے تو دسویں روزے کو مجھے ذی ہائید رہش ہوئی اور مجھے ہسپتال جانا پڑ گیا۔

مرشد صاحب اور مجھ جیسے گناہ گار دنیا دار آدمی میں یہی فرق تھا کہ وہ اپنے ایک عبادت گزار آدمی

انسان کے پاس Airconditioning کی Facility نہ دیگر سہولیات۔ اس کے باوجود نہ جانے کب سے وہ بطور پانی کے زندگی گزار رہے تھے۔ اُن کی زندگی کی آخری سانس تک میں نے انہیں زیادہ پانی پینے نہیں دیکھا۔

حضرت بازید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نفس کو پانی سے روک کر جو مزادی تھی اس کی مصلحت بہت بعد میں سمجھ آئی کہ زیادہ پانی پینے سے انسان میں سستی اور کالی آتی ہے۔ نیند زیادہ آنے لگتی ہے۔ جب کہ پانی پینے سے عبادت میں Concentration بڑھ جاتی ہے۔

حضرت بازید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نفس کو بہت صحیح مزادی کیوں کہ پانی کم پینے سے عبادت میں دل لگنے لگتا ہے اور ایک سوئی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایسے میں جب انسان رب تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو دھیان مکمل طور پر اسی کی طرف ہوتا ہے۔ (آپ یہ مت سمجھیے گا کہ میں آپ کو Suggest کر رہا ہوں کہ پانی کم نہیں۔ جیسا کہ ابھی میں نے بتایا کہ میں نے جب ایسا کیا تو مجھے Dehydration ہو گئی۔ یہ کام صرف نیک لوگوں کے کرنے کے ہیں۔ مجھ جیسے گناہ گاروں کے کرنے کے نہیں۔)

اکثر لوگ ایک اور سوال پوچھتے ہیں کہ زوحانیت کیسے حاصل ہو۔ حضرت بازید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کے مطابق ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اپنے نفس سے لڑا جائے۔ دوسرا طریقہ بھی حضرت بازید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے ہی بتایا تھا کہ کم کھانا کھایا جائے۔

مرشد صاحب کو دیکھ کر یہ بات سمجھ آ گئی۔ اُن کا معمول یہ تھا کہ رمضان کے مہینے میں صرف سحری میں روٹی کھاتے جب کہ ماہ رمضان کے علاوہ صرف رات کے کھانے میں ایک روٹی کھایا کرتے۔ صبح ناشتے اور چائے میں ایک کپ چائے لیتے۔ مرشد صاحب کے جسم پر گوشت نہیں تھا صرف ہڈیوں پر کھال منڈھی ہوئی تھی۔ میں نے سوچا یہ تو نیکی کے لیے کرتے ہیں میں سمارٹ رہنے کے لیے یہ عمل شروع کر دوں۔ مرشد صاحب کی نقل میں روزانہ شام کو صرف ایک روٹی کھانا شروع کر دی۔ زندگی اتنی مزے کی ہو گئی کہ میں نے رب تعالیٰ سے دعا کرنا شروع کر دی۔ یا باری تعالیٰ! مہربانی فرما اور مجھے ہفتے میں ایک روٹی پر لے آ۔ میں ہفتے میں ایک روٹی کھاؤں اور میرا گزارہ ہوتا رہے۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ رات کو تنہائی میں بیٹھ کر میں جو دعا کرتا ہوں وہ کہیں اور بھی مانتر ہو رہی ہے۔ یہ دعا کرتے ہوئے مجھے مہینا ڈیڑھ مہینا ہوا تھا کہ ایک دن جب میں دو تین لوگوں کے ہمراہ مرشد صاحب کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو وہ اُن لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے (مرشد صاحب نے بار بار است مجھ سے کبھی ایسی بات نہ کہی تھی۔ وہ دوسروں کو مخاطب کرتے لیکن دراصل مجھے بات کہہ رہے ہوتے تھے) میں تمہیں ایک مہینے کی بات بتاؤں۔ آدمی ایک خاص طریقے سے صرف ایک نوالہ روز کھائے تو اس کے جسم میں کمزوری ہوتی ہے نہ وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بنتا ہے۔ اس ایک نوالے سے روزانہ کی توانائی مل جاتی ہے کہ وہی بڑے مہینے کی زندگی گزار لیتا ہے۔ انہوں نے وہ طریقہ بھی بتا دیا جسے سن کر میں نے ایک روٹی کے بجائے روزانہ شام کو ایک نوالہ کھانا شروع کر دیا۔ اور واقعی اس ایک نوالے سے پچھت

بھر جاتا تھا حالانکہ میرے بچپن میں والد صاحب نے بار بار روٹی کھانے پر اپنے والد حرمی کے لیے کی ہوتی میں کہا تھا "اوتے تیرا چیت آ۔ یا بے ایمان دی قبر۔ کہ بھروا دی نہیں۔"

بلشبہ یہ چیت بے ایمان کی قبر ہی ہے لیکن حیران کن طور پر اس ایک نوالے سے پچھت بھر جاتا تھا۔ نہ کمزوری محسوس ہوتی۔ نہ وزن کم ہوا تو اتنی کم ہوئی۔ اس زمانے میں میری 32 Waistline تھی۔ چوں کہ سرکاری وردی پہننا پڑتی تھی اس لیے Trousers کی پلٹ سے پٹا چسپاں ہوتا تھا۔ ایک نوالہ کھانے کے باوجود 32 Waistline آتی رہی۔ ایک نوالے والے فارمولے پر عمل کرتے ہوئے ابھی چھ مہینے ہی گزرے تھے کہ مرشد صاحب سے جوتے پڑ گئے۔ ہوا میں کہ میں مرشد صاحب کے پال بیٹھا تھا کہ ان کا ہاتھ تو اُن کے خوف سے ایک نوالے کے بجائے آدمی روٹی کھائی۔ کہنے لگے "یہ تم میری نقل کرتے ہو۔ ابھی تمہاری عمر کا وہ حصہ نہیں آیا کہ تم ایک نوالہ کھاؤ۔" تب انہوں نے مجھے دو روٹیاں کھلا دیں۔ اس طرح ایک نوالہ والی روٹیں انہوں نے ترک کرادی اور میں دوبارہ ایک روٹی پر شفٹ ہو گیا اور اب تک ایک روٹیں چل رہی ہے۔ آہستہ آہستہ وقت نے بتایا کہ میں تو گناہ گار، ڈونڈا دار اور سیاہ کار فطرت ہوں یہ تو نیک لوگوں کے کام ہیں۔

بات زوحانی ترقی سے چلی تھی کہ کم سے کم کھانے سے زندگی کا لطف بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح اگر انسان کھینچ جان کر اپنی نیند پونے دو گھنٹے یا دو گھنٹے پر لے جائے تو زوحانی ترقی بہت تیز ہو جاتی ہے۔ تیسرا مزے کا کام یہ ہے کہ انسان خاموش بیٹھے اور غور و فکر میں ڈوبا رہے۔ غور و فکر والے طریقے میں نے عمل کیا تو زوحانیت تو مجھے کیا ملی تھی (ایک بڑا زبردست فائدہ ہوا کہ لوگ مجھے مثل مند سمجھنے لگے۔ میں غفلت میں بیٹھا آنکھیں بند کیے سیر کیا کرتا۔ تب اہل محفل مجھے اسکا لکھتے اور میری خاموشی سے متاثر ہوتے جس کا میں بہت مزالینا۔ غور و فکر کرنے سے نت نئے نئے کھلتے ہیں۔ آیات پر غور کرنے سے نئے نئے معانی سمجھ میں آتے ہیں۔

اولیائے کرام نے نیک لوگوں کی یہ نشانی بتائی ہے کہ وہ کم کھاتے، کم سوتے اور کم کلام کرتے ہیں۔ یہ تینوں خوبیاں واقعی انسان کو Pay off کرتی ہیں۔

وہ دس کثافتیں جو انسان کو زوحانی ترقی میں آگے نہیں بڑھنے دیتی اُن میں حرم طعام اور حرم کلام بھی ہیں۔ ان کثافتوں کے دور ہونے سے نماز میں زیادہ دل لگتا ہے اور انسان غور و فکر میں ڈوبا رہتا ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت سے بات شروع ہوئی تھی۔ تلاوت قرآن پاک سے ہمیں ذہنی لالچ اور پریشانیوں سے چھٹکارا مل جاتا ہے۔ اگر ہم نے یہ سیکھ لیا کہ ہم زندگی کو ایسے ہی قبول کر لیں جیسی کہ وہ ہے تو فکرات، بے چینی اور پریشانی ختم ہو جاتی ہے۔ ہم بس اپنی ذہنی پوری کرتے رہیں، اپنی صلاحیتوں اور عقل و فہم کے مطابق کوشش کر کے اپنا فرض ادا کرتے رہیں تو زندگی بہت آسان ہو جائے گی۔ پھر ہم کسی صاحبِ ذہان کو یہ کہنے والے یا لوٹا پھیرنے والے کے پاس جانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ پھر ہم اپنی زندگی میں مست رہتے ہیں۔

Written
by
Interpre

کی قدرت کا
میرا

کو کھاتے
ہے۔
پانی سے
پیدا کیا

ہے۔
نے فرمایا
ہے۔

ہیں کہ
اور
آخری

پڑائی بات ہے مشکل حالات میں اگر کبھی ہمارا Colleague خوش نظر آتا تھا تو ہم اُسے کہا کرتے "تم کیا بھوکے گورے کی مانند چٹون کی جیب میں ہاتھ ڈالے بیٹھی بجاتے پھر رہے ہو؟" جب انسان زندگی کا As it is قبول کر لیتا ہے تو وہ واقعی بیٹھی بجانے لگتا ہے۔ مثلاً روٹی نہیں مل رہی۔۔۔ وہ کہتا ہے ٹھیک ہے ایسے ہی زندگی گزارے گی۔۔۔ جب اللہ مناسب سمجھے گا روٹی دے دے گا۔ کپڑے پھٹے ہوئے ہیں۔۔۔ تو کہتے ہیں کوئی بات نہیں رب تعالیٰ جب چاہے گا مجھے اچھی پوشاک عطا کر دے گا۔ اگر محنت کے باوجود ترقی نہیں ہو رہی تو سوچتا ہے کہ یقیناً میری محنت اور کوشش میں کسر ہے۔ رب جب چاہے گا ترقی دے دے گا۔ اس طرح کی سوچ سے زندگی بہت آسان ہو جاتی ہے۔

ایک درخواست دو بارہ کرنا چاہوں گا کہ جہاں دعا ہوتی ہے وہاں بچوں کو نہ لے کر جایا کریں۔ ہم من حیث القوم بے عملی کا شکار ہیں اور محنت کو بھرپور ممنوع سمجھ کر اُس سے دور رہتے ہیں۔ نوبت یہاں تک آگئی ہے کہ جاب کے لیے Apply کرنے سے پہلے میں لوٹا پھیرنے والے کے پاس جا کر کہتا ہوں کہ آپ مجھے بتائیں کہ یہ جاب مجھے ملے گی یا نہیں۔ اگر تو مل جائے گی تو میں درخواست Submit کرتا ہوں اور اس کے لیے ٹیک دو کرتا ہوں ورنہ کیا ضرورت ہے۔ جب ہم بچوں کو ذوالی جگہ پر لے جاتے ہیں تو بچے بھی اس بے عملی کا شکار ہونے لگتے ہیں کیوں کہ اُن کے تاپختہ ذہن میں یہ بات بیٹھ جائے گی کہ محنت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ذاکر ان سے کام ہو جائے گا۔۔۔ یوں وہ زندگی میں کوئی مقام حاصل نہیں کر پائیں گے۔

مسلمان بہت پریشانی کا شکار ہیں۔ وہ عملی محنت اور بھرپور جدوجہد پر یقین رکھتا ہے۔ اُسے اپنے رب پر بھروسہ ہوتا ہے کہ رب کے فرمان کے مطابق انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے۔ چون کہ رب اپنے وعدے کا بڑا پکا ہے اور وہ اس کے خلاف نہیں کرتا اس لیے مجھے پہلے بھرپور کوشش اور محنت کرنی ہے اور پھر دعا۔ یا ہمارے تعالیٰ اپنی جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کے مطابق میں نے مقدور بھر محنت کر لی۔ اب میں اس معاملے کو جسے سپرد کرتا ہوں تو مجھے اس کا وہ نتیجہ عطا فرما جو میرے مفاد میں بہترین ہے۔

بچوں کو ذوالی جگہ پر لے جانے کی غلطی مت کیجیے بلکہ اُن سے کہیے کہ رب کے حکم پر چلو۔ آپ سچے ایمان کی حیات طیبہ کو دیکھو وہاں پہلے عملی جدوجہد ہے اور پھر دعا۔ اس لیے بیٹا پہلے محنت کرو پھر دعا کرائیں گے۔ سوال یہ کیسے پتا چلے گا کہ خواہش قلب کی ہے یا نفس کی؟

جواب یہ Differentiate کرنا بہت آسان ہے۔ اگر تو خواہش اللہ کے بتائے ہوئے Dos کے مطابق ہے تو قلب کی ہے۔ اگر Don'ts کے حوالے سے ہے تو نفس کی ہے۔ ایسی خواہش کو فوری طور پر دبا دینا چاہیے۔

سوال: What are UFOs?

جواب: UFO نامعلوم Unidentified Flying Object کا مخفف ہے۔ اسے بعد میں آؤن طشتری کہا گیا۔ ایک زمانے میں روسی ایسٹار میں آیا کرتا تھا اُن علاقے میں بہت سی آؤن طشتریاں دیکھی

تھیں۔ جب اس کے بارے میں بہت سی Myths اور کہانیاں پھیل گئیں کہ شاید یہ کسی اور Planet کے لوگ ہیں جو زمین پر آنا چاہتے ہیں اور ان کے جہاز آؤن طشتریوں کی صورت میں نکلتے ہیں۔ پھر یہ بھی سننے میں آیا کہ Developed countries کی ایئر فورس کے جیت ایئر کی فٹس نے ان آؤن طشتریوں کا پیچھا کرنے کی کوشش کی تو یہ ہاتھ نہیں آئیں۔ بعد کے وقت نے ثابت کیا کہ وہ تو پاورز اور ایک Developed countries اصل میں مصنوعی سیاروں کے پکڑ میں Satellite پر تجربات کر رہے تھے۔ جو UFOs فضا میں چھوڑے گئے وہ دراصل تجرباتی Satellites & Rockets تھے۔ اُن کو خفیہ رکھنے کے لیے انھوں نے مختلف کہانیاں استے بڑے پیتائے پر پھیلائیں کہ لوگوں کو یقین ہو گیا کہ شاید مریخ کے لوگ ان آؤن طشتریوں کے ذریعے زمین پر آنا چاہ رہے ہیں۔ لیکن بعد میں جب Satellite launch ہونا شروع ہو گئے تو اس کے ساتھ ہی آؤن طشتریاں نکل آنا بند ہو گئیں اور Russia اور امریکہ نے Satellite خلا میں چھوڑ دیا۔ پھر فرانس اور برطانیہ نے بھی اپنے Satellite خلا میں چھوڑے Weather Satellite اور Communication Satellite Launch کر دیے گئے۔ اب ہم انھیں UFO نہیں کہتے۔

عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ Developed countries اپنے تجربات پر پردہ ڈالنے کے لیے اس طرح کی Stories پھیلاتے (Circulate) دیتے ہیں اور لوگ ان Stories کو As it is buy کر لیتے ہیں اور اُن پر یقین کر لیتے ہیں۔

1955-56ء میں لندن کے آدھے حصے میں بڑی شدید آندھی آئی۔ ستر لاکھ گھروں کی چھتیں یا دیواریں گر گئیں۔ کہا گیا کہ یہ کوئی Unknown weather pattern تھا۔

1998ء میں یہ بات واضح ہو گئی۔ کسی برطانوی شہری کی زبان سے یہ راز عیاں ہو گیا کہ وہ حقیقت برطانیہ نے یہ دیکھنے کے لیے تجربہ کیا تھا کہ اگر کوئی ایٹم بم گرا دیا جائے تو اس سے Defence کیسے ممکن ہے؟ انھوں نے اس کا حل یہ ڈھونڈا کہ جہاں ایٹم بم گرا ہے اُس کے تھوڑے فاصلے پر اگر کوئی اور طاقت ورم Blast کر دیا جائے یا کسی اور طریقے سے Vacuum create کر دیا جائے تو اُس Area کی تمام ہوا اُس Vacuum کو Fill کرنے کے لیے بہت تیزی سے Rush کرے گی اور Radioactive ذرات کو وہاں سے Wash کر دے گی۔ 1955-56ء میں نصف لندن میں جو ہوا چل رہی تھی وہ 100 میل فی گھنٹہ تھی۔ یہ ایک تجربہ تھا۔ اس قسم کے تجربات کرتے وقت مختلف سنوریز Circulate کر دی جاتی ہیں تاکہ Secrecy پر پردہ پڑا رہے۔

سوال: جنات اور Other dimensions کو دیکھنے کے لیے کوئی نسخہ بتا دیجیے۔

جواب: معین اختر نے ایک بار یہ Joke سنایا تھا کہ ایک غریب آدمی نے تروہ زرخیز اور گہرا کر جب اُسے کاہ تو اُس میں سے جن برآمد ہوا اور یوں "کیا حکم ہے میرے آقا" "غریب آدمی نے کہا" تم مجھے ایک عالی شان

Writen

قی ملاحظہ

Interpre

کی توجہ

ملاحظہ

ہو

کہا ہے

تہ شکل

پیشی سے

چٹا کردہ

چہ ہم

نے فرمایا

ہے

لکھ کر

دیکھ

آخری

گھر جاتا۔" میں یہ فرمائش سن کر آنکھیں پھاڑتے ہوئے بولا "پاگل ہوئے ہو کیا؟ اگر میں گھر جاتا تو فیروز میں رہتا کیا؟"

جناب اگر مجھے کوئی ایسی تسبیح آتی ہو تو دو چار جنات کو قبضے میں کر کے مزے کی زندگی نہ گزار لیتا۔ آپ ان قصوں میں مت پڑیے۔ جنات، مشکات یا Other dimensionality مخلوق ہمارے کسی کام کی نہیں۔ ان سے کام لیتا بد دینا ہی ہے۔ ہم وہ کام کیوں نہ کریں جو ہمیں رب تعالیٰ سے قریب کر دے۔

سوال: کیا ہم آپ سیدنا کا لیے قربانی کر سکتے ہیں؟

جواب: آپ سیدنا کا بارے میں نے پڑھا ہے کہ آپ سیدنا کا دو جانوروں کی قربانی فرماتے تھے۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عید قربان کے دن دو خاصی چٹکیرے بکرے ذبح کیے جب انھیں قبلہ رولٹایا تو فرمایا میں نے خود کو اس ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے زمین و آسمان پیدا کیے۔ میں دین ابراہیمی پر ہوں۔ ہر بے دینی سے الگ ہوں۔ مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ یقیناً میری نماز، میری قربانی، میری زندگی، میری موت رب العالمین کے لیے ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اسی کا حکم ملا اور میں اطاعت گزاروں میں سے ہوں۔ الٰہی یہ میری طرف سے اور میرے اس امتی کی طرف سے جو قربانی نہ کر سکے۔ (ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، حدیث 687)

حضرت اٹھنؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا کہ آپ دو بکرے قربانی دیتے تھے میں نے عرض کیا یہ کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا مجھے رسول اللہ ﷺ نے وصیت فرمائی کہ میں آپ کی طرف سے بھی قربانی کیا کروں۔ لہذا میں نبی کریم ﷺ کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔ (مشکوٰۃ شریف، حدیث 688)

میرے خیال میں تو آپ سیدنا کے لیے قربانی دے دی جائے۔ میں خود بھی ہر سال آپ سیدنا کے نام مبارک پر قربانی دیتا ہوں لیکن میں مفتی نہیں ہوں کہ اس پر کوئی فتویٰ دے سکوں۔ آپ کسی Qualified مفتی سے اس بارے میں فتویٰ لے لیجیے۔

سوال: دور و شریف کا دور صغیر اور دور کبیر کیا ہے؟

جواب: ہم انہی قصوں میں بیٹھتے اور چٹان ہوتے رہتے ہیں۔ یاد رکھیے کسی وظیفے کا دور صغیر یا دور کبیر پورا کرتا غلط عبادت ہے۔ اگر ہم فرض عبادت میں کوتاہی کریں اور غلطی عبادت میں Excel کرتے رہیں تو ہم سے کچھ ہوگی اور سزا ملے گی۔ میں غلطی عبادت سے منع نہیں کروں لیکن پہلے ہم اپنے فرائض پورے کریں پھر غلطی عبادت پر توجہ دیں۔ آپ دور و شریف ضرور پڑھیے۔ اگرچہ آپ سیدنا کو ہمارے دور کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ سیدنا ان چیزوں سے بہت بلند ہیں لیکن اپنے اظہارِ تفکر کے لیے ہم آپ سیدنا پر درود بھیجا

کریں کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم آپ سیدنا کے جدول سے شکر گزار ہیں کہ آپ سیدنا نے غلطیوں سے بچا دیا اور اللہ کا پیغام As it is ہم تک پہنچایا۔ سبے پناہ دہاویاں Face کر کے اللہ کے پیغام کو غلط نہیں دے دیا۔ آپ سیدنا نے ہم پر جو احسان کیا اس کے لیے ہم آپ سیدنا کے جدول سے احسان مند ہیں۔ آپ سیدنا پر درود بھیجنا سنت رب بھی ہے اس لیے ہم بھی درود شریف پڑھیں لیکن دور و صغیر یا دور کبیر کے پیکر میں نہ پڑیں۔

دور صغیر یا کبیر پورا کرنا Advanced level کی باتیں ہیں۔ پہلے ہم اپنے فرائض پورے کر لیں۔ حقوق اللہ سوائے شرک کے معاف ہو جائیں گے لیکن حقوق العباد و معاف نہیں ہوں گے۔ پہلے ہم ان حقوق کو پورا کر لیں۔ اس کے بعد واجب اور فضل عبادت کی طرف جائیں تو پھر ہمیں اس کے فوائد بھی ملیں گے اور پوچھ کچھ سے بھی ہم بچے رہیں گے۔

Written:

آئی 74 سے

Interpre:

فی قصہ

بیا اوست

ہ۔

بکریا ہے

تہ شعلی

بیانی سے

پتا کہ

جہ۔

نہ لراوا

ہے۔

نہ لراوا

نہ لراوا

نہ لراوا

نہ لراوا

نہ لراوا

اِکتاب فیض

سوال: سورہ سبا کے فضائل و خصائل بیان فرمادیجئے۔

جواب: سورہ سبا کے دیگر فضائل تو شاید میں عرض نہ کر سکوں لیکن یہ ضرور جانتا ہوں کہ اگر کوئی شخص سورہ سبا لے کر عرصے تک Regularly پڑھتا رہے تو اُس کی روحانی ترقی و علم کے لیے Foundations تعمیر (Buld) ہو جاتی ہیں۔

سورہ سبا کی ہے۔ آپ ﷺ کی نبوت کے چوتھے یا پانچویں سال میں سورہ سبا نازل ہوئی۔ اس کی 54 آیات ہیں۔ آیت نمبر 15 میں ”سبا“ کا لفظ استعمال ہوا اس لیے اسے سورہ سبا کہتے ہیں۔

سورہ سبا کی ابتدا رب تعالیٰ کی حمد و ثناء سے ہوتی ہے۔ حمد و ثناء کے بعد کچھ آیات میں قیامت کے وقوع پذیر ہونے کا بیان ہے کیونکہ اُس وقت کفار قیامت کے برپا ہونے کا انکار کرتے اور مذاق اڑاتے تھے۔

اس سورہ میں رب تعالیٰ نے اپنے عظیم و خیر ہونے کا بیان کیا کہ زمین و آسمان میں جو چیز بھی نیچے سے اوپر اور اوپر سے نیچے جاتی ہے اُس سے رب تعالیٰ بخوبی واقف ہے۔

اس سورہ کے اثرات یوں مرتب ہوتے ہیں کہ انسان کی روح پر جمع شدہ کثافت دور ہو جاتی ہے۔ ہم

میں سے اکثر لوگ اس جستجو میں رہتے ہیں کہ انھیں حروف مقطعات یا روح سے مطابقت رکھنے والا کوئی لفظ یا حرف پڑھنے کو مل جائے۔ یہ جستجو اور خواہش کرتے وقت ہم بھول جاتے ہیں کہ Foundations تیار کیے بغیر ہم ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا پائیں گے۔ نماز و عشاء کے بعد سورہ سبا تو اترا اور باقاعدگی سے پڑھی جائے تو تقریباً 10 سال کے عرصے میں Foundations تیار ہو جاتی ہیں اور پھر انسان رب تعالیٰ کی طرف ایسا

راغب ہوتا ہے کہ بخوشی اُس کی عبادت کرنے لگتا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو یہ سورہ پڑھ لیجئے۔

سوال: سرشد کی ہدایت پر جب مرید کسی بزرگ کے حزار پر Periodically حاضر ہوتے ہیں تو کیا یہ سچ ہے

کہ وہ صاحب حزار اُس مرید کو Direct فیض دینے کے بجائے اُس کا حصہ اُس کے مرشد کو دے دیتے ہیں؟ یا مرید کو ان بزرگ سے فیض اپنے مرشد کے Through ملتا ہے۔

جواب: اصل میں روحانی علم و فیض، مرشد و غیرہ جیسی اصطلاحات کے بارے میں ہم سبھی لوگ (معہ میرے) غلط فہموں کا شکار ہیں۔ نہ جانتے ہم نے روحانی فیض اور مرشد کو کیا سمجھا ہے؟ ہم نے انھیں مافوق الفطرت ہستی

مانا ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

جب ہم کسی صاحب علم کے حزار پر حاضری دیتے اور کلام الہی کی عبادت کرتے ہیں اور اُس کے بعد رب کے حضور عرض کرتے ہیں ”یا باری تعالیٰ! میں نے تیرا جو کلام پڑھا اسے تیرے اور تیرے رسول ﷺ کے حضور بطور نذر پیش کرتا ہوں“ تو اسے قبول فرمائے اور اس کا ثواب میری طرف سے آپ ﷺ کی روح

مبارک کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کر دے اور اس کا ثواب تمام پیغمبروں و اولیائے کرام کو دے دے

وخصت ہو جانے والے تمام مسلمانوں کی ارواح بالخصوص اپنے اس نیک بندے جو یہاں آ رہا ہے۔ اے نبی کی روح کو بخش دے۔“ تو ہماری درخواست پر رب تعالیٰ اس تلاوت کا ثواب اپنی رحمت کے صلے سے اُس

صاحب حزار کی روح کے نامہ اعمال میں لکھ دیتا ہے۔ یاد رکھیے امر جو خواہ جتنے بھی بلند مرتبہ کا ہو وہاں سے چلے جانے کے بعد اُس کا اعمال کے سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے نامہ اعمال میں خود ثواب یا گناہ میں

اضافہ کرنے پر قادر نہیں رہتا۔ جب کوئی شخص اُس صاحب حزار کے نامہ اعمال میں ثواب لکھواتا ہے تو اس کی افکار میں اُسے دے دی جاتی ہے۔ تب وہ روح خوش ہو کر اللہ کے حضور ڈاکا کرتی ہے ”یا اللہ! جس شخص نے

میرے ساتھ یہ نیکی کی تو بھی اُس کے ساتھ احسان کا سلوک کر۔“

رہ گیا اِکتاب فیض کا معاملہ..... تو جب کوئی شخص کسی صاحب علم کے ہاتھ پر بیت ہوتا ہے تو اُس کا ہم صاحب علم کے Scroll میں اُس کے نام کے نیچے لکھ دیا جاتا ہے۔ قیامت کے روز جب حساب کتاب شروع ہوگا، اُس وقت کے آغاز تک یہ نام وہاں لکھا رہے گا۔ حساب کتاب شروع ہوتے ہی یہ نام اُس Scroll سے

منٹا دیا جائے گا۔ اُس وقت آپ کے مرشد آپ کی کوئی سفارش یا مدد نہ کر سکیں گے۔ تب آپ کے مرشد وہ نہیں کر پائیں گے جو آپ سوچتے ہیں۔ صرف آپ ﷺ ہی کی ذات مبارک ہے جو اپنی امت کی شفاعت کر

سکے گی۔ یہ صرف آپ ﷺ ہی کی ذات مبارک ہے جو شفاعت کر سکتی ہے۔

آپ کے مرشد کا کام صرف یہ ہے کہ تربیت کے ذریعے آپ کو زندگی کی آلائشوں اور اُلجھے راستوں سے نکال کر اُس Point پر لاکھڑا کریں جو صراطِ مستقیم کی ابتدا ہے۔ اس کے بعد اُن کے پاس آپ کے لیے علم کا

جو حصہ ہے وہ آپ کے حوالے کر کے کہتے ہیں کہ میرے پاس تمہارا جو حصہ تمہارے حق میں ہے تمہیں دے دیا۔ اب جتنی محنت کرو گے اس راستے پر آگے بڑھتے جاؤ گے ورنہ راہ کوئی ہو جائے گی۔

یہ مرشد صاحب کا نوٹل کام ہے جس کے بارے میں ہم طرح طرح کی خوش فہمیوں میں مبتلا ہیں اور مرشد کو وہ درجہ دے دیتے ہیں جس کی قدرت صرف اور صرف رب تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

نہ مرشد آپ کو مصیبت سے نجات دلانے پر قادر ہیں نہ نقصان کر سکتے ہیں۔ وہ تو خود اللہ کے محتاج و محتاج ہیں۔ مرشد اگر کچھ کر سکتے ہیں تو وہ راہنمائی اور تریغ ہے۔

باقی آپ کی محنت ہے۔ جو کچھ پڑھنے کو مل گیا اُس میں محنت کرتے رہے تو اعمال نیک ہو جائیں گے۔ آپ ترقی کرتے چلے جائیں گے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ مرشد آپ کو کندوں پر دھکا کر کریمت اور تے چلے جائیں گے۔

That's all, nothing more than this.

اگر کوئی صاحب علم آپ کو توبہ چاہتا ہے تو وہ اس بات کے محتاج نہیں کہ پہلے وہ آپ کا حصہ آپ سے
میراثہ صاحب گورن اور میراثہ صاحب اُن میں سے اپنی یکیشین کاٹ کر آپ کو وہ حصہ عطا کریں۔

اگر کوئی صاحبِ علم آپ پر مہربان ہوئے تو آپ پر عنایت کر دیں گے اور آپ کو حاصل جائے گا البتہ اس کی اطلاع آپ کے مرشد کو ضرور مل جائے گی اور مرشد کا دل اتنا بڑا ضرور ہونا چاہیے کہ وہ اس کو ختم کر جائیں۔ سوال: کبھی کبھی بہت شدت سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ دنیا کھیل تماشا ہے اور ہم چلتیاں..... یا یہ دنیا ایک بساط ہے اور ہم اس پر چھوئے مہرے جن کی Placement تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ سچی اور مہرہ ہونے کا احساس اندر ہی اندر عجب خالی پن اور بے بسی کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ ایسا سمجھنا گستاخی تو نہیں؟

جواب: جب انسان کا Mind اس بات پر Clear ہوتا ہے کہ آقا کون، مالک کون، قادر مطلق کون! میری حیثیت کیا ہے... تو پھر Confusions نہیں آتے۔ لیکن جب ہم اپنے Mind میں Clear نہیں ہوتے تو پھر ایسے Confusions آتے ہیں۔ ہم وہ ہیں جنہوں نے اپنی ذات کے بارے میں بہت سے بت گھڑ لیے ہیں۔ ہم انہیں نہ صرف اپنی ذات کے اندر پالتے رہتے ہیں بلکہ اُن کی پوجا کرتے رہتے ہیں۔ کہیں آج، کہیں علم، کہیں عزت دار ہونے کا بت بنا کر ہم اُس کی پوجا کرتے ہیں۔ کہیں ہم نے عاجزی کے ٹکڑی کی پوجا کی ہے۔ اور یہ تکبر سب سے بڑا ہے۔ جن جتوں کو ہم اپنے اندر گھڑ کر پالتے اور اُن کی پوجا کرتے ہیں یہ ہمیں چیزوں کی اصل تک نہیں جانے دیتے۔ یہ جو "میں" کا بت ہے یہ انسان کو احساس دلاتا ہے کہ میں کیا ہوں...؟ ایک خطرناک کامبرو! جسے جب رب چاہے آگے کر دے، جب چاہے پٹوا دے۔ اس احساس سے "میں" کا بت لیزتا ہے اور انسان کو لگتا ہے جیسے وہ اندر سے خالی ہو گیا۔

اگر ذہن میں یہ بات Clear ہو کہ میرا خالق ہی میرا مالک بلکہ مالکِ کل اور قادرِ مطلق ہے۔ اُس کے سامنے میری بساطِ تویک میرے کی بھی نہیں۔ وہ صرف مجھے ہی نہیں پوری کائنات کو پالتا ہے۔ میرا رول محدود ہے۔ ایک Limited sphere کے اندر مجھے کام کرنا ہے۔ جس مقصد کے لیے مجھے پیدا کیا گیا ہے مجھے وہ مقصد پورا کرنا ہے۔ میری تکمیل اُس کے ہاتھ میں ہے جو قادرِ مطلق ہے۔ وہ جہاں چاہے گا مجھے استعمال کر لے گا۔ جہاں چاہے گا مجھے ذمیل دیے رکھے گا۔ جب یہ سارے Concepts (تصورات) Clear ہو جاتے ہیں تو اس کے بعد جب ہم دیکھتے ہیں کہ کوشش کے باوجود ہمارے کام نہیں ہو رہے، ہم مشرق کی طرف Move کرتے ہیں اور مغرب کی طرف طے ہوتا ہے تو پھر ہم جان لیتے ہیں کہ ہمارا مالک یہی چاہتا ہے۔ کیونکہ جب تک ہمارے دماغ میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ میں کچھ نہیں۔ رب ہی سب ہے۔ یہ اُس کی عنایت ہے کہ وہ مجھے ذمیل دیتا ہے اور کچھ اختیارات بخش دیتا ہے لیکن یہ ذمیل، اختیارات اور ناز کا اٹھایا جانا سب اُس کی مطاع ہے جسے وہ جب چاہے Withdraw کر سکتا ہے۔ یہ سب میرا استحقاق نہیں ہے۔ یہ ساری باتیں جب انسان کے ذہن میں Clear ہو جائیں تو پھر اُس کے اندر خالی ہونے اور بے بسی کا احساس پیدا نہیں ہوتا۔ جب بھی ذہن میں بے بسی کا خیال آئے یا ظاہر کا احساس ہو تو اُس خلا کو بھرنے کے لیے اپنے آپ

سے کہیں کہ میں کون ہوں؟ میری حیثیت یہ کیا ہے اسے میرے رب اسبٹو علی کو ہے۔ ٹھہرا چاہتا ہے کہ اس سے کچھ چاہتا ہے مجھے استعمال کرتا ہے۔ میں میرا بندہ دوسری گفتگو میں نہ آئی کی بات سے کہیں کا احساس اور غائب ہو جائے گا۔ بس "میں" کا بت اسے اندر سے اکال رہ جائے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ بات عقلی سے نکلے ہیں۔

سوال: گھر میں اگر ماں، بہن، بیوی یا بیٹی نماز نہ پڑھے تو ان پر کس حد تک لعنی کی جائے کہ وہ نماز پڑھا کر سہو کیے ادا کرنے لگیں۔

جواب: صاحب اندکسی نے مجھ پر سختی کی نہ میں نے کسی کو سختی کرتے دیکھا۔ میں نے تو سختی سے دھرم ہاں کاؤرہ بھائی دیکھا ہے قریب آتے نہیں۔ اگر کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ اسے کچھ کر دھرم۔ ہاں نماز نہ پڑھیں کیونکہ جب نماز کے انعامات ملتے ہیں تو پھر ہر ایک کا دل چاہتا ہے کہ میں بھی یہ انعامات حاصل کروں۔ سختی سے انسان میں شہ پیدا ہوتی ہے اس لیے اولیائے کرام کبھی کسی کو صیحت یا تہن نہیں کرتے تھے لیکر اس کے باوجود ان کے پاس آنے والے خود بخود دعاوت گزار ہو جاتے تھے۔

بھائی اُختی اور دُغڈے کو کسی الماری میں رکھ کر تالا لگا لیجیے۔ سنت پر عمل کیجیے اور وہ گول کو پیار محبت سے اللہ کی راہ کی طرف لائیے۔ اگر انسان باعمل ہے تو اُس کی زبان میں تاثیر ہوگی اور اُس کی زبان سے لاف لاف والی ہر بات دل میں اُترتی چلی جائے گی اس لیے سختی سے دُور رہیے۔

سوال: آپ اکثر کہتے ہیں فقیر سے علم حاصل کرو۔ یہ علم لدنی ہے، وظائف کا عمل یا ادائیگی کی باتوں کا علم؟
جواب: ایک زمانے میں اردو کا محاورہ پڑھا تھا۔۔۔ موسیٰ ذرا موت سے موت مانتے گھڑی۔ جس وظائف اور عملیات کی بات ہے جس قدر زور بھگتا ہوں اسی قدر یہ مانتے گھڑی دکھائی دیتی ہے۔

میلان کی بات ہے۔ اس اندر دروہ جھانسا ہوں اس اندر یہ کائنات ہے۔ جس شخص کو علم لدنی حاصل ہو گیا فقیر سے آپ کو علم لدنی ملے گا۔ علم لدنی تمام دیگر علوم کا احاطہ کرتا ہے۔ جس شخص کو علم لدنی حاصل ہو گیا اسے تمام علوم از خود عطا ہو جاتے ہیں۔ اولیاء، اہل فقر یا صاحبانِ علم کے پاس علم لدنی ہی ہوتا ہے جس کو غریب کا فرق ہے۔

جب ہم فقیر سے ملتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح اس سے علم بنو اور محکمہ لیس تو وہ علم لدنی ہی ہوتا ہے۔ جب علم لدنی کا حصہ ہمیں ملتا ہے تو ہمارے اندر عجیب و غریب تبدیلیاں آنے لگتی ہیں۔

ہوتا ہے۔ جب علم لدنی کا حصہ ہمیں ملتا ہے تو ہمارے اندر ریب و ریب بیدار ہوتا ہے۔

ہیں۔ اُن کا مطلب ہوتا ہے کہ ابھی تک یہ نہیں ہوا کہ میں نے کسی شخص پر غصہ کیا ہے اور وہ اس کی سزا کا مستحق ہے۔

صاحب نے پوچھا کہ یہ عاجزی کیا ہوتی ہے؟ میں نے جواب دیا کہ انسان کی عمر ۸۰ سال ہے اس لیے اسے چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو Footmate بنالے جس پر پاؤں صاف کر کے لوگ کمرے میں داخل ہوتے ہیں تاکہ وہ اپنے

قراب نہ ہو۔ جب کوئی انسان Footmat بن جاتا ہے تو رب تعالیٰ اسے لوگوں کے سر کا Footmat بناتا ہے۔

صاحب کہنے لگے "آپ وضاحت کیجئے کہ کہنا کیا چاہتے ہیں۔" میں نے کہا "فرض کریں کسی نے آپ کو مالی وی تو آپ شہہ پیشانی سے برداشت کر گئے۔ کسی نے جاتے جاتے جوتا مار دیا۔ آپ نے ایک لمحے کو اس کی طرف استغناء انداز میں دیکھا کہ یہ کیا؟" اُس نے کہا میرا دل چاہ رہا تھا کسی کو جوتا مارنے کو۔" یہ سن کر آپ نے Thank you very much۔ آئندہ بھی جب دل چاہے، جوتا مار لیجیے گا۔" یہ وضاحت سن کر اُن صاحب نے بڑی خوب صورت بات کہی جو مجھے بہت پسند آئی کہ "شاہ صاحب! آپ کی سب باتیں بجا لیکن میں بڑا دل نہیں کھانا چاہتا۔"

علم لدنی ملنے سے انسان میں عاجزی پیدا ہوتی ہے اور دنیا کی محبت دل سے نکل جاتی ہے۔ پہلے اُسے دوسروں پر خراج کرنا مشکل لگتا تھا۔ علم حاصل ہونے کے بعد دوسروں بالخصوص اپنے مخالفین پر بھی بے دریغ خراج کرنے لگتا ہے۔ پہلے چھوٹے چھوٹے مسائل اُسے پریشان کر رہے ہوتے تھے۔ علم حاصل ہونے کے بعد بڑے بڑے مسائل بھی وہ من کرنا لیتا ہے۔ پہلے وہ چھوٹی سی مصیبت پر ہائے کرنے لگ جاتا تھا اب بڑی مصیبت پر بھی مسکراتا پھرتا ہے۔ پہلے ذرا سی Problem کے حل کے لیے لوگوں سے مشورہ کرتا پھرتا تھا۔ علم ملنے کے بعد بڑے بڑے مسئلے سے واسطہ پڑنے کے بعد اگلے ہی لمحے اُس کے ذہن میں حل آ جاتا ہے۔

علم لدنی سے انسان کو فہم و فراست عطا ہوتی ہے۔ فہم و فراست مومن کا طرہ امتیاز ہے اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا "مومن کی فراست سے ذرہ کیونکہ وہ اللہ کے نور کی مدد سے دیکھتا ہے۔" علم لدنی ملنے کے بعد انسان کو رب تعالیٰ کی عطا کی حاصل ہو جاتی ہے۔

مجھے زندگی میں بہت سے مستند اولیائے کرام سے ملنے کا اتفاق ہوا (یہ اور بات کہ میں کسی سے استفادہ نہ کر سکا کیونکہ میری علم حاصل کرنے کی نیت ہی نہ تھی)۔ میں نے کبھی کسی ولی اللہ کو اپنی جسمانی ساخت میں اپنے آپ سے ملنے نہیں پایا۔ بظاہر وہ میری ہی طرح کے انسان تھے۔ بظاہر میری ہی طرح زندگی گزارتے تھے لیکن جب اُن کے سامنے کوئی مسئلہ رکھا جاتا تو ایک لمحے میں جو حل وہ بتاتے اُس سے اُن کی اُس فہم و فراست کا پتا چلتا تھا جو علم لدنی کے نتیجے میں انھیں حاصل ہوئی تھی۔

کتب میں اولیائے کرام کے بارے میں واقعات پڑھ کر ہم غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں اور انھیں کرامات کی سوسنی پر پڑھتے ہیں حالانکہ اولیائے کرام، کرامات سے دور بھاگتے ہیں کیونکہ یہ اُن کی راہ کھوٹی کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔

فقیر کو دعا کرنے کی عین نہ سمجھے بلکہ یاد رکھیے! فقیر سے دعا کرانے کے بھی ذہنک ہیں (آداب نہیں کہہ رہا)۔ سمجھو اور لوگ فقیر کو کمال انداز میں سمجھتے ہیں۔ وہ فقیر کے پاس جاتے ہیں لیکن مجال ہے کہ کبھی اپنا مسئلہ بیان کریں۔ فقیر پوچھتے ہیں تو کہتے ہیں بس جی آپ کو دیکھنا اور سلام کرنا تھا۔ اب اجازت دیجیے۔

ہم اپنی طرف دیکھیں تو ہمیں دعا آدمی پسند آئے گا جو ایک لحاظ سے ضرورت سے زائد ہمارے پاس نہ بیٹھے، جو

بیش مسائل لے کر ہمارے پاس نہ آئے بلکہ جب بھی ہم سے ملے جیسا کہ چلا جاتا ہے۔ اس لیے کہ مسائل تو ہمارے بھی بہت ہیں۔ مسائل لے کر آنے والا ہمیں اور بھی ممکن کر گیا۔ اس لیے اس شخص میں نہیں جانتے گا۔ فقیر کو بھی وہی شخص اچھا لگے گا جو آئے اور ہمارا چلا گیا۔

میں ایک بار جناب حضرت ابوالیوب انصاریؓ کے حوالہ پر حاضری کے لیے ترقی کیا۔ وہاں جاتے سے ڈھائی ماہ قبل ہی میں نے ایک A4 سائز کا پیپر لے کر ڈائری میں لکھتے شروع کر دیں جی کر ڈھائی سو لاکھ لکھ ڈالیں۔ جب وہاں گیا تو جا کر سلام عرض کیا، فاتحہ پڑھی۔ اس دوران اُن سے ملاقات ہو گئی۔ میں نے عرض کیا "جناب! میں پاکستان سے حاضر ہوا ہوں۔ یہ ایک آدھ ڈھائی ماہ میرے لیے کرو بیجیے۔" انھوں نے خوش دلی سے فرمایا "ہاں کہو۔" میں نے عرض کیا "ڈیڑھ سو شلواری قمیض سفید رنگ کی مل جائے۔" انھوں نے کہا "اچھا دعا کر دیتا ہوں۔" اس کے بعد میں نے اگلی فرمائش کی اور دعا کے لیے عرض کر دی۔ انھوں نے کہا "اچھا۔" حتیٰ کہ میں ایک ایک کر کے 250 دیں نمبر کی دعا پر جب پہنچا تو انھوں نے ایٹھ دس ماری "تم نے مجھے کمپیوٹر سمجھ رکھا ہے کہ کمپیوٹر کا جنس دہایا اور جواب آ گیا!"

بات کرنے کا مقصد یہ ہے کہ فقیر لوگ بار بار کی فرمائشوں سے چڑ جاتے ہیں۔ کسی زمانے میں جب میں ترقی جاتا تو حضرت ابوالیوب انصاریؓ کے پاس حاضری نہ دیتا۔ ایک بار ایک صاحب ترقی چاہ رہے تھے۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا "کہاں کہاں جاؤں۔" میں نے انھیں مختلف جگہیں suggest کر دیں۔ انھوں نے حضرت ابوالیوب انصاریؓ کا نام لیا تو میں نے کہا "چھوڑ دو وہاں کیا جاتا۔" اس واقعے کے دن ماہ بعد سرکاری کانفرنس کے لیے ترقی گیا تو کانفرنس ختم ہونے کے اگلے دو دن کی بیٹھی چھٹی لے لی تاکہ TA/DA claim کر کے اپنی تنخواہ میں حرام شامل نہ کروں۔ کانفرنس ختم ہونے کے بعد سرکاری ڈیوٹی تو ختم ہو گئی اس کے بعد اگرچہ سرکاری خرچ پر وہاں رہنے کی Provision موجود تھی لیکن میں اس طرح نہیں رہتا۔ ذاتی خرچے پر استنبول کے ایک فائینسٹار ہوٹل میں آ گیا۔ صبح ناشتے کے لیے ہدایات دے رہا تھا کہ بیچے کندھے سے آواز آئی۔ "السلام علیکم!" (یہ وہی صاحب تھے جنھیں میں نے حضرت ابوالیوب انصاریؓ کے حوالہ پر جانے سے روکا تھا)۔ ارے آپ یہاں؟ میں نے کہا کہ کانفرنس کے سلسلے میں آیا تھا اب یہاں ڈالٹی Stav ہے۔ کہنے لگے "آج جمعہ کہاں پڑھنے کا ارادہ ہے!" میں نے کہا "ابھی کاؤنٹر سے پوچھ لیتے ہیں کہ مسجد کہاں ہے؟" کاؤنٹر پر بیٹھی خاتون انگریزی کی اتنی ہی ماہر تھی جتنا میں ترکی زبان کا۔ بڑی مشکل سے بس اتنی سمجھا آئی کہ وہ ابوالیوب ایوب کہہ رہی ہے۔ اتنے میں ایک صاحب آئے اور انھوں نے اُن خاتون سے Turkish میں دریافت کر کے ہمیں انگریزی میں بتایا کہ حضرت ابوالیوب انصاریؓ کی مسجد میں 12 بجے جمعہ شروع ہوگا۔ (وہ لوگ حضرت ابوالیوب انصاریؓ کو صرف ایوب کہتے ہیں)۔ گھڑی دیکھی تو بہت کم وقت رہ گیا تھا۔ ہم گاڑی میں بیٹھے اور سیدھے مسجد پہنچے۔ چونکہ اب میں وہاں چلا ہی گیا تھا تو آداب اور Etiquette تو Observe کرنے ہی تھے۔ اس لیے سب سے پہلے حضرت ابوالیوب انصاریؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

مرشد، مرید اور راہ سلوک

سوال: آیات سجدہ میں سجدہ کا بیک گراؤ ٹڈ کیا ہے؟

جواب: قرآن پاک دراصل احکامات کا مجموعہ ہے۔ زیادہ پڑھے لکھے لوگوں کے الفاظ میں بات کریں تو قرآن مسلمانوں کے لیے Constitution ہے۔ ایک انسان کو زندگی کیسے گزارنی ہے، اس کے لیے کون سے حقوق ہیں، دوسروں کے ذمہ اس کے کون سے حقوق ہیں، اس کی Self-respect کیا ہے اور دوسروں کی Self-respect جس کا اس نے احترام کرنا ہے وہ کہاں سے شروع ہو جاتی ہے۔ قرآن پاک ان سب کا احاطہ کرتا ہے۔

قرآن پاک مسلمانوں کا ایسا آئین ہے جس کے مطابق انھیں زندگی گزارنی ہے۔ قرآن پاک میں جہاں سجدہ کا لفظ آیا ہے اُسے ہم سجدہ کا حکم تصور کرتے ہیں اور حکم کی تعمیل میں فوراً سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ ملا اس حوالے سے کچھ چھوٹ دیتے ہیں کہ اگر آپ فی الفور سجدہ نہیں کرتے تو عبادت ٹھیک ٹھیک کے بعد کر لیں۔ لیکن میرے ذاتی خیال میں حکم کی فوری تعمیل ہونی چاہیے اور سجدہ کا لفظ پڑھتے ہی ہمیں فوراً سجدہ ریز ہونا چاہیے۔

سوال: کشف کا حصول کیسے ممکن ہے؟

جواب: علم کا ماننا۔ اور علم کے ساتھ ساتھ کچھ اور عنایات کا عطا ہونا۔ یہ سب بہت Organised طریقے پر ہوتا ہے اور بہت Systematic ہے۔ ایسا نہیں کہ مجھ جیسا گناہ گار دنیا میں کچھ نہ دیا ہو انھیں سو کرائے تو صاحب کشف بن چکا ہو۔ اس کے پیچھے تو بڑا مہاسٹر ہوتا ہے جو آدمی ملے کر کے آ رہا ہوتا ہے۔ چاہے اس کے علم میں ہو یا نہ ہو۔ چاہے وہ Deliberate effort ہو یا Unconscious effort۔ اس سفر میں جب آدمی رب کی عبادت کرتا ہے تو اس کے ذہن میں نہ تنظیم کا ارہا ہے نہ جنت کا لالچ، نہ اچھا بننے کا شوق نہ بُرا شمار کیے جانے کا خوف۔ وہ تو صرف یہ سوچ کر رب کی عبادت کرتا ہے کہ چوں کہ میرا رب لائق عبادت ہے اس لیے میں اس کی عبادت کروں۔ اس کے ساتھ اگر اللہ تعالیٰ ملے اسے اور انسان کے دل میں جذبہ احسان مند کی پیدا ہو جائے تو وہ سوچتا ہے کہ میرا رب مجھ سے بڑا

سلام کیا اور فاتحہ پڑھی۔ فاتحہ کے دوران انھوں نے جو مہربانی کا سلوک میرے ساتھ کیا وہ اتنا کمال تھا کہ میں پانی پانی ہو گیا۔ پھر خیال آیا کہ اگر یہ اتنے عظیم نہ ہوتے تو میزبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیوں ہوتے اور جو میں نے خود حاضر ہوتا تھا ان صاحب کو آنے دیا تھا۔ میرے اس رویے کے باوجود حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے میرے ساتھ انتہائی اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کیا اور ثابت کر دیا کہ "تم میں اور مجھ میں بس اتنا ہی فرق ہے کہ تم نے خود میرے پاس آتے تھے نہ دوسروں کو آنے دیتے تھے۔ اب جو آئے ہو تو دیکھ لو کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کر رہا ہوں۔" جب میں نے ان سے اجازت مانگی کہ جو حک نماز پڑھنی ہے۔ تو انھوں نے فرمایا کہ ایک منٹ ٹھہر جاؤ۔ میں سوچ رہا تھا کہ نہ جانے اب میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے کہ اتنے میں ایک انتہائی بوڑھا شخص آیا جس نے ساڑھے چھ سات کلو چابیاں اٹھائی ہوئی تھیں۔ اُس نے میرے کندھے پر Tap کر کے کہا کہ میرے ساتھ آؤ۔ تب میں نے Link کر لیا کہ ایک منٹ رُکنے کو کیوں کہا گیا تھا۔ وہ مجھے لے کر ایک دیوار کے پاس جاؤ۔ دیوار میں موجود سوراخ میں چابی لگائی تو پتا چلا کہ بظاہر دیوار دکھائی دینے والا وہ حصہ دراصل طاقی ہے جس کو اس طرح Paint کیا گیا ہے کہ وہ دیوار کا حصہ لگتا ہے۔ اُس بوڑھے شخص نے لائٹ آن کی تو اس طاقی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک کا Impression تھا جس پر سونے کا خول چڑھا ہوا تھا۔ اللہ کی مجھ پر یہ بھی عنایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق کوئی چیز دیکھ کر ایک سیکنڈ میں مجھے پتا چل جاتا ہے کہ یہ اصلی ہے یا نہیں۔ اُس نے طاقی کھولا تو مجھے پتا چل گیا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پائے مبارک کا Impression ہے۔ میں وہاں فاتحہ پڑھ کر جب واپس آنے لگا تو اُس شخص نے مجھے گردن سے پکڑا اور میرا سر اس طاقی میں کر کے کہا "اے Kiss کرو۔"

میں نے کہا "اچھا Thank you very much جناب۔"

حضرت ابو ایوب انصاریؓ واقعی اس قابل تھے کہ میزبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے۔ اگر فقیروں سے کچھ مانگا نہ جائے تو وہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی طرح مہربانیاں کرتے ہیں۔

عبادت کرتا ہے۔ وہ چیزیں بھی مٹا کرتا ہے جو میرے علم میں نہیں ہوتیں اسی لیے میں شکر گزاری کے طور پر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں۔

جب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے انسان اس طرح اللہ کی عبادت کرتا ہے اور یہ بھی سوچتا ہے کہ میرا رب مجھ پر انتہائی مہربان ہے، میرا رب سے بڑھ کر محسن ہے، اس لیے جتنی بھی رب کی مخلوق ہے انسان، جمادات نباتات، حیوانات، اُن کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرتا چاہیے۔ پھر انسان سب پر مہربان ہو جاتا ہے۔ وہ اس جذبے کے ساتھ عبادت جاری رکھتا ہے کہ میرا رب اتنا عظیم اور مہربان ہے کہ اُس کا شکر ادا کیا جانا چاہیے اور شکر گزاری کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اُس کے حضور سجدہ ریز ہو جائے۔

زندگی میں اونچ نیچ آتی رہتی ہے۔ ایسے مواقع بہت Frequently آتے ہیں جہاں وہ React کر سکتا ہے لیکن React کرنا نہیں کہ یہ میرے رب کی مخلوق ہے۔ مہربان رب کے حضور اظہارِ تشکر کے طور پر مجھے رب کی مخلوق پر مہربانی کرنی ہے۔ تب انسان اپنے ساتھ ہونے والی غلطیوں کو نہ صرف ہنس کر معاف کر دیتا ہے بلکہ ایسے ظرف کا مظاہرہ کرتا ہے کہ کسی کو غلطی پر شرمندہ نہیں ہونے دیتا حتیٰ کہ غلطی کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ اُس سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہی تھی۔ تب انسان دوسروں کے کام اس خوب صورتی سے آتا ہے کہ خدمت لینے والا سمجھتا ہے کہ خدمت قبول کر کے میں نے اس شخص پر احسان کیا۔

وہ دوسروں کے حقوق اتنی خوب صورتی سے ادا کرتا ہے کہ کسی کو یہ احساس تک نہیں ہونے دیتا کہ اُن کے ذمہ بھی اُس کے حقوق ہیں۔ وہ مکمل شکوہوں سے زبان بند کر لیتا ہے کہ آپ ملکہ نظام کی سنت ہے۔ وہ اپنے حقوق Demand نہیں کرتا لیکن دوسروں کے حقوق بلا مطالبہ ادا کر دیتا ہے۔

یہ لہذا مگر ایک طویل مدت میں دو طے کرتا ہے۔ اس سفر میں وہ Shocks کو Absorb کر لیتا ہے اور Shake نہیں کرتا۔ نہ ہی React کرتا ہے حتیٰ کہ یہ رویہ پہلے اُس کی Habit اور پھر Second nature بن جاتا ہے۔ پھر وہ بغیر کسی Conscious effort کے اسی طرح Behave کرنا چلا جاتا ہے۔ بے لوث اور بے غرض عبادت کے نتیجے میں انسان کے اندر رب تعالیٰ کے ان گنت احسانات کے تسلسلے ہونے کا احساس پختہ ہو جاتا ہے۔ وہ رب کے بندوں کے ساتھ یہ سوچ کر بھی بہتر اور احسان کا سلوک کرتا اور اُن کی زیادتیوں کو معاف کر دیتا ہے کہ یہ اُسی رب کے بندے ہیں جس کا میں بندہ ہوں۔ پھر وہ وقت آتا ہے کہ رب تعالیٰ انسان میں وسیع ظرف پیدا کر دیتا ہے، اُسے صاحبِ کشف کر دیتا ہے۔ یوں وہ دوسروں کے احوال کشف میں دیکھنے لگتا ہے۔ کشف میں رب تعالیٰ اُسے یہ اطلاع بھی دیتا ہے کہ یہ شخص جو اس وقت تمہارے گھنٹوں کو ہاتھ لگا رہا ہے یہ درحقیقت باہر کھڑا محسن کا لیاں دے رہا تھا اور جو شخص اُکر رہا تھا وہ ہے کہ میں قہر پڑھ کر آ رہا ہوں وہ دراصل کانٹے میں کھنکھارے پاس آیا ہے۔ صاحبِ کشف کو رب تعالیٰ حقیقت دکھا دیتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنے پاس آنے والوں پر بھی اس کو میاں نہیں کرتا کیوں کہ کشف اس لیے نہیں کہ صاحبِ کشف دوسروں کے راز دیکھ کر اپنی دالے بدل لے۔ مثلاً صاحبِ کشف کسی کو نیک سمجھتے تھے لیکن

کشف میں پتا چلا کہ وہ تو چوری کرتے ہیں۔ یہ سب جان لینے کے باوجود بھی صاحبِ کشف کی دالے اس شخص کے بارے میں متاثر نہیں ہوتی کیوں کہ اگر ایسی معلومات اُس کی دالے پر اثر انداز ہو گئیں تو وہ صاحبِ کشف نہیں رہے گا۔ کشف دہائی اُس وقت ہے جب انسان اتنے بڑے ظرف کا مالک ہو جائے کہ سب جیسے کے باوجود اُسے اپنی رائے پر اثر انداز نہ ہونے دے۔

ہم لوگ حروفِ مقطعات اور کشف و کرامات کے بارے میں غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں اور ان سے غلط نہیں پارے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ شاید کوئی وظیفہ پڑھنے سے ہم صاحبِ کشف و کرامت اور ولی اللہ بن سکتے ہیں۔ یہ قطعاً نہیں۔ ہم نہ جانے یہ کیوں سوچتے ہیں کہ ولی اللہ ہونے کے بعد کوئی شخص باوقار و فطرت سنی ہو جائے گا۔ ایسا نہیں ہے۔ وہ پہلے جیسا ہی رہے گا۔ ولی اللہ اپنی ذمہ داریاں اُسی طرح نبھائے گا کیوں کہ گروہِ اول میں کوئی ایسا نہیں ہے کہ اُس کے لیے جواب وہ ہے۔ ولی اللہ اپنے فرائض کی اہمیت دینی کے ساتھ ساتھ لوگوں کے ساتھ Light way میں بات بھی کرتا ہے، مزدوری بھی کرتا ہے، اُسے بھی کرنی اور دینی بھی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اُس میں ضبط اور برداشت اتنا بڑھ جاتا ہے کہ وہ موسموں کی شدت یا حالات کی کمی کی فکارت نہیں کرتا کیوں کہ اُسے اچھی طرح معلوم ہے کہ موسموں کا تغیر و تبدل اور درجہ حرارتات severe سے میرے مالک کی طرف سے ہے۔ وہ عظیم ہے اور میں اُس کا حقیر سا بندہ۔ مجھے کوئی حق نہیں کہ اُس کی طرف سے آنے والے کسی تغیر پر انگلی اٹھا سکوں۔ جو انسان یہ بات سمجھ جاتا ہے وہ ہر مصیبت کو ہنس کر مٹیل جاتا ہے۔ وہ چہرے پر ناگواری کا تاثر تک نہیں آنے دیتا صرف اس لیے کہ یہ مصیبت میرے رب کی طرف سے آئی ہے۔ جب اچھا وقت تھا تب تو میں نے کسی سے نہیں کہا کہ یہ اچھا وقت مجھ پر کیوں آیا ہے۔ سب یہ سوچا کہ دن کی تنگی آگئی ہے تو پھر میں کیوں ہائے ہائے کرتا پھروں۔

ولی اللہ ایک عام آدمی کی طرح سب کچھ محسوس کرتا ہے لیکن رب کے بارے میں اُس کا تصور اور رب کے ساتھ اُس کا تعلق بہت خوب صورت ہوتا ہے کہ رب کے مجھے پر بے پناہ احسانات ہیں۔ ایک دینی تو ہے جس نے ہمیشہ مجھے اچھے حال میں رکھا، تن و رستی کی نعمت سے نوازے رکھا۔ اب اگر چند دنوں کی تنگی یا بیماری آگئی ہے تو پھر کیوں داؤد بنا کر پھروں۔ احسانِ مندی کا تقاضا یہی ہے کہ مشکل وقت کو خندہ پیشانی سے گزار لوں۔ ولی اللہ دیکھنے میں مجھ جیسا گناہ گار اور سیاہ کار نظر آئے گا۔ وہ دوستوں سے ایسے ہی ملے گا جیسے مجھ جیسا گناہ گار شخص ملتا ہے۔ وہ اسی طرح لوگوں میں بیٹھ کر بات کرے گا۔ اُن کے ملے گا اپنی مٹائے گا۔

ہم نے ولی اللہ کا ایک یہ تصور بھی قائم کر لیا کہ کوئی اُس کے برابر نہیں بن سکتا۔ وہ مسند پر بیٹھا ہے اور اس سے ملاقات کے خواہش مند زمین پر۔ یہ طریقہ خلافِ سنت ہے۔ آپ ﷺ کبھی محل میں لایا ہوا ہو کر نہیں بیٹھے، کبھی سڑک پر نمایاں ہو کر نہیں چلے۔ آپ ﷺ نے جب کبھی سفر میں پڑاؤ کیا تو ساتھیوں کے ساتھ برابر کام کیا۔ کبھی خندہ بن کر مسند پر نہیں بیٹھے۔ ولی اللہ اسی سنت کی پیروی کرتا ہے۔ ولی اللہ مقامِ تقویٰ پر قائم ہوتا ہے۔ اُس تقویٰ کے نتیجے میں مٹا ہونے والے علم اور فہم و فہم کی وجہ

سے وہ ہم سے مختلف ہوگا۔ یہ چیزیں اس وقت تک حاصل نہیں ہوتیں جب تک بنیادیں مضبوط نہ ہوں۔ میں
لاکھ حرف مضطحات پڑھتا رہوں اگر میری بنیادیں ہی نہیں بنیں تو مجھے یہ پڑھائی کوئی فائدہ نہیں دے
پائے گی۔ اس عبادت کی پچاسویں منزل کیسے بنے گی جس کی بنیادیں ہی تعمیر نہ کی گئی ہوں۔

حرف مضطحات کے فوائد ہی وقت ملتے ہیں جب انسان عبادت کی تمام اغراض چھوڑ دیتا ہے حتیٰ کہ
جنت کا لالچ اور جہنم کا خوف بھی ترک کر دیتا ہے۔ وہ اپنے رب کو لائق عبادت سمجھنے لگتا ہے اور اظہار تشکر کے
لے رب کے حضور گڑ گڑاتا ہے۔ دوسروں کے ساتھ اس کا سلوک ایسا ہو جاتا ہے کہ میرا کسی پر کوئی حق نہیں لیکن
سب کے حقوق مجھ پر ہیں جو مجھے ادا کرنے ہیں۔ مجھے کسی سے کچھ نہیں لینا۔ مجھے تو بس اپنے رب سے لینا
ہے۔ جب انسان یہ بھول جائے کہ دوسروں کے ذمہ میرا کوئی حق بھی ہے تب اس پر عنایت برسی ہیں۔ ان
عنایت کی کوئی حد ہے نہ حساب۔ کشف و کرامات کا حصول تو بہت معمولی سی بات ہے۔

سوال: کیسے پتا چلے کہ مرید کو مرشد کی توجہ حاصل ہو رہی ہے یا نہیں؟ اس کو Monitor کیا جا رہا ہے یا نہیں؟
جواب: میں ان چیزوں سے بہت دور رہتا ہوں۔ میرے علم میں نہیں کہ مرشد ہوتا کیا ہے اور مرشد کی توجہ
کیا رنگ دکھائے گی۔ میں تو بس اس پر یقین رکھتا ہوں کہ مالی کام پانی دینا ہے اور مالک کا کام پھل
پھول لگانا ہے۔

اگر میں کسی کو مرشد مان لوں تو میں انھیں اس لیے مرشد نہیں مانوں گا کہ مجھے ان سے کیا ملے گا اور میرے
اندر کیا تبدیلیاں واقع ہوں گی۔ میں تو اس لیے انھیں مرشد مانوں گا کہ میرا دل بغیر کسی کی
Canvassing کے یہ کہتا ہے کہ یہ انسان تقویٰ کے بلند مقام پر ہے۔ اللہ نے اپنی عنایات سے اسے علم مظاہر
فرمایا ہے۔ اگر میں اس صاحب تقویٰ کے پاس بیٹھا ہوں اس نے کچھ نہ بھی کیا اور اس سے کچھ اور نہ بھی ملا تو
کہاں تک؟ تو ہوگا کہ میں اپنے جواہر ساقیوں میں بیٹھ کر جوا کھینے، Gossip کرنے اور دوسروں کا مذاق
اڑانے کی بری عادات سے بچ گیا۔ مجھے یہ یقین ہے کہ اگر Magnet کے پاس ناکارہ لوہے کا ٹکڑا کچھ عرصہ
پڑا رہے تو روز خود Magnet میں بدل جاتا ہے۔

بزرگ کہتے ہیں کہ اگر گھر سے بھوکے جاؤ گے تو آگے بھی کھانا نہیں ملے گا۔ بھرے پیٹ کے ساتھ جاؤ
گے تو ہر جگہ کھا Servet ہو جائے گا۔ جب انسان بھوک کے ساتھ مرشد کے پاس جاتا ہے تو کچھ حاصل نہیں
کر پاتا لیکن جب یہ موقع آکر گیا کہ یہ صاحب علم تقویٰ و فطرت ہے، اس لائق ہے کہ اس کی عزت کی جائے، اس
کے پاس بیٹھا جائے تب علم حاصل ہو جاتا ہے۔

اگر آپ کو مرشد ملے تو یہ مت سمجھیں کہ آپ کو وہاں سے کیا مل رہا ہے، کتنا مل رہا ہے، کب مل رہا
ہے۔ ان کے پاس صرف یہ سوچ کر جائیے کہ ہم لوہے کا ایک ٹکڑا نہ نکلا ہیں اور یہ صاحب بہت
Magnet ہیں۔ اگر ان کے قریب نہ رہے تو کسی روز خود بھی Magnet ہو جائیں گے۔ یاد رکھیں
Magnet ہونا کچھ کرنا ہے، Magnet نہیں ہونا صرف اس کے پاس پڑا رہنے سے تو ہوتا Magnet بن
جاتا ہے۔

سوال: آپ کے پاس بہت سے لوگ دعا کے لیے آتے ہیں۔ کچھ ہاتھ دے گی سے اور کچھ کچھ بھی کھارے گی کیا ان
سب کا آپ کے ساتھ مرید اور مرشد کا تعلق ہے؟

جواب: اسے میں Joke of the century ہی کہہ سکتا ہوں۔ میرے پاس آنے والے اپنے من
نہن کی وجہ سے مجھے اچھا انسان سمجھتے ہیں۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ مرشد کیا ہوتا ہے اور مرید کسے کہتے ہیں تو
پھر میں مرشد کا رول کیسے ادا کروں گا۔ میں نیک انسان نہیں ہوں۔ مرشد تو کوئی نیک آدمی ہے گا۔

سوال: اگر مرشد اپنے مرید کو Monitor کر رہے ہوں اور مرید سے جانے انجانے میں کوئی بہت بڑی
Mistake ہو جائے تو کیا اسے Monitoring سے نکال دیا جاتا ہے اور مرشد کی توجہ مرید پر
نہیں رہتی؟

جواب: جو آدمی مرشد کے مقام پر فائز ہو گیا اس کا ظرف بہت بڑا ہو جاتا ہے۔ میں نے جتنے فقیروں کو
دیکھا، ان کے بارے میں کتب میں پڑھا، ذاتی تجربہ بھی یہی ہے کہ فقیر گناہ گار کو سینے سے لگاتے ہیں۔ یہ
بات کبھی کسی کو سمجھ نہ آئی کہ میرے مرشد سید یعقوب علی شاہ صاحب نے مدت سے اپنے پاس آنے والے
تمام لوگوں کو ایک طرف کر کے مجھے کیوں اپنے سینے سے لگا لیا۔ چونکہ اصل بھید میں جانتا ہوں اس لیے
مجھے کبھی خوش فہمی نہیں رہی۔ یہ تو اولیائے کرام کی سنت ہے کہ وہ گناہ گاروں کو سینے سے لگاتے ہیں۔ ان کے
پاس آنے والے بھی نیک لوگ تھے۔ لیکن جوں ہی مجھ جیسا گناہ گار شخص ان کے پاس گیا، انھوں نے
مجھے سینے سے لگا لیا۔ ویسے جوتے بہت بار پڑ جاتے تھے۔ نکال بھی دیا کرتے تھے۔ چوں کہ یہ نہیں فرمایا
ہوتا تھا کہ دوبارہ نہیں آنا اس لیے تھوڑی دیر جا کر گاڑی میں بیٹھا رہتا اور پھر ان کے پاس چلا آتا۔ سلام
کرتا۔ وہ میرے سلام کا جواب دیتے، بیٹھنے کو کہتے اور اپنے ہاتھوں سے ایک کپ چائے بنا کر دیتے۔ کبھی یہ
نہ کہتے کہ پھر کیوں آگئے ہو؟

مرشد کے درجے پر فائز لوگ بہت بڑے ہوتے ہیں۔ کسی نے کیا کہہ دیا، کیا کر دیا، کسی سے کون سا گناہ
مرزد ہو گیا۔ یہ سب وہ Ignore کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے آپ اطمینان رکھیے، اگر وہ واقعی آپ کے
مرشد ہیں تو کبھی آپ کو مانیٹرنگ لسٹ سے خارج نہیں کریں گے۔

سوال: راہ سلوک پر چلتے چلتے کبھی جانے انجانے میں کوئی ایسی غلطی ہو جاتی ہے کہ یوں لگتا ہے کہ جیسے ریورس
گیئر لگ گیا ہو۔ اس ریورس گیئر سے کیسے بچا جاسکتا ہے؟ کیا ریورس گیئر کی Feelings بلا وجہ بھی
ہو سکتی ہیں؟

جواب: آپ نے یقیناً سمندر دیکھا ہوگا۔ کنارے پر کھڑے ہو کر اسے دیکھیں تو بہت گہرا لگتا ہے۔ سیلوں
میں اس کی گہرائی ہوتی ہے۔ اتنی Depth کے بعد اس میں لہریں نہیں اٹھتی چاہیں لیکن اتنی گہرائی کے
باوجود اس میں لہریں اٹھتی اور فٹی رہتی ہیں۔ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

ہر چیز کا ایک Life cycle ہے۔ ہر کائنات میں ہمیں پڑھایا جاتا ہے کہ ہر پراکٹ حتیٰ کہ انسان کا

بھی ایک Life cycle ہے۔ مثلاً درخت میں کیڑا لگتا ہے۔ اس کے پتے مر جاتا ہے۔ پھر تازہ پتے آ جاتے ہیں۔ پھل میں کیڑا لگتا ہے، نیا پھل بھی آ جاتا ہے۔ موسم تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ ایک ہی موسم وہ دن میں ٹیڑھ بچر Vary کرتا رہتا ہے۔ ٹھہراؤ نہیں نہیں۔ یہ کائنات اسی لیے Dynamic ہے کیوں کہ اس میں کبھی ٹھہراؤ نہیں۔ یہی اس کی رنگینی و خوب صورتی ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ نہروں میں دو چار میل کے فاصلے پر رکاوٹیں بنادی جاتی ہیں کیوں کہ وہاں سکون سے پانی بہہ رہا ہوتا ہے۔ اگر یہ بہاؤ اسی سکون سے جاری رہے تو اس پندرہ میل کے بعد Flow ختم ہو جائے گا۔ پانی کے بہاؤ کو بہتر بنانے اور تیز کرنے کے لیے دو چار میل کے فاصلے پر نہر میں رکاوٹیں کھڑی کر دی جاتی ہیں۔

راہ سلوک ہو یا دنیا کی راہ۔۔۔ جب تک اس میں Variation نہ ہوگی، اس کا Flow قائم نہ ہوگا۔ اس میں یکسانیت پیدا ہو جائے گی اور یکسانیت موت ہوتی ہے۔ یہ اتار چڑھاؤ، موڈ کی تبدیلی، کبھی Normal، کبھی Abnormal، کبھی Gain اور کبھی Loss کا احساس اسی لیے پیدا ہوتا ہے کہ بہاؤ تیز ہو سکے۔ انسان یکسانیت سے بچ جائے۔ اس پر موت کی کیفیت طاری نہ ہونے پائے۔ یہ کیفیات اور احساسات نارمل ہیں۔ اس راہ میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس لیے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

سوال: جب کوئی طالب الہی زوحانیت کی دنیا میں قدم رکھتا ہے تو اسے لگتا ہے کہ اس کے Grey areas کو White areas میں تبدیل کیا جا رہا ہے لیکن گزرتے وقت کے ساتھ تبدیلی کا عمل قدرے سست پڑتا دکھائی دیتا ہے۔ ایسا کیوں؟

جواب: اگر آپ بڑا نہ مانیں اور گستاخی کی اجازت دے دیں تو ”طالب الہی“ کے بجائے ”طالب قرب الہی“ کہہ لیجیے کیوں کہ خود کو طالب الہی کہنے والا جرات مند آدمی میری نظر سے نہیں گزرا۔ جب انسان صاحب علم کے پاس جاتا ہے اور اسے علم عطا ہوتا ہے تو آپ نے بالکل صحیح کہا کہ کیفیت یہی ہوتی ہے کہ اسے لگتا ہے کہ میرے اندر بڑی تیزی سے مثبت تبدیلیاں آ رہی ہیں..... لیکن کچھ عرصے بعد وہ سمجھتا ہے کہ شاید اب مجھ پر صاحب علم کی توجہ نہیں رہی، میری تربیت اس محنت سے نہیں کی جا رہی حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ دیکھیے! آپ جون کے سینے میں تپتی دھوپ سے جیسے ہی ایئر کنڈیشنڈ روم یا پتھن والے کمرے میں داخل ہوتے ہیں تو ایک دم آپ کو سکون کا بہت واضح احساس اور فرق محسوس ہوتا ہے۔ لیکن اسی ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں بیٹھے بیٹھے جب آپ کو چند رہا میں منت ہو جاتے ہیں تو آپ کہتے ہیں کہ گرمی ہے تھر موٹیٹ کو Low degree پر سیٹ کر دیں۔ وہی ٹیڑھ بچر جس نے ہمیں باہر سے آنے پر اتنا سکون دیا تھا وہ ہمیں گرم محسوس ہونے لگتا ہے۔

جب کوئی مجھ سے ملتا ہے گا، دنیا دار شخص کسی صاحب علم کے پاس جاتا ہے اور وہ مجھے عبادت، نیکی اور اللہ کی راہ پر لگاتا ہے تب ابتدا میں مجھے جھلٹی دھوپ سے ایئر کنڈیشنڈ روم میں آنے کی ٹھنڈک اور راحت کا احساس

ہوتا ہے۔ لیکن اس کے بعد جب میں آہستہ آہستہ نیکی اور عبادت کا عادی ہو جاتا ہوں تو پھر مجھے وہ واضح فرق محسوس نہیں ہوگا۔ پھر اس سے اگلے Level یا حد کی Change میں محسوس کر پاؤں گا۔ حالانکہ یہ اس وقت بھی مل رہا ہوتا ہے۔

زوحانیت کی راہ میں مشکل یہ ہے کہ اس میں انسان اپنی Progress کو Judge نہیں کر سکتا کیوں کہ اسے Judge کرنے کے لیے کوئی Yardstick، بیر دیکھنا یا Altimeter نہیں ہے۔

جب ہم بائیسکل، کار یا سوئر سائیکل پر سفر کرتے ہیں تو ہمارے پاس اپنی سپیڈ کا آئیڈیا کرنے کے لیے سائیز پر لگے Poles یا درست ایک ریفرنس کے طور پر موجود ہوتے ہیں۔ جس سپیڈ سے دو پہیے گزرتے دکھائی دیتے ہیں اسی رفتار سے ہمیں اپنے آگے بڑھنے کا آئیڈیا ہو جاتا ہے۔ جہاز عام طور پر 850 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے Fly کر رہا ہوتا ہے۔ آپ Window سے باہر دیکھیں تو جہاز اپنی جگہ ساکن نظر آتا ہے کیوں کہ اس کے اطراف میں سپیڈ بتانے کے لیے کوئی Object یا ریفرنس موجود نہیں ہوتا۔ لیکن اگر کوئی اور جہاز پاس سے گزرے تو دو تین سیکنڈ جب تک وہ جہاز یا Object نظر آتا ہے اپنے جہاز کی Speed کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

زوحانیت میں آپ کے پاس کوئی ایسا ریفرنس نہیں ہوتا جس کو Coordinate مان کر آپ ریفرنس لے لیں کہ میں یا دوسرا شخص کتنی تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ درحقیقت ایسا نہیں ہوتا۔ سفر جاری ہوتا ہے۔ راہ سلوک پر چلنے والا شخص ایک Constant اور Continuous process سے گزر رہا ہوتا ہے اس لیے آپ فکر نہ کیجیے۔

ثبوتِ رُبوب اور شکر گزاری

سوال: رب تعالیٰ کو اپنا کون سا Attribute سب سے زیادہ پسند ہے؟

جواب: رب تعالیٰ کو اپنا غفور الرحیم اور رحمن ہونا سب سے زیادہ پسند ہے۔ رحمن رب کی وہ صفت ہے جس کا عکس کسی انسان میں نہیں حالانکہ رب کے اکثر دیگر Attributes کا ہر ایک سا عکس انسانوں میں پایا جاتا ہے۔
سوال: تیسرا کلمہ سنت الہی کے بارے میں ہے۔ کیا تیسرے کلمہ کا ورد کر کے بھی رب تعالیٰ کا شکر ادا کیا جاسکتا ہے؟

جواب: اللہ کی تمام صفات سنت الہی ہیں۔ اُس کی سنت کسی ایک شے تک محدود نہیں۔ تیسرا کلمہ ضرور پڑھیے۔ یہ باعثِ برکت و عزت ہے۔ اس کے بہت سے فضائل ہیں۔

جہاں تک رب تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی بات ہے تو دل سے صرف اتنا جملہ کہہ کر بھی اُس کا شکر ادا کیا جاسکتا ہے۔ ”یا اللہ اتیر شکر ہے۔“ جب دل سے شکر ادا کیا جاتا ہے تو لہجے اور الفاظ میں عجیب عاجزی اور زور ہوتا ہے۔ اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو کر بھی اُس کا شکر ادا ہو جاتا ہے۔ جب انسان اپنے رب کو اپنا خالق، مالک، آقا، محسن اور پالنے والا مانتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ مہربان رب کا حق ہے کہ میں اُسے سجدہ کروں تو ایسا سجدہ اور نیکی شکر بن جاتا ہے۔

میرے نزدیک شکر کا سب سے اچھا انداز وہ ہے جہاں انسان اپنی عزیز ترین شے بخوشی دوسروں کے حوالے کر دیتا ہے یہ سوچ کر کہ یہ بھی اُسی رب کا بندہ ہے جس کا میں بندہ ہوں۔ ایسے میں جب انسان کوئی شے دوسروں کو دے دے یا ہوتا ہے تو اُس کے دل میں نہ یہ خیال آ رہا ہوتا ہے کہ میں کسی کے کام آ رہا ہوں اور نہ یہ کہ میں کسی کی ضرورت پوری کر رہا ہوں۔ وہ صرف یہ سوچتا ہے کہ میرے پاس جو کچھ بھی ہے یہ میرے رب کا عطا کردہ ہے۔ اس شخص نے میرے سامنے اپنی ضرورت بیان کی ہے اس لیے مجھے چاہیے کہ میں رب کے عطا کردہ مال میں سے اس کی ضرورت کی چیز اسے دے دوں۔

اگر انسان اس سے بھی اگلے مقام پر جاتا ہے تو اپنی خونِ اپنے کی کمائی اللہ کے اُن بندوں پر خرچ کر دے جن کے بارے میں اُسے گمان ہے کہ یہ میرے دوست نہیں۔

میرے نزدیک اس سے بھی اگلا درجہ یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کی خدمت اس انداز میں کی جائے کہ

بقولِ امام صاحب رحمہ اللہ: ”خدمت لینے والا یہ کچھ گراں نہیں ہے آپ سے خدمت کر کے آپ پر اس میں کیا ہے۔“

اس موقع پر بھی دل میں ذرا مجھ پر خیال نہ آئے کہ میں نے کسی کی مدد کی کسی کے کام آ گیا کوئی ایک کام کیا ہے۔ دوسروں کی خدمت کرتے اور انھیں کچھ دیتے وقت اگر انسان کی آنکھیں شرمساری سے ملکی ہوں اور انداز لیا ہو کہ گویا کچھ دے کر اسے شرمندگی ہو رہی ہے تو یہ شکر گزاری کا بہترین انداز ہے۔

سوال: ہم زاد کیا ہے؟

جواب: ہم زاد کے لیے مختلف Terminologies استعمال ہوتی ہیں جن میں سے کچھ بدو Spirituality سے Influenced ہیں۔ ہم زاد بہت وسیع المعنی لفظ ہے۔ ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ انسانی جسم میں موجود روح ہم زاد ہے۔ انسان عبادات کرتے اور نیکی کے راستے پر چلنے چلنے اس مقام پر آ جاتا ہے جہاں اس کا Biological system اتنا پورا قفل ہو جاتا ہے کہ وہ اُس کے ذریعے کام لینے لگتا ہے مثلاً آپ صبح چار بجے اُٹھنا چاہتے ہیں تو اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ مجھے صبح چار بجے جگنا دینا۔ اور پھر ہوتا یہ ہے کہ چار بجے سے چند سیکنڈ پہلے آپ بیدار ہو جاتے ہیں۔ سائنس دان اسے Biological clock کہتے ہیں۔

اگر انسان Positive thinking اور قوتوں کا مالک ہے اور وہ کار چار ہا ہو اُس کا دھیان نہیں اور ہو۔ کافی فاصلے پر اگر کوئی رکاوٹ ہو یا کسی شخص کے کار کے پیچھے آنے کا حادثہ ہو تو اُس شخص کی توجہ وقت سے پہلے ہی اُس رکاوٹ یا شخص کی طرف مبذول ہو جائے گی۔ اسی طرح ہمارا کوئی عزیز بیویوں اور تکلیف میں ہو تو ہمیں یہاں بیٹھے بیٹھے گھبراہٹ ہوگی کہ کوئی بڑا حادثہ ہونے والا ہے۔ لیکن اگر انسان کے اندر کچھ صلاحیتیں اور قوتیں Develop ہو جائیں تو اُسے Clearly پتا چل جاتا ہے کہ فلاں شخص اس وقت مشکل میں ہے۔ سائنس نے اسے ”ہم زاد“ کا نام دیا ہے۔

تصوف میں ایک ایسا مقام بھی آتا ہے جہاں انسان اپنی روح کو خود دیکھنے لگتا ہے۔ کچھ لوگ اسے بھی ہم زاد کہتے ہیں۔ روحانیت میں کہا جاتا ہے کہ خدا کی طرح انسان کا ایک مثالی جسم بھی ہوتا ہے جو عبادات و اعمال کے نتیجے میں توانا یا کمزور ہوتا ہے۔ کچھ لوگ اسے ہم زاد کہتے ہیں۔ سائنس دان بھی اسے جسمانی جسم کا نام دیتی ہے۔ آپ اسے کچھ بھی کہہ لیجیے۔ دراصل ہر انسان کے اندر عقلی یا سوئی ہوئی قوتیں ہوتی ہیں۔ جب اُنھیں مثبت سوچ، نیکی اور عبادات کے نتیجے میں جگا لیتے ہیں تو لوگ اُنھیں ہم زاد کا نام دے دیتے ہیں۔ یہ قوتیں اسی صورت میں بیدار ہوتی ہیں جب انسان اس قدر مثبت ہو جاتا ہے کہ اس کے ذہن میں کوئی عقلی خیال نہیں آتا۔ کینہ، حسد، بغض، غصہ یا رنج نہیں ہوتا۔ اُس کا دل آئینے کی طرح چمکتا رہتا ہے۔ اُس میں نہ حرص نہ حلاوت ہوتی ہے نہ حرص طعام، نہ حرص مال نہ حرص دنیا۔ نہ ہی اچھا کہلانے کی حرص۔ وہ تو اس ایک بات جانتا ہے کہ میں بڑا ہوں، دوسرے سب اچھے ہیں۔ میں سے لوگ کار ہوں، دوسرے سب لکے ہیں۔ ہر آدمی مجھ

Superior ہے اس لیے وہ قاطعی احترام ہے۔ اس مثبت سوچ کے بعد انسان سب کی عزت و احترام کرتا ہے اور متواضع ہو جاتا ہے۔ چونکہ وہ دوسروں کو اچھا سمجھ کر ان سے پیار کرتا ہے اس لیے ان کی خدمت کے لیے ہر وقت کمر بستہ رہتا ہے۔ وہ کسی کی غلطی پر گرفت نہیں کرتا۔ میں اپنے ماتحتوں سے ایک جملہ کیا کرتا ہوں۔

Don't point out the mistakes, correct them.

مثبت سوچ (Positive thinking) کے بعد انسان کسی کی غلطی کی Point out کرنے کے بجائے Correct کرنے لگتا ہے اور کہیں اس غلطی کا ذکر نہیں کرتا۔

اس طرح ایک طرف تو انسان کے رویے میں یہ ساری تبدیلی آتی ہے تو دوسری طرف اُس کے اندر رب کے لیے شکرگزاری اور احسان مندی کا جذبہ بڑھتا رہتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ رب میرا مالک ہے، بغیر مجھ سے کوئی توقع اور غرض رکھے مجھے پالتا ہے، میری حفاظت کرتا ہے، مجھے Look after کرتا ہے۔ جو اتنا عظیم ہے وہ یقیناً لائق عبادت ہے۔ جب انسان پورے جذبے اور دل سے رب کی عبادت کرتا ہے۔ اس جذبے اور رویے سے انسان کے اندر سوئی ہوئی قوتیں بیدار ہونے لگتی ہیں۔ تب وہ ایسی باتیں کرنے لگتا ہے جو دوسروں کے لیے باعث حیرت ہوتی ہیں لیکن سمجھ دار اور Guided لوگ ان بیدار قوتوں کو دیکھ کر ہنسنے نہیں کہ میں دلی اللہ بن گیا بلکہ وہ اصل خواہش اور منزل پر نظر رکھتے ہیں کہ مجھے رب چاہیے۔ جب اُن کی خواہش ہی رب ہوتا ہے تو وہ ان قوتوں کے بیدار ہونے سے Distract نہیں ہوتے۔ نہ یہ کہتے اور سوچتے ہیں کہ یہ مجھ میں کسی کمال قوتیں جاگ گئی ہیں کہ اب میں جو کہتا ہوں، پورا ہو جاتا ہے، جو سوچتا ہوں، وہ ہو جاتا ہے۔ نہ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ مجھ پر کتنی سختیاں آتی ہیں، فاقے سے رہتا ہوں یا خوش حالی میں۔ دنیا میرے ساتھ زیادتی کر رہی ہے یا احسان کا سلوک۔ ان سب باتوں سے بالاتر ہو کر اُس کی نظر صرف اس بات پر جمی ہوتی ہے کہ مجھے رب مل جائے، میرا رب مجھے اپنے قریب کر لے۔

اگر آپ نے ہم زاہد کو قابو میں کرتا ہے تو اس کے لیے آپ کو ان سب راہوں سے گزرتا ہوگا۔ سب سے پہلے اپنے اندر تبدیلی لائیں۔

بہت سے سادہ لوح، معصوم اور اچھے لوگ میرے بارے میں دھوکا کھا جاتے ہیں کہ شاید میں کوئی اچھا، نیک یا ملحد کھنڈہ والا انسان ہوں۔ اسی لیے وہ مجھ سے ولایت پر چلنے کا راستہ پوچھتے رہتے ہیں۔ میں اُن سے بھی یہی کہتا ہوں کہ صاحب! یہاں کام نہ کر لیجیے، کہ کوئی شخص آپ کی خواہ کتنی ہی جزیں کاٹ رہا ہو، توین کر رہا ہو نقصان پہنچا رہا ہو، آپ اسے بھی برا نہ سمجھیے۔

دوسرے قدم پر یہ سمجھیں کہ ساری دنیا مجھ سے بہتر ہے، سب انسان مجھ سے بہتر ہیں۔ وہ نیک ہیں میں بُرا ہوں، دُعاؤں سب سے خیر ہوں۔ اس سے اگلا قدم یہ ہے کہ میرا کسی پر کوئی حق نہیں لیکن سب کے حقوق مجھ پر ہیں اور مجھے وہ حقوق ادا کرنے ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ انسان کسی سے توقع نہیں رکھتا اور کسی سے کچھ مانگتا

نہیں اور خوفِ خدا کے تحت جب اسے دوسروں کے حقوق کی ادائیگی پڑتی ہے تو دوسروں کے حقوق قربانی کر بھی ادا کرتا ہے۔ جب انسان یہ سب کچھ Successfully کر لے گا تو پھر اس کے قدم پر ہر لمحہ اللہ کے ساتھ انگلو میں مصروف رہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جب انسان قاطعی طور پر رب کی طرف متوجہ ہو جائے گا تو سب بھی اُس کی طرف متوجہ رہے گا اور اُس پر عنایات کی بارش شروع ہو جائے گی۔ لیکن اس سلسلے میں یہ یاد رکھیے کہ یہ سب کہنا تو بہت آسان ہے لیکن پہلے ہی قدم پر انسان کو جھکے لگانا شروع ہو جاتا ہے جس سے اسے جانتے ہی ہو کہ یہ یاد رکھنا پڑتا ہے کہ یہ شخص مجھے جیسا سمجھتا ہے شاید میں ایسا ہی ہوں۔ یہ شخص مجھے کالی دے کر چلا گیا تو پھر اُس کا نہیں میرا ہے۔ یہ خاصا دشوار عمل ہے۔

جب آپ کو رب مل جاتا ہے اور اُس کا قرب حاصل ہو جاتا ہے تو پھر یہ بات آپ ہی کی ہے۔ بلکہ آپ کے کہنے سے پہاڑ بھی اپنی جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ شفٹ ہو جاتا ہے۔

سوال: سورہ یس کو قرآن پاک کا دل کیوں کہا جاتا ہے؟ سورہ یس کو روزانہ پڑھنے کی فضیلت کیا ہے؟

جواب: حدیث مبارکہ کے مطابق سورہ یس قرآن پاک کا دل ہے۔ ہم مسلمانوں کے لیے اتنی کالی ہے کہ چونکہ یہ آپ ﷺ کا فرمان ہے اس لیے غلط ہو ہی نہیں سکتا۔

سورہ یس کے فضائل میں عرض کر دیتا ہوں لیکن خدا کے لیے اس نیت سے نہ پڑھیے کہ سورہ یس کو کثرت سے پڑھا جائے تو رب انسان کو مصیبتوں اور مسائل سے نکال دیتا ہے۔

آپ اس سورہ کو یہ سوچ کر پڑھیے گا کہ یہ آپ ﷺ کو اتنی پسند ہے کہ آپ ﷺ نے اسے قرآن کا دل قرار دیا۔ اس طرح آپ کو اس سورہ کے فیوض تول ہی جائیں گے، اس کے ساتھ ساتھ مرثیٰ علی پر آپ کی عقیدت بھی رجسٹر ہو جائے گی کہ آپ نے اسے آپ ﷺ کی پسندیدہ سورہ سمجھ کر عبادت کیا۔

سوال: کشف القبور کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے؟

جواب: آپ کے گھر میں تین ملازم ہیں۔ پہلا ملازم کام بھی جانتا نشانی سے نہیں کرتا اور آٹے روڑت فی فرمائش بھی کرتا ہے۔ دوسرا ملازم تن دیں سے اپنے فرائض تو سرانجام دیتا ہے لیکن مقررہ وقت سے ایک منٹ بھی زیادہ ڈیوٹی کرنا پسند نہیں کرتا۔ تیسرا ملازم تنخواہ، وقت، حالات اور اپنی طبیعت کی پروا کیے بغیر آپ کی بے لوث خدمت اور آپ سے پیار کرتا ہے۔ ان تینوں میں سے آپ کو وہی ملازم ہونے کا جواب آپ کی محبت میں آپ کی خدمت کرتا ہے۔ اس لیے آپ اُسے Due ہے اُس سے زیادہ دیں گے۔ جب ہم رب کو محبت سے پکارتے ہیں تو ہمیں اس سے غرض نہیں ہوتی کہ اُس نے ہمیں کس حال میں رکھا، کیا دیا، کیا نہیں دیا، کون سی ضرورت وقت پر پوری ہوئی، کون سی ڈعا قبول ہوئی اور کون سی ڈعا قبول نہیں ہوئی۔

جب انسان بے غرض ہو کر محبت سے رب کو پکارتا ہے تو پھر اس پر رب کی طرف سے انعامات اور نعمتوں کی بارشیں ہوتی ہیں۔ اسی رحمتیں اور انعامات جو سنبھالے نہیں جاتے، لیکن اگر اُس نے یہ سچا کر رب کی

عبادت کی کہ جسے کشف القہر یا کشف فطنی حاصل ہو جائے تو پھر اسے کچھ نمل پایا۔ مگر انہی کو ہے جو رب کو
اس لیے پکارتے ہیں کہ وہ اس کے احسان مند بھی ہوتے ہیں اور اس سے پیار بھی کرتے ہیں۔

دخلف پڑھنے سے کشف القہر مل بھی گیا تو کیا حاصل ہو جائے گا۔ مثلاً اگر کسی شخص کو اس طرح کشف
القہر حاصل ہو جائے اور وہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ یا حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ جیسے بلند
مقام اولیاء اللہ کے مزار پر جا کر کھڑا ہو جائے اور اس دوران اس کی اُن سے ملاقات ہو بھی جائے تو اسے کچھ
کیا؟ کیونکہ وہ تو من و یکھے ہیں تو نہیں۔ اگر من میرے جیسا میلا ہے تو وہ کیا دیں گے! اگر وہ دے بھی دیں تو
وہ فطنی سنبھالے گا کیسے؟ جھولی سی چمیدار ہو تو عطا اس میں کہاں بٹھیرے گی۔

اہم یہ نہیں کہ کسی کو کشف القہر یا Over all کشف حاصل ہو جائے۔ اس سے تھوڑے عرصے کے لیے
دکان داری توجہ جاتے گی لیکن پھر اصلیت کھل کے سامنے آجائے گی۔ اس لیے میری گزارش تو یہی ہے کہ
بھائی! ان باتوں کا خیال چھوڑ دیجیے۔ کشف القہر، کرامات اور وظائف کو حاصل کر کے کیا لیتا۔ بس اس بات
پر نظر رکھ لیجیے کہ کس بجھے اپنا نالے۔ اسی میں سب کچھ آجائے گا۔

سوال: میں سورہ طہ کی طرح سے پڑھوں کہ میرا Confidence level بہتر ہو جائے۔

جواب: قرآن پاک کی کوئی سورہ پڑھنے کا کوئی خاص Procedure یا طریقہ نہیں۔ سیدھی سی بات ہے کہ
انسان قرآن پاک پڑھتا رہے۔

میری فطرت معلومت کے مطابق سورہ طہ پڑھنے سے Self-confidence build نہیں ہوتا البتہ
اگر اسے خالص محبت سے صرف اللہ کا کلام سمجھ کر تلاوت کیا جائے تو خاصے العلامات ملتے ہیں۔ یہ میری
General statement ہے۔ صاحب سوال اگر اپنا نام بتا دیتے تو ان کے لیے particularly عرض
کر دیتا۔ اگر سورہ طہ پڑھ کر اس کا سات روغ نماز تہجد کے بعد پڑھا جائے تو اس سے Self-
confidence بہتر ہو جائے گا جب کہ سورہ طہ پڑھنے سے جلال بہت آئے گا جس میں ہم پاکستانی پہلے ہی
Self-sufficient ہیں۔ اس لیے فطرت اور جلال کو مزید اکٹھا کر کے کیا لیں گے؟ بہتر تو یہی ہے کہ قرآن
پاک پڑھنے سے ہماری اندر فطرت اور گزشتہ کی صفت پیدا ہو جائے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حمیدہ میں بے حد
نمایاں مشیت رکھتی ہے۔ ہم برداشت، درگزر اور معاف کرنے کی خوبی اپنالیں۔ ہم بہت ہنس کر دوسروں
سے گفتگو کر رہے ہوتے ہیں لیکن جیسے ہی کوئی ہم پر تنقید کرتا ہے تو ہمارا رنگ ڈھنگ ہی بدل جاتا ہے۔ ہم اپنی
ذات پر ہونے والی تنقید کو خوش دلی سے برداشت کرنا سیکھ جائیں بلکہ اس تنقید کو قبول کر کے ہمیں اپنے آپ کو
Correct کرنا بھی آجائے۔

انسان میں Self-confidence تب آتا ہے جب اسے یہ پتا چلتا ہے کہ اس میں کچھ ہے۔ چاہے
وہ علم ہو، دولت، عہدہ یا جسمانی قوت۔ ہاتھ کی آنکھیں کھلنے سے فہم و فراست پیدا ہوگی، علم بڑھے گا جس سے
انسان کا Confidence بھی Build up ہو جائے گا۔

رب پر یقین

سوال: اسلام پر جب مشکل وقت آتا ہے تو فقیر کو درگاہ سے باہر لکھنا چاہیے جیسا کہ حضرت مجدد دہلی جی رحمہ اللہ
نے اکبر کے خلاف جدوجہد کی۔ اب جب کہ Kharji'ites نے اسلام کو بدلنے کی کوشش کی ہے تو
فقیر کیوں چپ ہیں؟

جواب: مجھے نہیں معلوم کہ اسلام کی شکل کہاں تبدیل کی جا رہی ہے اور جن کو آپ نے Kharji'ites کہا ہے وہ
کون ہیں۔

حضرت مجدد دہلی ثانی رضی اللہ عنہ کے دور میں اکبر اعظم نے نئے دین کی طرح ذوالی حقہ دین اکبری
کے نام سے اُن کے عقائد مشہور ہوئے۔ یہ اسلام کی کھلی تحریف تھی۔ اسلام میں ہر صدی کے بعد مجدد اور
ہزار سال کے بعد مجدد و کامل آتا ہے۔ حضرت مجدد دہلی ثانی رضی اللہ عنہ اسلام کے ظہور کے ایک ہزار سال بعد
آئے تھے وہ ایک Coincidence تھا یا پھر اللہ کے نظام میں طے شدہ بات تھی کہ اسلام کے ایک
Millennium بعد حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ میرے خیال میں اسلام کے مختلف
کامپ لکس میں فروغی معاملات تو ہیں لیکن تحریف نہیں ہے۔

فقیر اُسی وقت عملی جدوجہد اور جہاد کرے گا جب بڑے پتے پر تحریف ہوگی۔ اگر کہیں ایسی تحریف ہو
رہی ہے یا اسلام کا چہرہ بگاڑا جا رہا ہے تو صاحب سوال اس حوالے سے تصدیقات سے آگاہ کر کے میری
معلومات میں اضافہ کریں میں شکر گزار ہوں گا۔ سوال کے دوسرے حصے کا جواب بھی عرض کروں کہ حضرت
مجدد دہلی ثانی رضی اللہ عنہ مجدد و کامل کے مقام پر فائز تھے۔ اگر کوئی جدوجہد کے لیے لکھ گا تو فقیر ہی لکھے
گا۔ میں کہاں سے آؤں گا۔

سوال: ہم اللہ پر بھروسہ کرنا کیوں نہیں سیکھ پاتے؟ جب ہم جانتے ہیں کہ رب سب جانتا ہے تو ہم اس کو مانگے
اور اللہ پر بھروسہ کرنے کے لیے خود کو Tame کیوں نہیں کرتے؟ ہم مثلاً صاحب پتو بھروسہ کرتے
ہیں مگر اللہ پر نہیں۔ ایسا کیوں؟

جواب: آخری بات جو آپ نے فرمائی، یہ وہی ہے جو میں اکثر و بیشتر اپنے پاس آنے والوں سے عرض کیا کرتا
ہوں کہ ہم اللہ کے ایک بندے پر تو اندھا یقین رکھتے ہیں، رب پر بھروسہ کیا کیوں کر لیجئے۔ رب پر بھروسہ

کرنے سے اپنے جیسے دپ کے محتاج بندوں کے پاس جاتے سے ہماری جان چھوٹ جاتی ہے لیکن میری یہ بات کسی کو پسند نہیں آتی۔

ہم اللہ پر بھروسہ کرتے کیوں نہیں سیکھ جاتے؟ ماننے اور بھروسہ کرنے کے لیے خود کو Tame کیوں نہیں کر لیتے؟

اس کی کئی Psychological reasons ہیں۔ جب قومیں Transition میں ہوتی ہیں، ان کی سوچ اور رویوں میں تبدیلی آ رہی ہوتی ہے، ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف ان کا سفر جاری ہوتا ہے تو چونکہ کوئی بھی شے جو Transition میں ہو وہ فوراً Attacks کے لیے Vulnerable ہو جاتی ہے اس لیے جب قومیں Transition میں ہوتی ہیں تو کسی زمانے میں جو چیزیں ہمیں غیر اخلاقی معلوم ہوا کرتی تھیں وہی ان میں در آتی ہیں۔ ہم میں غلامی سے آزادی کی طرف Transition ہوئی ہے۔ آزادی حاصل کیے ہوئے ایک لمبا عرصہ گزر گیا لیکن اس کے باوجود وہ Transition ابھی تک مکمل نہ ہو سکی۔ اس Transition کے نتیجے میں ہمارے رویوں میں ایک Major shift آیا ہے۔ اگر ہم کتابوں میں پڑھیں تو ہمارے رویے 1947ء سے پہلے مختلف تھے۔ ان میں اسلام کی جھلک تھی، باہمی محبت، بھائی چارہ، رواداری، ایک دوسرے کا احساس اور خیال تھا۔

اسلام اپنے عقائد کے بارے میں ظاہر بہت جذباتی نہیں لیکن اندر سے اس کے بیشتر احکامات پر عمل کرنے والی یہ قوم ایک جنرل شفٹ کا شکار ہو گئی، ہم بہت زیادہ Materialistic (مادی پسند) ہو گئے۔ ہمارے اندر صبر و انتظار ختم ہو گیا۔ ہم سب منع میرے یہ چاہتے ہیں کہ جو نئی دل میں خواہش پیدا ہو وہ فوراً کسی بھی قیمت پر پوری ہو جائے۔ میں چاہتا ہوں مجھے مال و دولت حاصل ہو جائے اور اس سلسلے میں مجھے حلال و حرام سے کوئی غرض نہیں۔ میرے آگے بڑھنے کے Process میں دوسروں کی حق تلفی ہو رہی ہے یا میں ان کے لیے بہتر ثابت ہو رہا ہوں، مجھے اس سے غرض نہیں۔ میرے سر پر بس ایک ڈھن سوار ہے کہ مجھے آگے بڑھنا ہے خواہ Elbow کے زور پر ہی کیا۔ ہمارے رویوں کا یہ Shift ٹھیک ہو جائے گا۔ اس میں مایوسی اور پریشانی کی بات نہیں۔ یہ Test سب قوموں کی زندگی میں آیا کرتا ہے۔ West جو آج اپنے آپ کو انسانی حقوق کا علمبردار اور انسانیت کا سب سے بڑا دعویٰ دار قرار دیتا ہے اس کی تاریخ بھی یہی بتاتی ہے کہ آج سے ڈھائی سو سال پہلے وہاں نہایت Law of jungle (جنگل کا قانون) Rule (راج) کرتا تھا۔ لیکن Gradually شفٹ آ گیا، رویے بدلتے گئے اور آج وہ لوگ کلی حد تک نہ سہی لیکن بڑی حد تک قانون کے پاس آ رہے ہیں خواہ ظاہر اسی نہیں۔

تو اس لیے ایک بات باعظمت اطمینان ہے کہ آج سے سات سو سال پہلے ہم لوگوں کے لیے روشنی کا منبع تھے۔ پھر اپنی تاریکیوں اور اندھنوں سے ہم رفت رفتہ اندھیروں کی طرف آ گئے۔

West میں جو زبانیں بولی جاتی ہیں ان میں ہم Left سے Right کی طرف کہتے ہیں۔ یہ شک ہے

دینی کی طرف سفر ہے۔ East میں رائج زبانیں Right سے Left کی طرف کہتی ہیں۔ یہ یقین سے ملک کی طرف سفر ہے۔ یہی ہماری History میں ہے کہ ہم عربوں کی طرف تھے۔ عربوں سے زوال کی طرف آئے۔ West جہات میں تھا۔ اس کا سفر جہات سے علم کی طرف ہو۔

کسی کے Character (کردار) کا اندازہ لگانا تو اس کی تحریر دیکھئے۔ اگر وہ غیر Conscious ہوئے روانی سے انگریزی لکھتا ہے، اور Alphabets مکمل لکھتا ہے، اس میں غلطیاں نہیں تو سمجھ لیجئے کہ وہ شخص آپ کے رازوں کی حفاظت کرے گا۔ جس شخص کی تحریر میں غلطیاں ہوں بہت چھوٹے ہوں وہ شخص ہمیشہ جنگ دلی اور کینوسی کی طرف مائل ہوگا۔ جس شخص کی تحریر کے حروف ساکڑ میں بے ترتیبی ہو سکالوں کا مالک ہوگا۔ جس آدمی کی تحریر Right کی طرف Tilt (جھکی) کرتی ہے وہ Progressive ہوگا اور ہمیشہ اوپر جانے کی کوشش کرے گا۔ جن لوگوں کی تحریر Left کی طرف Tilt کرتی ہے وہ Introvert ہوتے ہیں۔ جن کی تحریر بالکل سیدھی ہو وہ Conservative ہوتے ہیں۔ اپنے اصولوں سے جلدی نہیں کرتے۔

یہ بہت وسیع Subject ہے۔ اسی طرح دستخط دیکھ کر انسان کی Personality بالکل Clearly سامنے آ جاتی ہے۔ کچھ لوگوں کے Signature بہت Neat اور Uniform ہوتے ہیں جیسے قائد اعظم کے۔ یہ لوگ بہت با اصول، ایمان دار اور اندر باہر سے ایک ہوتے ہیں۔ کچھ لوگوں کے Signature دیکھ کر لگتا ہے کہ جسے ڈور میں بل پڑے ہوں۔ یہ بہت پیچیدہ شخصیت اور منتشر خیالات کے مالک ہوتے ہیں۔ Straight سوچ نہیں رکھتے۔ کسی شخص کے Signature میں اگر تین چار جگہ "ا" آیا ہے اور ان تین چار "ا" کا فاصلہ یکساں ہے تو وہ شخص ایمان دار ہوگا اور زندگی میں Balance رکھے گا۔ یہ بڑا دلچسپ Subject ہے، اس سے انسان کی شخصیت سامنے آ جاتی ہے۔

چاہے سب تو بریکل تذکرہ تھا۔ اصل میں ہم بات کر رہے تھے کہ ہم اللہ پر بھروسہ کرتے کیوں نہیں سیکھ پاتے؟ ہم میں تبدیلی یہ آئی کہ ہم Materialistic ہو گئے اور جلد بازی کا شکار بھی۔ ہم اپنی اس جلد بازی کی ملامت کے ہاتھوں مجبور ہو کر سر پر آتی ٹرین کے باوجود اندھا دھند رویے سے کراسنگ عبور کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر کراسنگ کے اس پار اس فرصت اور تسلی سے مداری کے کرتب دیکھنے لگتے ہیں جیسے دنیا میں ہمیں کسی کام کی جلدی نہ ہو۔

آپ یہ دیکھنا چاہیں کہ ہمارے پاس غیر ضروری کاموں کے لیے کتنا وقت ہے تو آسمانی سڑک پر کھڑے ہو کر آسمان کی طرف دیکھنا شروع کر دیں۔ ایک ہی منٹ بعد آپ دیکھیں گے کہ دو چار اور آدھی گھنٹے سے دو گھنٹے تک کی طرف دیکھنے لگے ہیں۔ دس منٹ تک اگر آپ یہ فعل جاری رکھیں تو لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو آسمان کی جانب دیکھتا پائیں گے۔ اگر آپ آزمانے کے لیے ان میں سے کسی سے پوچھ لیں "بھائی آسمان پر کیا کچھ ہے؟" تو وہاں موجود ہر شخص ایک ہی جواب دے گا۔ "مساب ابھی نہیں معلوم۔ یہ لوگ دیکھ رہے تھے تو میں بھی دیکھنے لگا۔"

ہمارے رویے ایسے ہی عجیب و غریب ہیں لیکن مایوسی کی بات نہیں۔ یہ وقت گزر جائے گا۔ پھر ہم انشاء اللہ
اُن رویوں کی طرف چلے جائیں گے جو مسلمانوں کا طرہ امتیاز ہیں۔ کچھ عرصے میں انشاء اللہ معاملات ٹھیک ہو
جائیں گے۔

ہمارے اور بھروسہ کرنے کے لیے ہم اپنے آپ کو Tame کیوں نہیں کرتے؟

میرے مذہب میں تو یہ لکھا ہے کہ دوسرے سب صحیح ہیں، میں غلط اور سیاد کار ہوں۔ دوسرے
درست کام کرتے ہیں میں غلطیاں کرتا ہوں۔ میری انگلی دوسروں پر نہیں، اپنی ذات پر اٹھنی چاہیے۔ اگر میں
اتحاد دانش و ادب خود شناس ہوتا اور مجھے ادراک ہو جاتا کہ میں رب تعالیٰ پر بھروسہ نہیں کرتا، مجھے یہ ادراک ہو
جاتا کہ میں خود کو Tame نہیں کر سکتا تب میں یہ سمجھتا کہ معاشرے کو درست کرنے کا سب سے آسان طریقہ
یہ ہے کہ میں خود کو درست کر لوں۔

جب ہم میں سے ہر انسان اپنی ذات پر انگلی اٹھانے لگے گا اور اپنی ہی ذات کی خامیوں پر نظر رکھ کر
انہیں درست کرنا چاہے گا تو یہ تو م راتوں رات ٹھیک ہو جائے گی۔

ہم یہ نہ دیکھیں کہ دوسرے خود کو Tame نہیں کر رہے۔ ہم اپنے آپ کو Tame کر لیں۔ ایک
Trainer سفین کو دے Management کی دنیا میں بہت مشہور ہوئے۔ اُن کی کتاب Seven
Habits کی ڈیزھ کروڈ Copies چھپتے ہی فروخت ہو گئیں۔ اس کتاب نے انہیں وہ شہرت اور عروج دیا جو
اُن کے بعد آنے والی کتابوں "Eight Habits" اور "Leadership" کے حصے میں بھی نہ آ سکا۔

سفین کو دے نے اپنی کتاب "Seven Habits" میں خود اگلی کی تعریف کرتے ہوئے کہا:
"جب انسان کو یہ ادراک ہو جائے کہ سوچ کا ٹول کیا ہے اور اُس کا رد عمل کیا ہے تب وہ خود اگلی کے
مقام پر ہوتا ہے۔"

میں اس تعریف سے مکمل طور پر اتفاق نہیں کرتا کہ سفین کو دے جس بات کو React کرنا کہتا ہے
میرے نزدیک وہ Act ہے۔ اس کو یوں واضح کیا جاسکتا ہے کہ اگر ہمیں یہ سمجھ آ جائے کہ ہم کیا سوچتے ہیں؟
کیسے سوچتے ہیں؟ کیوں سوچتے ہیں؟ پھر اُس سوچ کے پیدا ہونے کے بعد جب ہم بقول سفین کو دے
React (اور میرے مطابق Act) کرتے ہیں تو یہ کتنی سلیج جائے گی۔

اگر ہم میں سے ہر آدمی دعا کرنے والے کے پاس جانے سے پہلے یہ سوچ لے لے کہ میں اُس مقررہ کے
پاس کیوں جا رہا ہوں؟ دعا کیا ہے؟ پھر اُس سوچ کے بعد اپنے عمل پر نظر رکھتے تو یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ پھر آپ
کسی دعا کرنے والے آدمی کے پاس نہیں جائیں گے بلکہ رب کی طرف رجوع کریں گے۔

سفین کو دے نے طے کے مضمرات سمجھانے کے لیے بھی بہت کمال کی مثال دی ہے۔ ایک روز اُس
نے اپنے ایک شاگرد کو منرل واٹر کی بوتل دے کر کہا کہ اسے پانچ منٹ تک خوب Shake کر دو اور پھر اس کا
دھکن کھولو۔ جب شاگرد نے پانی کی بوتل کو Shake کرنے کے بعد دھکن کھولا تو اُس میں کوئی تبدیلی نہیں

آئی تھی سوائے اس کے کہ اُس میں چھوٹے چھوٹے چند بلبلے دکھائی دے رہے تھے۔ اس کے بعد سفین
کو دے نے اپنے شاگرد کو Pepsi کی ایک بوتل دیتے ہوئے ہدایت کی کہ صرف دو منٹ Shake کر لے
کے بعد اس کا دھکن کھولو۔ جب شاگرد نے ایسا کیا تو Pepsi بہت پریش کے ساتھ باہر جا گری۔ حتیٰ کہ
اُس کے چھینے پاس بیٹھے سنوڈش کے کپڑوں کو بھی داغ دار کر گئے۔ سفین کو دے نے شاگرد کو منرل واٹر کی بوتل
دہرائے تو کہا۔ شاگرد نے Pepsi کی بوتل بند کر کے اسے دوبارہ Shake کیا اور ایک دم یوں ہی دھکن کھولا تو
Pepsi کا پہلے جیسا ہی Reaction تھا۔

تب سفین کو دے نے اپنے شاگرد سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ منرل واٹر کی بوتل اور Pepsi کی بوتل
دونوں کو مینز پر رکھ دو۔ جب Pepsi کی بوتل میں اُس نے دالے بلبلے Settle down ہو گئے تو اُس نے کہا کہ
اب اُن دونوں بوتلوں میں مائع کی مقدار دیکھو۔ منرل واٹر کی مقدار وہی رہی جب کہ Pepsi کی مقدار
نصف رہ گئی۔

اسی طرح جب انسان کو غصہ آتا ہے تو وہ اپنا آپ گنوا دیتا ہے۔ وہ اپنے بہت سے خیالات اور جذبات
Pepsi کی بوتل کی طرح اُگل کر ضائع کر دیتا ہے حتیٰ کہ بار بار غصے سے وہ Shallow ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر
انسان منرل واٹر کی بوتل کی طرح اپنے اندر ٹھہراؤ پیدا کر لے خواہ کیسے ہی حالات ہوں Jolts اور
Shocks کتنے ہی شدید کیوں نہ ہوں انسان اپنی جگہ پر قائم و دائم رہے۔ اللہ پر اپنے بھروسے کو متزلزل نہ
ہونے دے اور کسی صاحبِ دعا کے پاس جانے کے بجائے رب پر ہی بھروسہ کرے۔ یہی رویہ اپنا کر انسان
خود کو اللہ پر مکمل بھروسہ کرنے کے لیے Tame کر سکتا ہے۔

مضمون اوجوا احساس مجھے اور آپ کو صاحبِ دعا کے پاس لے جاتا ہے وہ یہ ہے کہ میرا کام نہیں ہو رہا اگر
ہمارا ایمان پختہ ہے کہ رب کی طرف سے ہر کام کا وقت مقرر ہے جو اپنے مقررہ وقت پر ہو جائے گا۔ تب ہم
منرل واٹر کی بوتل کی طرح اپنی جگہ قائم و دائم رہیں گے۔ ہمارے اندر اُبال نہیں آئے گا۔ ہمیں کسی صاحبِ دعا
کے پاس جانے کی ضرورت نہیں رہے گی بلکہ ہم اُس مقررہ وقت کا عبور تحمل سے انتظار کریں گے۔

یاد رکھیے اکثر اکٹھی بھوکا نہیں مرتا۔ وہ اس انتظار اور یقین میں رہتا ہے کہ کبھی کبھی تو میرے قریب آئے
گی۔ پھر جیسے ہی کبھی اُس کی زبان کی Range میں آتی ہے وہ وہیل فی گھنٹہ کی رفتار سے زبان باہر نکال کر نکلیں
پر جھپٹتا اور اُسے نگل لیتا ہے۔

اگر ہم اس یقین کے ساتھ انتظار کریں کہ ہمارے ہر کام کا وقت مقرر ہو چکا اور وہ اُس مقررہ وقت پر ہو
جائے گا تب رب ہماری خواہشات سے بھی بہتر کر دے گا کیونکہ وہ بہت مہربان ہے۔ جب ہمیں کسی صاحب
دعا کے پاس جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی بس تھوڑا سا اپنے رویوں کو Develop کرتے کی
ضرورت ہے۔

اگر آپ کو صاحبِ دعا کی ذاتی زندگی دیکھنے کا اتفاق ہو جائے تو آپ کاغذ کو ہاتھ لائیں گے۔ جتنے بھی

اولیائے کرام گزر رہے ہیں ان کے ساتھ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو کام ایک دن میں ہو سکتا ہے ان کے دین کام سالوں میں ہوتے ہیں۔ اللہ اپنے دوستوں کو طرح طرح کے چھٹکے دیتا ہے۔ مثلاً اگر کسی فقیر نے غلطی سے اپنے گھر میں کھدایا کہ آج میرا دل فلاں چیز کھانے کو چاہ رہا ہے تو وہ چیز گھر میں پک تو جائے گی لیکن میں وقت پر یا تو مہمان آجائیں گے جن کو وہ کھانا کھلا دیا جائے گا یا فقیر کو کہیں جانا پڑ جائے گا۔ وہ اپنی پسندیدہ چیز نہیں کھا پائے گا۔ اسی طرح اگر اسے کوئی چیز پسند آ گیا تو رب اسے وہ چیز خریدنے تو دے گا لیکن جب وہ سوٹ مل کر آئے گا تو استری سے جل جائے گا یا اس پر کوئی چیز گر جائے گی۔ یوں وہ لباس ضائع ہو جائے گا۔ فقیر کو اگر کوئی جوتا پسند آ جائے تو کبھی ایک ایک سال تک وہ Colour یا سائز نہیں ملے گا۔ جب وہ جوتا ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس Point پر آ جائے گا کہ رب سے کہے گا "ٹھیک ہے نہیں لینے دیتا جو تونے لینے دے، میں اب ننگے پاؤں ہی پھریں گا۔" تو ایک کے بجائے تین تین جوتے مل جائیں گے۔

رب تعالیٰ فقیروں کے ساتھ ایسے کھیل کھیلتا ہی رہتا ہے لیکن وہ پھر بھی مسکراتے اور سیٹی بجاتے پھرتے ہیں۔ اگر ہم اپنے اندر سے یہ دو چیزیں ختم کر دیں کہ جو انتظار اور صبر ختم ہو گیا ہے اسے واپس لے آئیں اور دوسری یہ بات یاد رکھیں کہ ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے اور اسے اپنا مقررہ وقت پر ہی ہونا ہے، تب ہمیں کسی دغا کرنے والے کے پاس جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

سوال: سائنس کے نظریہ Big Bang اور قرآن کے نظریہ تخلیق کائنات میں کیا مطابقت اور مشابہت ہے؟
جواب: سائنس تخلیق کائنات کو ایک حادثہ مانتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ کسی وجہ (وجہ بیان کرنے سے سائنس قاصر ہے) سے ایک عظیم دھماکا Big Bang ہوا جس کے نتیجے میں مختلف چیزیں بکھریں اور Principle of gravity کے تحت فضا میں گردش کرنے لگیں۔ یوں یہ کائنات، سورج، چاند، ستارے، زمین وغیرہ وجود میں آ گئے۔ ایک دوسرے کی کشش ثقل سے فراور اور اپنی اپنی کشش کے تحت یہ اپنے اپنے Orbit میں گھومتے رہتے ہیں۔

چونکہ یہ محسوس ہے ہیں اس لیے Centrifugal force کے ذریعے ان میں ایک دوسرے سے دُور رہنے (To get away from each other) کی Tendency ہے۔ جب کہ Gravitation force ان کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ یوں Centrifugal force اور Gravitational force برابر (Equal) ہوتی ہیں جس کی وجہ سے یہ کائنات Orbit پر قائم ہے۔ قرآن کہتا ہے جب کچھ نہیں تھا تو رب تھا، اس کے فرشتے تھے۔ رب نے چاہا کہ میں کائنات تخلیق کر دوں۔ اس نے "مُکُنْ" کہا اور یہ کائنات وجود میں آ گئی۔ یہ حادثہ نہیں ہے کہ تمام Planets اپنے اپنے مقررہ راستے پر گھوم رہے ہیں بلکہ یہ اس Delicate balance کے نتیجے میں گھوم رہے ہیں جو رب تعالیٰ نے قائم کیا ہے البتہ قیامت کے روز یہ آپس میں ٹکرا جائیں گے۔ رب کے ہاں اس کا وقت مقرر ہے۔

سائنس اور قرآن کے نظریہ کائنات میں بنیادی فرق یہ ہے کہ سائنس اسے حادثہ کہتی ہے۔ رب کہتا ہے یہ میری مرضی اور حکم ہے۔

مشابہت یہ ہے کہ سائنس بھی مانتی ہے کہ یہ اپنے اپنے مدار میں گردش کر رہے ہیں، ایک دوسرے سے ٹکراتے نہیں نہ ایک دوسرے سے دور ہتے ہیں۔ رب بھی یہی کہتا ہے کہ میں نے انہیں ایک مقررہ راستے پر قائم کر رکھا ہے اور یہ اس میں چلتے رہتے ہیں۔

یہ جو میں Centrifugal force اور Gravitational force کی بات کر رہا تھا اس کو ہوائی جہاز کی مثال کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے۔ جب ہوائی جہاز ہوا میں کھڑا ہو تو زمین کی Gravitational force اسے اپنی طرف کھینچتی ہے۔ جیسے کوئی بھی چیز اگر فضا میں چھوڑ دی جائے تو وہ نیچے زمین پر آ جاتی ہے۔ جہاز کو بھی اصولی طور پر نیچے آ جانا چاہیے۔

انسان نے جب ہوائی جہاز بنانے پر غور و فکر کیا تو اس نے پرندے سے Idea لیا کہ کس طرح وہ طیر کی ہمارے کے ہوا میں معلق رہتا ہے۔ غور کرنے پر پتا چلا کہ پرندہ ہوا میں اُڑتے وقت اپنے Wing (پن) کی پوزیشن تبدیل کرتا رہتا ہے جس سے اس کی اُڑان میں تبدیلی آ جاتی ہے۔

پرندے کو Study کرنے کے بعد انسان نے ہوائی جہاز کے Wing بنائے۔ جب جہاز رن وے پر دوڑتا اور سپینڈ Gather کرتا ہے تاکہ اس کے پروں کے نیچے اور اوپر ہوا کا ایک خاص رفتار سے Flow آ جائے تو پائلٹ ہوائی جہاز کو زمین سے اُٹھانے کے لیے اندر سے Flaps کو Lower کر دیتا ہے تب نیچے Wing کے اندر سے Flaps باہر کو نکلتے ہیں، کاک پٹ میں ان کی ڈگریز Mark ہوتی ہیں۔ جیسے Fifteen degree، Seven degree یا Forty-five degrees پر وہ ان کو Lower کر رہا ہے۔ جہاز کے دوڑنے سے سانسے سے انجن کے زور پر ہوا آتی ہے۔ پائلٹ نے جو Flap قدرے نیچے (lower) کیا ہوتا ہے اس سے ٹکرا کر یہ ہوا Wing کے نیچے اکٹھی ہو جاتی ہے۔ اوپر سے جو ہوا گزر رہی ہوتی ہے وہ Wing کو نیچے کو دبا رہی ہوتی ہے۔ Flap کے نیچے آ جانے سے جب یہاں ہوا بڑا دھماکا اکٹھی ہو جاتی ہے تو وہ ہوا اوپر سے دبانے والی ہوا سے زیادہ طاقتور ہو جاتی ہے یوں جہاز ہوا میں اُٹھ (Lift) ہو جاتا ہے۔ جب وہ اوپر چڑھ رہا ہوتا ہے تو وہ Flaps کو Lower حالت میں رکھتا ہے۔

Wing کے نیچے سے جو ہوا اُسے اوپر کو Lift کر رہی ہوتی ہے اسے Aviation کی زبان میں "Lift" کہتے ہیں اور اوپر سے جو ہوا Wing کو دبا رہی ہے اسے Drag کہتے ہیں۔ پائلٹ Lift کو Drag سے بڑھا لیتا ہے۔ یہ سب انسان نے پرندے سے سیکھا۔

اسی طرح پرندے کو مڑنا ہوتا ہے جس سمت میں مڑنا ہو اس حساب سے اس کی دم کی پوزیشن تبدیل ہو جاتی ہے۔ اب ہوتا یہ ہے کہ جب پرندہ اُڑ رہا ہوتا ہے۔ تو وہاں ہوا کا Flow ہوتا ہے۔ یہ Flow اس کی دم کی اٹھی ہوئی سائیز کو دباتا ہے اور یوں وہ پرندہ دوسری سمت میں مڑ جاتا ہے۔ جہاز میں ریڈار تاکہ Exactly اسی Principle (اصول) پر اس سے کام لیا گیا۔

سیاروں کے Space میں معلق ہونے کے پیچھے بھی یہی اصول کار فرما ہے۔ جس طرح Lift Drag میں تبدیلی آنے سے جہاز اوپر اُٹھے گا یا نیچے کو آئے گا جب کہ ان کے equal ہے۔ جہاز Level ٹائٹ میں رہتا ہے۔

اسی طرح سیاروں کی Centrifugal force اور Gravitational force کے Equal ہونے سے سیارے اپنے اپنے Orbit میں قائم ہیں۔ آپ بڑا پتھر کسی رسی سے باندھے اور اُسے پکڑ کر گھمائیے۔ ابتدا میں وہ پتھر زمین کی طرف لٹک رہا ہوگا لیکن جوں جوں گھماتے جائیں گے وہ Lift ہونا شروع ہو جائے گا۔ حالانکہ پتھر کو اٹھانے (Lift) والی کوئی چیز نہیں۔ دراصل یہ Centrifugal force ہے جو اُسے دُور پھینک دینا چاہتی ہے لیکن چونکہ رسی اس گھومتے پتھر کو تھامے ہوئے ہے اس لیے یہ پتھر اپنے مدار میں گھومتا رہتا ہے۔ لیکن جوئی آپ اپنے ہاتھ کی طاقت کم کر کے رفتار آہستہ کریں گے وہ پتھر Lower ہونا شروع ہو جائے گا۔ تو یہی ایک مشابہت ہے۔ رب نے بھی فرمایا کہ میں نے Planets کو میزان پر قائم کیا ہے۔ وہ میزان یہی ہے کہ ہر Planet کے لیے Centrifugal force اور Gravitational force برابر (Equal) ہے جس کی وجہ سے ہر Planet اپنے اپنے Orbit (مدار) میں گھومتا رہتا ہے۔

سوال: واقعہ معراج کی تشریح سائنس و عقل سے کیسے کی جاسکتی ہے؟ روشنی ایک سیکنڈ میں تین لاکھ کلومیٹر اور ایک سال میں نو کھرب کلومیٹر کا فاصلہ طے کرتی ہے۔ سائنس کے مطابق ہماری کائنات کا سائز روشنی کے تقریباً 15 کھرب میل پر مشتمل ہے۔ سائنس ابھی پہلے آسمان تک رسائی حاصل نہیں کر سکی۔ پہلا آسمان سائنس کے دریافت کردہ آسمان سے کھربوں میل اُد پر ہے۔ آپ سنیقہ عظیم رات کے کچھ حصے میں زمین سے لے کر ساتویں آسمان پر جا کر واپس آگئے۔ اگر آپ سنیقہ عظیم کی رفتار روشنی کی رفتار کے برابر یا اس سے تیز بھی ہوتی تو بھی آپ سنیقہ عظیم کو ساتویں آسمان پر جانے اور واپس آنے میں کھربوں برس کا وقت درکار تھا۔ سائنسی نقطہ نظر سے سفر معراج کی وضاحت فرمادیجیے۔

جواب: تھوڑی سی Correction کر لیجیے۔ آج سے چھ سات سال پہلے تک یہ بات بالکل درست تھی کہ روشنی کی رفتار سب سے زیادہ ہے۔ پھر سائنس دانوں نے وہ Rays دریافت کر لیں جن کی رفتار روشنی سے ڈیڑھ گنا زیادہ ہے۔ یہ ابھی ابتدا ہے لیکن یہ Milestone یہ Prove کر دیتا ہے کہ کائنات میں روشنی سے بھی کم گنا زیادہ تیز سفر کرنے والی Rays موجود ہیں۔ وہ دان دُور نہیں جب یہ ثابت ہو جائے گا کہ روشنی سے کئی لاکھ گنا تیزی سے Travel کرنے والی Rays بھی موجود ہیں جو رب کی تخلیق کردہ ہیں۔ تب سفر معراج کی حقیقت بھی واضح ہو جائے گی۔

اس کی ایک مثال آپ کو یہ دینا ہوں کہ ابدال روحانیت کا بڑا Early stage ہے۔ ہر فقیر اس سے گزرتا ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں مختلف جگہوں پر دیکھا جا رہا ہوتا ہے۔ برازیل میں ایک ایسی چیونٹی کا پتا چلا جس پر 25 سال پہلے تجربہ بات ہونے کے بعد یہ ثابت ہوا کہ باوجود رکاوٹوں کے یہ ایک سے دوسری جگہ شفٹ ہو جاتی ہے۔ سائنس دانوں نے شیشے کا ٹیکر لے کر چیونٹی کو رنگ کرنے کے بعد اُس میں رکھ دیا اور اُس کا مشاہدہ کرنے لگے۔ اُن کے دیکھتے ہی دیکھتے ہی وہ چیونٹی ٹیکر سے غائب ہو گئی اور کچھ فاصلے پر موجود ایک میز پر پائی گئی حالانکہ ٹیکر میں کھنکولی سو رانچ نہیں تھا۔

سائنس دانوں نے یہ تجربہ بار بار کیا اور ہر بار یہی نتیجہ نکلا۔ اس پر Paper لکھے گئے۔ سائنس میں Presentations میں حتیٰ کہ اس تھیوری کو تسلیم کر لیا گیا۔ ابدال کا قصہ اس چیونٹی نے Prove کر دیا کہ جب ایک چیونٹی ایک جگہ شفٹ ہو سکتی ہے تو انسان تو زمین پر رب کا نائب اور عظیم ہے۔ اسن تقویم ہے۔ وہ بھی ایک وقت میں مختلف مقامات پر موجود ہو سکتا ہے اور آپ سنیقہ عظیم تو اس کا انجیلہا۔ محبوب ہیں۔ آپ سنیقہ عظیم بھی جسمانی طور پر عرش بریں پر شفٹ کیے جاسکتے ہیں۔ چچ کر Exist کر گئی ہیں۔ ایک روز سائنس یہ حقیقت بھی دریافت کر لے گی۔

عمل سے زندگی

ہم زندگی میں وسائل کم ہو جانے کے خدشے کا شکار رہتے ہیں۔ گزشتہ 30 سال سے ہم میں یہ تبدیلی آہستہ آہستہ آئی ہے کہ ہم فاقہ اور بھوک سے بہت ڈرتے ہیں۔ اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ ہم کسی بھی ایسے ٹھکانے پر چلے جائیں جہاں اللہ کا کوئی نیک بندہ خلق خدا کے لیے دعا کر رہا ہو، وہاں اگر ہم خاموشی سے کونے میں سر نیچے ڈال کر بیٹھ جائیں اور لوگوں کے سوال (جو وہ صاحب دعا سے کرتے ہیں) سنیں تو ان سوالوں کے بیک گراؤند میں یہی خدشہ طے گا کہ کہیں میرے وسائل کم تو نہیں ہو جائیں گے، چھن تو نہیں جائیں گے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ آپ ﷺ جن کے ہم امتی بھی ہیں اور عاشق بھی نے کبھی مسلسل تین دن روٹی میسر نہیں ہوتی تھی۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے کبھی مسلسل تین دن پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ (شمائل ترمذی)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کی وفات تک حضور ﷺ کے اہل و عیال نے مسلسل دو دن کبھی جو کی روٹی سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ (شمائل ترمذی)

مختلف مواقع پر آپ ﷺ کے فرامین کا مفہوم ہے کہ بھوکا پیٹ اللہ کی قربت اور معرفت کا باعث بنتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی فرمایا تھا کہ بھوکا رہ کر رب کی معرفت حاصل ہوگی۔ ایک بلند پایہ ولی اللہ کا قول ہے "میں یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ رات کو ایک نوالہ کم کھاؤں بجائے اس کے کہ میں ساری رات نماز پڑھتا رہوں۔"

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے جس کا مفہوم ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "پیٹ کے ایک تہائی حصے کو کھانے سے بھر دو ایک تہائی کو پانی سے جب کہ ایک تہائی کو خالی رکھو۔"

ترمذی وہ ابن ماجہ نے مقدمہ ام بن معد کرب سے روایت کی، کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ "آدمی نے پیٹ سے زیادہ اونٹنی برتن نہیں بھرا۔ ابن آدم کو چند لقمے کافی ہیں جو اس کی پیٹھ کو سیدھا کر دیں۔ اگر زیادہ کھاؤ ضرر دیتی ہو تو تہائی پیٹ کھانے کے لیے اور تہائی پانی کے لیے اور تہائی سانس کے لیے۔" (سنن الترمذی، کتاب البر، باب ما جاء فی کراهية كثرة الاكل، حدیث 2387، ج 4، ص 168)

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا "جو پیٹ بھرا ہوا ہو اس سے معرفت کا نور نکل جاتا ہے۔" اگر ہم آپ ﷺ کی زندگی دیکھیں تو وہاں نہ صرف وسائل انتہائی کم دکھائی دیتے ہیں بلکہ لوگوں کی طرف سے شک کیا جاتا بھی بہت فراوانی سے نظر آتا ہے۔ جس چیز سے ہم خوف زدہ رہتے ہیں وہی ہمیں آپ ﷺ کی زندگی میں نہ صرف کثرت سے نظر آتی ہے بلکہ آپ ﷺ نے اس سے بڑھ کر کیا آپ ﷺ اکثر و بیشتر نماز کے بعد یہ دعا فرمایا کرتے "یا اللہ! مجھے قیامت کے روز مساکین میں سے آپ ﷺ اکثر و بیشتر نماز کے بعد یہ دعا فرمایا کرتے "یا اللہ! مجھے قیامت کے روز مساکین میں سے اٹھانا۔"

سیدنا انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا کی "اے اللہ! مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ، مسکینی کی حالت میں وفات دے اور قیامت کے دن مسکینوں کی جماعت میں اٹھا۔" سیدہ عائشہؓ نے عرض کی "یہ دعا کیوں؟" فرمایا "بے شک وہ اغنیاء سے چالیس سال قبل جنت میں داخل ہوں گے۔" (احادیث ترمذی، حدیث 2352)

جب کہ ہم بھوک سے بھی ڈرتے ہیں اور مالی وسائل کی کمی سے بھی اور یہ خواہش بھی رکھتے ہیں کہ ہمیں ہر جگہ VIP treatment ضرور ملے۔ ہم مساکین میں سے نہیں ہونا چاہتے لیکن پھر بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ سے بہت پیار کرتے ہیں۔

انسان جس سے پیار کرتا ہے اُسے رول ماڈل بنالیتا ہے، اپنی عادات کو اس کی عادات کے مطابق احوال لیتا ہے۔ اُس کی چھوٹی سے چھوٹی کبھی ہوئی بات کو پورا کر کے خوش محسوس کرتا ہے لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ میں پیار کے دعویٰ کے باوجود آپ ﷺ کی سنت کے برعکس عمل کرتا ہوں۔ میں زندگی فرعون اور عاقبت موسیٰ علیہ السلام کی چاہتا ہوں۔

میں کہتا تو یہ ہوں کہ میرا رب بہتر جانتا ہے کہ میرے لیے کیا اچھا ہے اور کیا برا۔ میرا رب جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔ لیکن چاہتا میں یہ ہوں کہ رب وہ کرے جو میرے دل میں خواہش ہے۔ میں کہتا تو یہ ہوں کہ میرے رب نے ہر کام کا وقت مقرر کیا ہے اور وہ مقررہ وقت پر ہو جائے گا لیکن چاہتا میں یہ ہوں کہ جس لمحے میرے دل میں کوئی خواہش پوری ہو اُس سے اگلے ہی لمحے وہ پوری بھی ہو جائے۔ جب میرا کام سب خواہش اگلے ہی لمحے نہیں ہوتا تو میں صاحب دعا کے پاس جا کر کہتا ہوں کہ دعا کرو دیجیے میرا کام میری چاہت اور خواہش کے مطابق فی الفور ہو جائے۔ گویا میں رب کے حضور سفارشیں پہنچانے لگتا ہوں کہ میرا یہ کام کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کہیں میرے دل یا دماغ کے کسی کونے میں یہ بات چھپی ہے کہ جو میں چاہ رہا ہوں وہی بہتر ہے۔ یوں میں اپنے ایمان کی نفی کر رہا ہوتا ہوں۔

مجھے پراگ ذرا سی مشکل یا تنگ دستی آجائے تو میں صبح سے شام تک بجائے اُس تنگ دستی اور مشکل سے محنت اور صدقہ و خیرات کے ذریعے لڑنے کے مختلف دُعا کرنے والوں کے پاس بھاگتا ہوں کہ دعا کریں میری یہ تنگ دستی اور مشکل فوری طور پر دور ہو جائے۔

کبھی تمہارے خود یہ رویداد دیکھ کر حیران ہوتا ہوں کہ جب رب تعالیٰ نے مجھے فراخی و عطا کی اور اللہ میں رکھا تو کیا تب کسی دُعا کرنے والے کے پاس جا کر میں نے کہا ذرا دیکھ کر بتائیے مجھ پر کس نے جادو کیا ہے؟ میں اسے سکھ میں ہوں۔ لیکن ذرا دکھا آئے پر میں صاحبان دُعا کے پاس جا کر پوچھتا ہوں کہ کسی نے مجھ پر جادو کیا تو یہ تو نہیں کر دیے کہ جو میں اتنا تنگ دست ہو گیا ہوں؟

ایک روز بیٹے بیٹھے خیال آیا کہ میری زندگی کا زیادہ سے زیادہ دس فی صد ایسا حصہ ہوگا جب میں مشکلات اور مصائب کا شکار رہا لیکن باقی زندگی کے 90 فی صد حصے کے لیے بھی میں نے کبھی رب کا شکر ادا نہیں کیا کہ جس میں رب نے مجھے وسیع رزق عطا فرمایا۔ میں نے کبھی ایسا نہیں کیا کہ اُس عطا کردہ رزق میں سے کچھ حصہ یہ کہہ کر کسی Less fortunate کو دے دوں کہ یہ میرا نہیں تمہارا ہے اور اگر وہ شکر یہ ادا کرنے لگے تو میں خوش دلی سے کہہ سکوں کہ بھائی یہ میرا نہیں تمہارا مال ہے۔ اس پر تمہارا بھی اُستاد ہی حق ہے جتنا میرا۔ لیکن میں آج تک نہ ایسا کر سکا نہ کہہ سکا۔

ایک روز ایک صاحب گاڑی کا شیشہ Knock کر کے ایک روپیہ مانگ رہے تھے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ میں اپنی محنت کی کمائی اسے کیوں دوں۔ جب میں وہاں سے چلا آیا تو راستے میں ذہن میں ایک سوچ آئی کہ کبھی میں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ یہ مال تو اللہ کا دیا ہوا ہے۔۔۔۔۔ یہ تو میرا ہے ہی نہیں۔ مجھ سے کہیں زیادہ محنتی، عقل مند، ہنرمند اور تعلیم یافتہ لوگ جو تے چمچاتے پھرتے ہیں۔ اگر صرف محنت سے ہی سب کچھ ملتا ہوتا تو مجھ سے زیادہ محنت کرنے والے لوگ مجھ سے زیادہ مال دار اور خوش حال ہوتے۔ یہ تو بے تعالیٰ کی نظر عنایت ہے کہ اس نے مجھے خوشحال کر دیا۔

سوال: ہمارے رویے غیر مستقل مزاجی کا فکار ہیں۔ ہم خدا کے ساتھ تعلق میں کبھی تو احساس کی اُس منزل پر ہوتے ہیں کہ صرف وہی نظر آتا ہے، ہمارے راستے روشن دکھائی دیتے ہیں لیکن پھر حالت بدل جاتی ہے اور ہم دنیا میں گم ہونے لگتے ہیں۔ نیکی میں مستقل مزاجی کا حصول کیسے ممکن ہے؟

جواب: آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ مخالف فطرت دعائیں قبول نہیں ہوتیں جب کہ یہ بھی آپ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن ہے کہ دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے۔ ان دونوں باتوں کو ساتھ رکھ کر دیکھیں تو بات سمجھ میں آ جائے گی۔

انسان کا اپنا ایک حزان، فطرت اور عادات ہیں۔ اُس کی سوچ کا تعلق تعلیم نہیں بلکہ تربیت سے ہے۔
انسان کا حزان اُس کی سوچ کے ساتھ ساتھ بدلتا ہے۔

اسی بات پر دوسری بھی کہ اگر ہم یہ بات تو اس سے معرفت کا نور نکل جاتا ہے۔ جب کسی وجہ سے ہماری سوچ میں تبدیلی آئے گی اور ہماری توجہ بٹ جائے گی اور ہم گمراہ کی طرف زیادہ راغب ہونے لگیں گے اور رہ کی طرف ہمارا اندر نکم ہونے لگے گا تو ہم عبادت تو کر رہے ہوں گے لیکن ہماری سوچ کہیں اور ہو گی۔ تہاں کی نوک پر تو اٹھ کر دیکھو کہ دل میں نہیں جس سے عبادت میں خشوع و خضوع ختم ہو جائے گا اور راستے اندھیرے دکھائی دیے نہیں گئے۔ روشنی نظر نہیں آئے گی۔

ایسا کہیے امتزاج کی تبدیلی انسانی فطرت میں ہے جیسا کہ وہب تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے: "انسان کا حلال اور حرام کا موزن کبھی ایک جیسے نہیں رہتا یہ دونوں بدلتے رہتے ہیں۔ ان کے بدلنے سے خشوع و خضوع میں کمی یا زیادتی ہوتی رہتی ہے جس سے انسان اپنی کیفیت کا فکار ہو جاتا ہے جسے آپ نے غیر مستقل طرائق کا نام دیا ہے۔ Consistency (مستقل) اس کا اکل مختلف رویے کا نام ہے۔"

مرا جی (ایک باطنی صفت) کے باوجود معمول کے مطابق مہارت کرتے ہیں تو یہ مستقل مرا جی ہے۔
اگر ہم خشوع و خضوع نہ ہونے کے باوجود معمول کے مطابق مہارت کرتے ہیں تو یہ مستقل مرا جی ہے۔
کے قہر اور اقتدار کو کر دس یا کبھی چھوڑ دیں تو یہ غیر مستقل مرا جی ہے۔

زکوع کثرت سے پڑھ لیے جائیں۔ یعنی کثرت سے کوئی شخص پڑھے گا۔ اسی تعداد اس میں مستقل مزاجی ہے۔
 Self-confidence اور مستقل مزاجی کے لیے تیر ہدف نسخہ یہ ہے کہ سیدہ سحر کے پہلے چار

سوال: اکثر سلسلہ ہائے تصوف میں آیت کریمہ بطور ورد پڑھنے کے لیے دی جاتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حوٰی کی دُعا یعنی ظلمنا انفسنا..... پڑھنے کے لیے کیوں نہیں دی جاتی؟

اور خواجہ دعا ریکا طلعتا طلعتا
جواب: تین سلاسل چشتیہ، جنیدیہ اور قادر یہ میں میرا دخل رہا اور مجھے خلافت عطا ہوئی۔ سلسلہ چشتیہ میں تھے
آیت کریمہ پڑھنے سے یہ کہہ کر منع کر دیا گیا کہ یہ تمہیں Sult نہیں کرتی۔ اور مجھے پڑھنے کے لیے ایک حرف
عطا کر دیا گیا۔ سلسلہ قادر یہ میں بھی 34 سال پہلے ایک لفظ عطا ہوا تھا جو آج تک اُسی طرح پڑھ رہا ہوں۔
28 سال پہلے سلسلہ جنیدیہ سے جو لفظ عطا ہوا تھا وہ بھی آج تک ویسے ہی پڑھ رہا ہوں۔

28 سال پہلے سلسلہ جیندہ سے جو لفظ عطا ہوا تھا وہی اس کتاب میں آج بھی ہے۔ آیت کریمہ ہر ماہ میں علم میں نہیں ہے کہ کسی سلسلہ تصوف میں آیت کریمہ پڑھنے کو ایسی جاتی ہے۔ آیت کریمہ ہر ماہ میں دعا ہے جو حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں کی تھی۔

سوال: ایسا کوئی ذکر بتا دیجیے جو ہماری رُوح کے Controlling word سے Clash نہ کرے اور جسے ہم سارا دن پڑھ سکیں۔

سارا اون پڑھ سیں۔
جواب: ہر حرف، لفظ اور آیت (دنیوی زبان میں "فقرو") کا ایک خاص وزن اور اثر ہے۔ بنیادی طور پر وزن اور اثر حرف کا ہے۔ حروف کے مجموعے سے لفظ بنتا ہے اور لفظوں کے مجموعے کو آیت کہا جاتا ہے۔
"خلاف" کے حروف کی صورت یہاں

اور اثر حرف کا ہے۔ حروف کے مجموعے سے لفظ بنتا ہے اور کلمات کے مجموعے سے عبارت بنتی ہے۔
 اگر ہم آیت کریمہ لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین کو حروف کی صورت میں
 Analyse کریں تو اس میں پہلا لفظ ”لا“ دو حروف ”ل“ اور ”ا“ کا مجموعہ ہے اور یہ دونوں حروف ق

Analyse کریں تو اس میں پہلا لفظ "ک" دو حروف "ک" اور "ا" پر مشتمل ہے۔ ہم بطور ان کے ال بھی حروف مقطعات ہیں۔

حروف مقطعات ہیں۔
القائذ کے وزن اور اثر کا انحصار اس بات پر ہے کہ کوئی لفظ کن حروف پر مشتمل ہے۔ ہم بطور ذکر کوئی بھی لفظ آیت یا سورہ پر نہیں اُس کا اثر آئے گا۔

دور پہلے میں اپنے بیٹے سے بات کر رہا تھا کہ وہ حاجت اور دیگر علوم تو میں نہ سکھایا لیکن ہمارے کمال
اپنے لفظ سے میری واقعیت ہو گئی جو کمال جاسم کا نام تبدیل ہے اور وہ ہے "سُر"۔

جب ہم کسی کو "سُر" کہہ کر پکارتے ہیں تو وہ خواہ مخواہ سمجھ جاتا ہے اور کچھ جیسا کہ طرفتہ سارے کام
چھوڑ کر کہے گا "مئی فرما ہے"۔ کام نہیں بھی کرتا ہو گا تو بھی گردوں گا۔

ہمارے کچھ Colleagues جو بہت تیزی سے ترقی کر گئے ان کا کمال یہ تھا کہ Sentences کے
شروع میں جی اور آخر میں بھی "سُر" لگاتے تھے۔ ان میں سے کچھ Colleagues کو میں نے ان کے
Seniors کے سامنے بھی یہ کہتے نہیں سنا "رائٹ سُر" "ٹھیک سُر"۔ دو ہر بات کے جواب میں صرف "سُر"
کہتے تھے اور پھر وقت نے دکھایا کہ وہ بہت تیزی سے آگے نکل گئے۔

"سُر" محض جادو کا لفظ ہی نہیں بلکہ ادب کا مظہر بھی ہے۔ جب آپ دوسرے کا دل کرتے ہیں یا اس کو
عزت دیتے ہیں تو کامیابی اور نصیب کے دروازے آپ کے لیے کھل جاتے ہیں۔

سوال: قربانی دینے والے شخص کے لیے مستحب ہے کہ وہ ذی الحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد ہال نہ کھائے اور باغیچہ
نہ تراشے۔ اس حکم کی وجہ کیا ہے؟

جواب: حکمانے قربانی کو اسلام کی 23 ویں اور حج کو 22 ویں رُوح قرار دیا ہے۔ حج میں احرام باندھ لینے کے
بعد ہم نہ چہرے پر کپڑا لگاتے ہیں، نہ بال توڑتے ہیں، نہ کبھی پر کوئی زخم لگاتے ہیں۔ اسی طرح احرام میں ہم
ہے کہ اپنی کھال نہ چھیدو، ہال نہ کھانا، ناخن نہ تراشو، قصہ نہ کھلو، جو نہیں نہ لگو اور قربانی حج کی لاکھڑا کر کے
اس لیے جو لوگ حج کے لیے نہیں جاسکتے لیکن قربانی کرتے ہیں وہ احرام کی ان شرائط کی پابندی کر لیتے ہیں۔

سوال: کیا نماز عید الاضحیٰ سے پہلے قربانی کی جاسکتی ہے؟

جواب: قربانی کے لیے شرط یہ ہے کہ نماز عید ادا کرنے کے بعد کی جائے۔

سوال: کیا کسی شخص کی تاریخ پیدائش کے اعداد اور نام کے اعداد کی مطابقت اس شخص کے لیے خوش قسمتی یا بد قسمتی
کا موجب ہو سکتی ہے؟ کیا نام تبدیل کرنے سے انسان کی خوش قسمتی پر اثر پڑتا ہے؟

جواب: بطور مسلمان میرا ایمان ہے کہ میری تمام باگ و ڈور میرے رب کے ہاتھ میں ہے۔ رب کے فرمان کے
مطابق مقدور ہر کوشش کرنا میرا فرض ہے کیونکہ یہ دنیا Cause and effect کی ہے۔ یہاں کامیابی
کوششوں سے مشروط ہے۔ کوشش کے ساتھ ساتھ مدد اور کامیابی کی درخواست رب کے حضور ضروری جانتے۔
کون سے ایام سعد ہیں اور کون سے نہیں۔ یہ مسلمان کا ایمان نہیں ہے۔ مسلمان کے نزدیک تو
سب ایام اور گھنٹیاں رب تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہیں۔ کامیابی یا ناکامی دنیا رب کے اختیار میں ہے۔ مسلمان
کا ایمان یہی ہونا چاہیے کہ نہ کوئی سعد گھنٹہ میرا کچھ سنوار سکتی ہے نہ کس گھنٹہ کی کمی ہے۔ سب کچھ
میرا رب ایمان چاہے۔

وہ طیفہ کیا ہے؟ کسی بھی ذکر کو ایک وقت مقررہ پر مقرر اعداد میں باقاعدگی کے ساتھ ادا کر کے وہ طیفہ
کہتے ہیں۔ ہم دوزانہ ایک مقررہ وقت پر دفتر جاتے اور واپس آتے ہیں۔ یہ ہماری روزی کا وظیفہ ہے۔
کوئی بھی ذکر جسے ہم پابندی سے کریں گے اس کے اثرات ہماری Anatomy، فطرت، حواس اور

عادات پر مرتب ہوں گے۔ ان سے مفر ممکن ہی نہیں۔ اللہ تک پہنچنے کا سب سے Safe، اعلیٰ راستہ اور
Shortcut یہ ہے کہ قرآن پاک کی کثرت سے تلاوت کر لی جائے۔ ہمارے لیے مشکل یہ ہے کہ جاب پور
وقت قرآن پاک کھول کر سامنے نہیں رکھ سکتے۔ لیکن خوش قسمتی سے ہر مسلمان کو کچھ نہ کچھ سورتیں ضرور یاد ہوتی
ہیں۔ ہم کام کے دوران دل میں وہ سورتیں پڑھتے رہیں۔ کسی بھی ورد یا وظیفہ کے بجائے یہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے
کا Shortcut ہے اور بڑے فائدے کا سودا بھی۔

سوال: کیا ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج کا تعلق کسی دوسرے Planet سے تھا؟

جواب: ذوالقرنین کی Journeys (سفر) Inter-planet نہیں تھیں بلکہ اسی کرہ ارض پر تھیں۔ یاجوج
ماجوج بھی اسی Planet پر تھے۔

سوال: ایک قول ہے "بے ادب کا حج کفر اور باادب کا جھوٹ بھی ایمان ہوتا ہے۔" ہم اس سے کیا سکھ سکتے ہیں؟
جواب: بد قسمتی سے میرے علم میں یہ قول نہیں ہے۔ میں تو سیدھے سادے ایمان کا آدمی ہوں۔ حج کا فربھی
بولے تو حج اور جھوٹ مومن بھی بولے تو جھوٹ ہے۔

ادب یا بے ادبی سے نہ حج کی اصلیت بدل سکتی ہے نہ جھوٹ کی۔ میں تو بس یہ جانتا ہوں کہ حج حج ہی
رہے گا اور جھوٹ جھوٹ ہی رہے گا۔

ہم اس سے کیا سکھ سکتے ہیں؟

ادب اور بے ادبی کے حوالے سے مشہور Saying ہے "باادب با نصیب بے ادب بے نصیب۔"
نصیب سے مراد تقدیر نہیں بلکہ یہ ہے کہ باادب شخص جس کے پاس بھی جائے گا اپنے ادب، Good
manners اور اچھے Etiquette کی وجہ سے دوسروں کے دل میں گھر کر لے گا۔ اور جس کے دل میں آپ
کے لئے جگہ ہی نہ ہو وہ آپ کو کچھ بھی دینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ صاحبِ علم کے نزدیک سب سے عزیز شے
علم ہے۔ اس لیے وہ آپ کو علم دے گا اور جسے علم مل گیا اسے فہم و فراست عطا ہو گئی اور جسے فہم و فراست عطا ہو
گئی اس کی دنیا و آخرت کی زندگی سنور گئی۔

جو بے ادب ہیں، جنہیں زبان پر قابو نہیں ہوتا، انہیں کوئی اپنے قریب نہیں آنے دیتا۔ یوں وہ کچھ نہیں
سکھ پاتے اور بے نصیب رہتے ہیں۔

ہم نے کچھ نہ بھی سیکھ ہو لیکن اگر ہمارے آداب، Manners اور Etiquette اچھے ہیں تو ہم
پسندیدہ انسان بن جائیں گے۔ ہر آدمی میں بہت طاہت سے ملے گا۔

و غیر علوم Mathematics، الجبر، سائنس اور جغرافیہ کی طرح علم الاعداد بطور علم تو موجود ہے لیکن میرا یہ ایمان نہیں کہ یہ علم انسان کی خوش قسمتی میں کی یا اضافہ کر سکتا ہے۔
جہاں تک ناموں کا تعلق ہے۔

— اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھوں کے نام پر نام رکھو اور اپنی حاجتیں اچھے چہرہ والوں سے طلب کرو۔ (مسند الفردوس للذہبی، حدیث 2329)
ناموں کے اثرات یقیناً شخصیت پر مرتب ہوتے ہیں لیکن یہ نام قسمت بدل دیتے ہیں یا کامیابی و ناکامی کا موجب ہو سکتے ہیں، ایسا سوچنا درست نہیں۔

کامیابی اور ناکامی سب من جانب اللہ ہیں لیکن رب تعالیٰ سے ہمیشہ اچھا گمان رکھنا چاہیے کیونکہ وہ خود فرماتا ہے کہ مجھ سے اچھے گمان رکھو میں اچھا ہی کروں گا۔

آپ ان علوم کو بطور علم study کر لیجیے لیکن ان پر ایمان نہ رکھیے گا۔ یہ مسلمان کو منع ہے۔

سوال: کہا جاتا ہے کہ نخی سلمان نوری حضوری، مصلواری حضرت علیہ نے نوشو پاک کی سات پشتیں ولی کردی تھیں۔ کیا ایسا ممکن ہے؟ نخی سلمان حضرت علیہ کس سلسلہ تصوف سے تعلق رکھتے تھے؟

جواب: حضرت نخی سلمان صاحب حضرت علیہ بہت بلند پایہ ولی اللہ تھے۔ آپ کا تعلق سلسلہ نقشبندیہ سے ہے۔ میں ہمیشہ عرض کیا کرتا ہوں کہ الفاظ پر نہ جائیے بلکہ الفاظ کی روح کو سمجھیے۔ جب کسی شخص کو اتنا علم عطا کر دیا جاتا ہے کہ وہ علم سے Spill over ہونے لگے تو علم اُس کی ذات سے باہر جھلکنے لگتا ہے۔ تب اگر کوئی ولی اللہ یہ کہہ دے کہ میں نے اسے اتنا علم دے دیا ہے کہ اُس کی آنے والی سات پشتیں ولی ہو جائیں تو یہ دراصل استعارہ ہے کہ اُس کو اتنا علم عطا کر دیا گیا ہے کہ Genetically اُس کی اگلی کی نسلوں تک منتقل ہوتا رہے گا۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے فلاں شخص کو اتنا رزق دے دیا ہے کہ اُس کی سات پشتیں بیٹھ کر کھا سکتی ہیں۔ یہ بھی ایک استعارہ ہے حالانکہ عام طور پر ہوتا ہے کہ اُس کی اگلی ہی نسل سارا کچھ اجاڑ دیتی ہے۔
یاد رکھیے کوئی شخص علم اور اعمال کی بنیاد پر ولی اللہ بنتا ہے محض کسی ولی اللہ کی عطا سے نہیں۔

چند مضامین قرآن اور حروف کے اثرات

سوال: سورۃ الحديد کے شان نزول اور خاص مضامین کا خلاصہ بیان فرمادیجیے۔

جواب: قرآن پاک کی کسی بھی سورہ کا ترجمہ بکثرت دستیاب ہے۔ مولانا احمد رضا خان، فتح محمد جالندھری، مولانا اشرف تھانوی، مولانا شبیر احمد عثمانی اور دیگر بہت سے حضرات نے بہت اچھا ترجمہ کیا جو کہ Available بھی ہے۔ جو چیز دستیاب نہیں وہ مختلف سورتوں کی شان نزول ہے۔ قرآن پاک کو سمجھنے کے لیے دو طریقے استعمال کیے جاتے ہیں۔

1۔ ترجمہ... تاکہ ہم قرآن پاک کے احکامات سمجھ سکیں، اُن کی تعمیل کر سکیں اور انھیں اپنی زندگی پر لاگو کر سکیں۔

2۔ تفسیر... جہاں علم ہمارا ساتھ نہ دے اور ترجمہ سمجھ میں نہ آئے تو مختلف مفسرین اور اہل فکر کی تحریر کو وہ تفسیر قرآن پڑھ لیں۔ احکامات بہت Clear ہو جائیں گے۔

قرآن پاک کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہر سورہ کا موقع نزول اور Background عام علم میں ہو۔ سورۃ الحديد مدنی ہے جس پر تمام علما کا اتفاق ہے۔ اس کی 29 آیات ہیں اور Sentence 540 (بمطابق) اس میں استعمال ہوئے ہیں۔ اس کے چار رکوع ہیں۔ اس کی شان نزول کچھ یوں ہے کہ غزوہ بدر میں

اہل قریش کو بڑی واضح شکست ہوئی۔ کفار کا خیال تھا کہ مسلمان ٹھہریں بھر ہیں، مادی لحاظ سے کم دسائیں رکھتے ہیں جب کہ ہم مالی و فراوی لحاظ سے زیادہ ہیں اس لیے جب چاہیں مسلمانوں کو مٹا دیں گے لیکن غزوہ بدر کے نتائج نے اہل قریش کو ہلا ڈالا۔ اس کے بعد انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ ایک مربوط Planning کے تحت

مسلمانوں کو جز سے ختم کر دیں گے۔ غزوہ اُحد میں وہ پہلے سے کہیں بہتر تیاری کے ساتھ آئے۔ باوجود اُن کے سپہ سالار تھے۔ غزوہ اُحد میں غزوہ بدر سے بھی کہیں تیزی سے کفار کو شکست ہو گئی۔ لیکن فتح کے بعد

مسلمانوں سے کوئی ایسا نہ ہوئی کہ انھوں نے درے کو خالی کر دیا۔ خالد بن ولید جو اُس وقت اہل قریش کے ساتھ تھے اور اُن کی جنگی اسیرت بے پناہ تھی، اہل قریش کے ایک بڑے دے کو لے کر انھوں نے مالِ غنیمت

میں سے صرف مسلمانوں پر پلٹ کر حملہ کر دیا جس سے مسلمانوں میں افراتفری پھیل گئی۔ لیکن یہ شکست بڑی

بڑی دیکھی نہیں تھی جیسی اہل قریش نے حقیقتاً Plan کی تھی۔ غزوہ اُحد تک صرف اہل قریش مسلمانوں کے دشمن

اس کا اجر بہت زیادہ ہے۔ جب Muslim cause کو ضرورت ہو تو ان کو Promote کرنے کے لیے اللہ کے دیے مال میں سے کھلے دل کے ساتھ خرچ کرنے کا اجر ہے پتا ہے جب کہ وقت گزار جائے کہ بعد خرچ کرنے کا اجر اتنا زیادہ نہیں۔

ہم سورۃ الحديد کے زمانہ نزول کو موجودہ دور پر منطبق کر کے دیکھیں تو ہمیں ایک مہم ثابت نظر آئے گی۔ اسلام میں قومیت کا کوئی تصور نہیں بلکہ اُمت کا تصور ہے۔ اسلام کے مطابق مسلمان جسد واحد ہیں۔ اگر آپ مسلمانوں کو اُمت کے طور پر لے لیں تو صورت حال Exactly وہی بنتی ہے۔ آج ہمارے پاس Strategic planning نہیں ہے۔ Vision اگر موجود ہے بھی تو ہم اس کو استعمال نہیں کرتے۔ ہم اپنی ناک سے آگے کچھ دیکھ ہی نہیں پا رہے۔ دو پیہ پیہ پاکستان میں جمع ہے اور بہت ہے لیکن ہم میں اس وقت حضرت حنان غنی یا حضرت سلمان فارسی کوئی نہیں۔ آج وہ وقت ہے جہاں مسلمانوں کے پاس یہی سی کیفیت ہے۔ اس دولت کا صرف 25 فی صد ہی اُن ممالک پر خرچ کر دیا جائے جو ٹیکنالوجی کے لحاظ سے تو آگے ہیں لیکن مالی لحاظ سے پیچھے ہیں۔ اُن ممالک کو Militarily strong بنانے سے یہ مسلم اُمت کا Fighting arm بن جائے جس سے ایک بڑی تبدیلی واقع ہو جائے گی۔

اگر ہم مختلف سورتوں کا ترجمہ، تفسیر اور بیک گراؤنڈ پڑھ کر اس پر صرف واہ واہ کرنے تک محدود نہ رہیں بلکہ علم کو اپنی ذات پر Apply کر لیں تو اس کے نتائج ہماری زندگی پر بہت بہتر مرتب ہوں گے اور مسلم اُمت کے Behaviours اور Attitudes towards life بھی بہتر ہو جائیں گے۔

سوال: سورۃ الحديد کے فضائل و خصائص بیان فرمادیجیے۔

جواب: رب تعالیٰ نے قرآن پاک انسانوں کی ہدایت کے لیے اُمتِ قرآن پاک Nutshell میں جو سکھاتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم Material gains پر نہ جائیں بلکہ آخرت پر نظر رکھیں۔ ہم دنیا کی محبت دل میں نہ پالیں بلکہ آخرت اور رب کی محبت دل میں پالیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ کسی بھی سورہ کو دنیاوی مقاصد کے حصول کے لیے پڑھنا درست نہیں ہے۔

چونکہ آپ نے سوال کیا ہے اس لیے عرض کر دیتا ہوں کہ سورۃ الحديد کو اگر عصر کے وقت پڑھا جائے تو Generally عزیز، رشتہ دار آپ پر مہربان ہو جائیں گے۔ اگر رات سونے سے پہلے اس سورہ کی تلاوت کی جائے تو ہم میں وہ خفی آجائے گی جو مومن میں میدان جنگ میں پیدا ہوتی ہے۔

مومن زمانہ امن میں اپنے دشمنوں اور مخالفین کے لیے بھی نرم ہوتا ہے لیکن جب معرکہ حق و باطل شروع ہو جائے تو وہ فولا دکی طرح سخت ہو جاتا ہے لیکن جو بھی یہ معرکہ ختم ہو جائے یا دشمن ہتھیار ڈال دے اور صلح کی پیش کش کر دے تو وہی مومن اُن لوگوں کے لیے فولا دے موسم میں تبدیل ہو جاتا ہے جن کے خلاف اُس نے ہتھیار اٹھائے تھے۔

سوال: سورۃ العنکبوت کی آخری تین آیات کی اہمیت اور اثرات کیا ہیں؟

جواب: یہ تین آیات مبارک ہیں آپ ضرور پڑھیے۔ اگر کوئی شخص انہیں پاتا ہے تو اس کے

حقے لیکن ان کے بعد انھوں نے ایک مربوط پروگرام کے تحت عرب کے مختلف قبائل کو بھی یہ کہہ کر اپنے ساتھ لیا کہ اگر ہم مسلمانوں کے حقے (معاذ اللہ) کو اسی سبج پر ختم کر دیں تو بہتر ہے ورنہ یہ ہم سب کو مٹا دیں گے۔ تمام کافر قبیلے حتیٰ کہ یہودی بھی اُن کے ساتھ مل گئے۔ یہ سلسلہ غزوہ اُحد کے بعد سے لے کر صلح حدیبیہ تک جاری رہا۔ اس درمیانی عرصہ میں یہ ساری غیر مسلم قوتیں مسلمانوں کو مٹانے کے لیے سرگرم رہیں۔ اس موقع پر یہ سورہ نازل ہوئی۔ اس کی آیت نمبر 25 میں لفظ ”حدیبیہ“ استعمال ہوا جس کی وجہ سے یہ سورہ ”الحديد“ کے نام سے موسوم ہوئی۔ اس سورہ میں رب تعالیٰ نے اپنی حمد و ثناء کے بعد مسلمانوں کو مخاطب کیا اور انھیں ترغیب دی کہ جو کچھ مال تمھارے پاس ہے اُس میں سے دل کھول کر Muslim cause کے لیے خرچ کرو۔ اس میں ایک بہت خوب صورت نکتہ ہے جو شاید آج کے زمانے میں ہمارے کام آجائے۔ اس کی آیت نمبر 7 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

”اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور اُس کی راہ میں کچھ وہ خرچ کرو جس میں تمھیں اور لوں کا جان نشین کیا تو جو تم میں ایمان لائے اور اُس کی راہ میں خرچ کیا اُن کے لیے بڑا ثواب ہے۔“ (الحديد: 7)

یہ آیت نمبر 7 غزوہ تبوک کے موقع پر خوش حال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دینے اور حضرت عثمان غنی کی فضیلت کے اظہار کے طور پر بیان ہوئی کیونکہ حضرت عثمان غنی نے اس موقع پر شاندار مالی مدد کی تھی۔

سورۃ الحديد کی آیت نمبر 10 میں وہ خوبصورت نکتہ چھپا ہے جس کا میں ذکر کر رہا تھا:

”اور تمھیں کیا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو حالانکہ آسمانوں اور زمین میں سب کا وارث اللہ ہی ہے، تم میں برابر نہیں وہ جنھوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ اور جہاد کیا، وہ مرتبہ میں اُن سے بڑے ہیں جنھوں نے بعد فتح کے خرچ اور جہاد کیا اور اُن سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرمایا کہ اور اللہ کو تمھارے کاموں کی خبر ہے۔“ (الحديد: 10)

میرے علم کی حد تک یہ واحد موقع ہے جہاں اللہ نے فرمایا کہ اگر کم وسائل کے حالات میں تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تو بے پناہ اجر ملے گا بہ نسبت اُس وقت کے جب مسلمان طاقت پکڑ لیں گے۔ اُن بہتر حالات میں خرچ کرنے کا اجر اتنا نہیں ملے گا یعنی فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کیا اُن کا اجر اور پھان لوگوں سے زیادہ ہے جنھوں نے فتح مکہ کے بعد اتفاق فی سبیل اللہ کیا۔ اس سورہ میں رب تعالیٰ نے ایک تو یہ خبر دی کہ مسلمان قوت پکڑ جائیں گے۔ دوسرے یہ بتایا کہ دولت خدا ایک ہی جائے نہیں۔

It changes hands very quickly.

اس سورہ میں ایک سبق بھی ہمارے لیے پوشیدہ ہے کہ جب ہم یہ موقع اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو

دل میں رقت پیدا ہو جاتی ہے۔ بن لوگوں کا دل رقیق ہو وہ صاحب محبت ہوتے ہیں، اُن میں آپ کا کلام سے محبت کا جذبہ زیادہ پیدا ہوتا ہے۔

سورۃ العشر کی آخری تین آیات کے الفاظ اور حروف کے جو Influences ہیں اُن کا تعلق آیات کے ترجمے سے نہیں ہے۔ یاد رکھیے! کسی بھی سورہ کے Influences کا انحصار اُس کی آیات کی Formation پر ہوتا ہے۔ ہر حرف کا اپنا ایک اثر اور وزن ہے۔ قرآن پاک کے ہر حرف کے ماتحت فرشتے ہیں۔ ان حروف کو جمع کر لیں تو لفظ اور لفظوں سے آیات بنتی ہیں۔

جیسا کہ پہلے بھی میں نے عرض کیا تھا کہ ”الھم“ تین حروف ہیں جو ایک ہی جگہ اکٹھے ہو گئے ہیں۔ ان کو پڑھنے سے انسان ولایت کے تیسرے درجے پر فائز ہو جاتا ہے۔ اب بجائے اِس کے کہ آپ مجھ سے اِس کے پڑھنے کا طریقہ پوچھیں میں گزارش کرتا چلوں کہ پانچویں کلاس کا اسٹوڈنٹ MSc کی کیمسٹری یا فزکس کی کتاب پڑھ کر Frustrate ہو جائے گا اور بات سمجھ نہ پائے گا۔ اسی طرح بلند منزلہ عمارت کی آخری منزل کی تعمیر اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک Foundations نہ تعمیر کر لی جائیں۔

عبادات، ذکر اور کار اور اوراد و وظائف بہتر اثرات اُس وقت تک نہیں دکھائی پائیں گے جب تک انسان کی Foundations (بنیادیں) تعمیر نہ ہو جائیں۔ اوراد و وظائف سے فائدہ لینے کے لیے ضروری ہے کہ ہم نے بنیادیں صحیح طرح بنائی ہوں۔

ایک یورپین ملک میں مقیم ایک صاحب نے مجھ سے تقاضا کیا کہ میں اُنھیں اُن کی رُوح سے مطابقت رکھنے والا حرف مقطعات بتا دوں۔ میں نے عرض کی ”صاحب! آپ پہلے اپنی رُوح اور قلب کو بالیدگی کے ایک خاص مقام تک لے جائیے، اِس کے بعد حرف مقطعات کے درد سے آپ کو Desired result ملے گا۔“

اُنھوں نے دوبارہ خط لکھا کہ بات سمجھ نہیں آتی۔ میں نے کہا کہ پہلے آپ کو بنیاد بنانا پڑے گی۔ اپنی رُوح اور قلب کی بالیدگی و لطافت کا اہتمام کرنا پڑے گا۔ نفس کو مارنا ہوگا۔ جب آپ کی رُوح لطافت کے ایک خاص مقام پر پہنچ جائے گی تب آپ کو حروف مقطعات پڑھنے کا فائدہ ہوگا۔

میری اِس بات کے جواب میں اُنھوں نے بہت مزے کا خط لکھا کہ آپ مجھے ان گھمن گھیریوں میں نہ ڈالیں۔ سیدھا کہیں کہ آپ کے پاس صرف فرشتے علم کے لیے آسکتے ہیں انسان نہیں۔

اِس کے جواب میں مجھے اُن کو چار صفحات کا لیٹر لکھنا پڑا کہ Foundations کیسے Build ہوں گی۔ اُن کا خط آگیا ”شاہ صاحب! اگر یہ سب مجھے ہی کرنا ہے تو پھر آپ سے مجھے یہ پوچھنے کی ضرورت ہی کیا ہے کہ میری رُوح سے مطابقت رکھنے والا حرف مقطعات کون سا ہے؟“

بنیادیں تعمیر کرنے کے لیے تین steps ہیں۔

Step-I یہ ہے کہ کوئی شخص ہمیں جتنا بھی بڑا کیوں نہ کہے، ہم پر پیارا نہ کرے، جزیں کا لے، کتنے ہی

بچوں کا دل سے، احترامات لگائے، ہم اُس کے خلاف اپنے دل میں کوئی میل نہ آئے دین، اپنے دل کو قیصے، بچوں کی اُن کی آگ سے دور اور پاک صاف رکھیں۔

یہ انتظام کی آگ سے دور اور پاک صاف رکھیں۔ ہوں سمجھ لیجیے کہ روحانیت کی Building کے لیے اس پر عمل کیا تو گویا بنیادوں کے لیے زمین کی ہدایتی کرنی۔

Step-II یہ ہے کہ ہم اپنی ضروریات روک کر، اپنے آرام کو قربان کر کے اپنے مسلمان بھائیوں، خاص طور پر خالصین کے کام آجائیں، اُن کی خدمت کر لیں لیکن دو کڑی شرائط کے ساتھ۔ اول، یہ کہ رواداری اِس درجے کی ہو کہ خود ہماری ذات کو پتا نہ ہو کہ ہم نے کسی کی خدمت کی۔ دوم، یہ کہ اپنے آپ کو Self-suggestion کے ذریعے یہ تعلیم دیتے رہیں کہ یہ شخص خدمت کرنا کر مجھ پر احسان کر رہا ہے۔

Setp-III ہم قسم کھالیں کہ ہم کسی شخص کے بارے میں کوئی Negative بات نہیں کہیں گے۔ جب بھی کسی شخص کا ذکر کریں یا Comments کریں تو وہ Positive ہی ہوں۔

ان تینوں Steps پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ فرض عبادات جاری رکھیں تو رب آپ کا ہے، آپ کا دوست ہے۔

یہ ہماری غلط فہمی ہے کہ وظائف اور ذکر کا راز ہمیں رب تک لے جاتے ہیں۔ بالکل نہیں! وہ تو رب تعالیٰ کو یاد کرنے اور اُس کا شکر ادا کرنے کا ایک طریقہ ہے یہ اور بات کہ جب ہم اُسے پکارتے ہیں تو وہ ہمیں یاد کرنے لگتا ہے، ہم اُس کا ذکر کرتے ہیں تو وہ ہمارا چرچا کرنے لگتا ہے۔

”تو میری یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا۔“ (البقرة: 152)

پہلے اور مجاہدے رب تعالیٰ کے قرب کے لیے کام نہیں آتے بلکہ بعض اوقات الٹا طبیعت میں سختی پیدا ہوتی ہے۔ فقیر کی طبیعت میں جو لوج، نرمی اور چلک ہوتی ہے وہ عین سنت کے مطابق ہوتی ہے کیونکہ آپ کی نرمی کی نرمی ضرب المثل ہے۔ وہ نرمی، چلک اور لوج ان تینوں Steps ہی سے آتی ہے۔

آپ بھی اپنے آپ کو آزمائیے، اپنی ذات کا ایک ٹیسٹ لیجیے۔ جو شخص سب سے زیادہ آپ کا مخالف ہے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے، سب سے زیادہ آپ پر احترامات لگا تا اور بہتان تراشی کرتا ہے، جیسے نہیں دیکھا۔ اِس شخص کی خدمت کر کے دیکھیے کہ آپ کو کس قدر روحانی خوشی ہوتی ہے، آپ کا دل خوشی سے سرشار ہو جاتا ہے۔

ایک دن کے لیے ہی کسی یہ تجربہ کر کے دیکھیے کہ پھر جب آپ رات کو اللہ کے حضور کھڑے ہوں گے تو استغوا! کس قدر بڑھ جاتا ہے۔

ان باتوں پر عمل کرنے کے بعد رُوح سے مطابقت رکھنے والا حرف مقطعات یا تنجیدیں کے تو بہت

طوائف ہیں گے۔

جس میں فلسطین کی ایک بہت بڑی جھیل کا پانی بھی شام کر رہا ہے۔

مقام طیال یہ بھی ہے کہ چین کے صوبہ "Zhenzhou" میں ایک بہت بڑا اور طویل علاقہ ہے۔ کام کی زیادتی کی وجہ سے میں اس علاقہ میں تو نہ جاسکا جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یا جوج ماجوج تو وہاں تھے۔ البتہ اس علاقہ کے لوگوں نے مجھے کفر م کیا کہ وہاں وہ پہاڑیاں موجود ہیں جن کے درمیانی فاصلے میں ایک دیوار بنی ہے جسے First Great Wall کہتے ہیں اس کے پیچھے یا جوج ماجوج تو موجود ہے۔

ذوالقرنین کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ مصر کے ایک بڑے فرعون Amunhotep-III کے ہاں 1392 قبل مسیح میں ایک بچہ پیدا ہوا۔ 1360 قبل مسیح میں جب وہ تخت نشین ہوا تو اس نے اپنا نام Amunhotep-IV سے تبدیل کر کے Akhenaten رکھا۔ وہ بادشاہ توحید کی طرف مائل ہو گیا اور جب اسے محسوس ہوا کہ وہ بہت طاقت ور ہو گیا ہے تب اس نے اپنے موجد ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس نے مصر کے وسط میں ایک ٹمپل بنایا جہاں بتوں کی پوجا کی اجازت نہیں تھی۔ 1362 قبل مسیح میں اللہ نے انھیں نبوت عطا کی۔ یہی بادشاہ ذوالقرنین کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ یہ وہی بادشاہ ہیں جنھوں نے سب بادشاہوں سے زیادہ مشرق، مغرب اور شمال جنوب کی جانب سفر کیا۔ ذوالقرنین وہ جگہ دیکھنا چاہتے تھے جہاں سورج طلوع ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ مشرق میں مالدیپ کے جزائر پر آ گئے۔ آپ جانتے ہیں کہ مالدیپ چھوٹے چھوٹے جزائر کا مجموعہ ہے۔ کچھ جزائر تو اس قدر چھوٹے ہیں کہ محض ایک قافیہ سار ہوگی پر مشتمل ہیں۔ بڑے سے بڑا جزیرہ بھی صرف چند کھومیٹر لمبا اور چوڑا ہے۔ مالدیپ خاصا خوب صورت اور Humid علاقہ ہے۔ آپ کو کبھی موقع ملے تو ضرور وہاں جاییے۔ زندگی میں دو تین بار جب کام کی تحکیم بہت بڑھ گئی تو میں نے وہاں بنا دی تھی۔

حضرت ذوالقرنین مالدیپ کے جزائر سے ہوتے ہوئے China پہنچے۔ چینوں نے انھیں "Chu" کے نام سے پکارا۔ Chu چینی زبان میں Aliens کو کہتے ہیں۔ یا جوج ماجوج بھی چینی زبان کا ایک Sentence ہے۔ انگریزی میں انھیں Gog and Magog کہتے ہیں۔ Locals نے Chu سے درخواست کی کہ یا جوج ماجوج ظالم قوم ہے اور ہم پر حملے کرتی ہے۔ تب ذوالقرنین نے ان کو روکنے کے لیے چین کے صوبہ "Zhenzhou" میں دو پہاڑوں کے درمیان سات گز میٹر لمبی دیوار تعمیر کی جو Base سے 36 میٹر Wide اور Top سے 9 میٹر Wide ہے، اس کی Height 9 میٹر ہے۔

روایت ہے کہ یا جوج ماجوج سارا دن اس دیوار کو چاہتے رہتے ہیں حتیٰ کہ شام کو ان کا لیزر کہتا ہے کہ کون اس تہی دیوار کو محض ایک دھکا دیں گے تو یہ گر جائے گی۔ اس پردہ سب واپس چلے جاتے ہیں۔ رب تعالیٰ اپنی قدرت سے راتوں رات اس دیوار کو دوبارہ اصلی حالت میں لے آتا ہے۔ اگلی صبح یا جوج ماجوج آکر اسے دوبارہ چاروں طرف شروع کر دیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ قیامت کے نزدیک ان کا لیزر کہے گا کہ اللہ! اللہ! اس تہی

شکرانِ نعمت

سوال: یا جوج ماجوج کے بارے میں کچھ بتائیے۔

جواب: سورۃ الکہف میں مختصر یا جوج ماجوج کا ذکر ہے۔ ان کے بارے میں کوئی Authentic ریکارڈ یا ہسٹری موجود نہیں۔ اندازہ یہی ہے کہ یہ قوم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے چند سو سال پہلے مشرق میں ہستی تھی۔ یہ مضبوط جسم، چوڑے چہرے، چھوٹی آنکھوں اور چھوٹے قد کے لوگ ہیں۔ ان کے بارے میں بتائی گئی نشانیوں سے اندازہ لگایا گیا کہ غالباً یہ چین یا منگول نسل سے ہیں۔ Historians انھیں زیادہ تر منگول سے قیاس کرتے ہیں کیوں کہ یہ چھپکلیاں، سانپ، کبڑے، کھڑے اور گھوڑے چر وغیرہ کھا جاتے تھے۔ China اور Far East کے علاقے میں سب چیزیں کھائی جاتی ہیں۔ اس حلیے اور نشانیوں کی وجہ سے گمان یہی ہے کہ شاید یا جوج ماجوج منگول نسل سے ہیں۔ آپ ﷺ کا بھی فرمان ہے کہ یہ قوم اس وقت ظاہر ہوگی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے۔ تب یہ قوم سیلاب کی طرح نمودار ہوگی۔ رب تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم دے گا کہ وہ کوہ طور پر پناہ لے لیں۔ چون کہ اس وقت سب مسلمان ہوں گے اس لیے سبھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر چلے جائیں گے حتیٰ کہ وہ وقت آئے گا کہ کوہ طور پر خوراک کی قلت ہو جائے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دعا کریں گے "یا اللہ! ہم سے رزق کی تنگی بنادے۔" رب تعالیٰ زمین پر ایسی دبا چھیلادے گا جو کینڑوں کی صورت میں ہوگی۔ یہ کینڑے یا جوج ماجوج کی گروہیں کھا شروع کر دیں گے جس سے یہ قوم تباہ ہو جائے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلمانوں کے ساتھ کوہ طور سے نیچے اتر آئیں گے۔ یا جوج ماجوج کی ہلاکت کی وجہ سے زمین پر Smell پھیلی ہوگی جس سے نجات کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مسلمان دعا کریں گے۔ تب رب تعالیٰ ایسی مخلوق بھیجے گا جن کی گروہیں انھوں کی طرح لمبی ہوں گی وہ ان لاشوں کو اٹھا کر لے جائیں گے۔ جو Residuals اور کینڑے باقی رہ جائیں گے ان کے لیے رب تعالیٰ آسمان سے بارش برمائے گا جس سے زمین دھل جائے گی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب یا جوج ماجوج تو مٹا رہے ہوں تو وہ اپنے راستے میں آنے والا سارا پانی پی

روح کو ہم گمراہیں گے۔ یوں وہ اگلے دن اس کو گرانے میں کامیاب ہو جائیں گے اور زمین پر پھیل کر تپیں جائیں گے۔ ذوالقرنین کو چارچ میں بخت نصر کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ جب انھوں نے مصر سے چین کی طرف سفر کیا تو کسی کو معلوم نہیں تھا کہ اس کے بعد وہ، اُن کی والدہ اور اُن کے اہل خانہ کہاں گئے۔ ازاں بعد قرآن پاک نے اسے Clear کیا۔

سوال: سورۃ الرحمن میں "رب المشرقین و رب المغربین" کے الفاظ ہیں اور اس کے بعد فرمایا گیا "پس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔" اس کی وضاحت فرمادیجیے۔

جواب: کچھ عطا کا کہنا ہے کہ چونکہ ہر ملک کا اپنا ایک مشرق اور مغرب ہے۔ ہر ملک کے لوگ جس سمت سے سورج نکلتا دیکھتے ہیں اُسے مشرق اور جس سمت میں سورج ڈوبتا دیکھتے ہیں اُسے مغرب کہتے ہیں۔ یوں کی مشرق اور مغرب ہو گئے۔ اسی نسبت سے رب نے خود کو رب المشرقین و رب المغربین کہا لیکن جب اس نے خود کو رب المشرق و رب المغرب کہا تو اس سے مراد زمین کا مشرق و مغرب ہے۔

جہاں تک نعمتوں کو جھٹلانے کی بات ہے تو میرے خیال میں اس کی وضاحت کی ضرورت ہی نہ پڑے اگر میں اپنی ذات کی طرف ہی دیکھ لوں۔ کیونکہ میں ذاتی طور پر اللہ کی نعمتوں کی تفسیر ہوں۔ وہ کون سی نعمت ہے جو اُس نے مجھے عطا نہیں کی۔ لیکن میں صبح سے شام تک رب کے حضور رشکوہ کرتا رہتا ہوں کہ تو نے مجھے یہ نہیں دیا وہ نہیں دیا، میرا یہ کام نہیں کیا وہ کام نہیں کیا، میری فلاں ڈھانچہ قبول نہیں کی حالانکہ صبح سے شام تک رب میرے وہ کام بھی کرتا چلا جاتا ہے جن کی مجھے خبر تک نہیں ہوتی۔ میری وہ ضرورتیں بھی پوری کرتا ہے جن کا مجھے خود بھی ادراک نہیں ہوتا۔ صبح سے شام تک طرح طرح کی نعمتوں سے وہ مجھے نوازتا ہے۔ یہ سب مجھے یاد نہیں رہتا۔ یاد رہتا ہے تو صرف وہ ایک کام جو نہیں ہوا ہوتا یا وہ ایک ڈھانچہ جو پوری نہیں ہوتی ہوتی۔ ایک ہزار میں سے 999 قبول ہونے والی ڈھانچیں تو مجھے یاد نہیں رہتیں لیکن جو ایک ڈھانچہ قبول نہ ہو سکی وہ مجھے یاد رہتی ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے اس طرح بھی تو سوال کر سکتے ہیں:

"یا اللہ! اے انا مہربان اور رحیم و کریم ہے کہ ہمیں وہ بھی عطا کرتا ہے جو ہم مانگتے ہی نہیں، جس کا ہمیں ادراک ہی نہیں ہوتا، جس کے ہم حق دار ہی نہیں۔ یا اللہ! جہاں تو اتنی رحمتیں کرتا ہے وہاں یہ ایک کام بھی کر دے۔"

اس طرح دعا کرنے سے فکر گزاری کا پہلو نکل آئے گا اور ہم نعمتوں کو جھٹلانے سے بچ جائیں گے۔

سوال: کیا فقیر سے دعا کروانا جائز ہے؟ بعض اوقات مجھ جیسے جاہل آدمی کو فقیر کے جواب سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ فقیر کو بات شاید ناگوار گزری ہے۔ کیا فقیر سے دعا کروانے کے کوئی خاص آداب ہیں؟

جواب: دوسروں سے دعا کرنا انا سنت ہے۔ خود بھی دعا کیجیے اور دوسروں سے بھی اپنے لیے دعا کروائیے لیکن ہم یہ ساری بات کی طرح اپنی مہارت کو بھی Sectionalise اور Compartmentalise نہ کریں کہ مہارت اور دعا کرنا پوری کا کام ہے کہ لوگ اس کے مانگنے Confess (اعتراف گناہ) کریں اور گناہوں

کی تلافی کے لیے دعا کریں اور جب پادری صاحب کہہ دیں کہ تمہارے گناہ معاف کر دیے گئے تو کس کی بات نہیں اور اگر کسی خوشی خوشی گناہ کوٹ جائیں۔

فقیر اس وقت دعا سے بھاگے گا جب وہ یہ دیکھے گا کہ لوگ اُسے دعا داری سوچ کر خود ہی اللہ سے دعا کرتے ہیں۔ مثلاً میں فقیر سے جا کر کہوں کہ آپ اللہ کے حضور دعا کر دیجیے کہ میرا فلاں کام کر دے۔ اس کے بعد میں نے لکھ کر ہر طرح پھیلنے چل دوں کہ مجھے محنت و کوشش یا دعا کرنے کی کیا ضرورت ہے فقیر نے دعا کر دی تھی۔

گناہی ہے۔ یہ رویہ غلط ہے۔ مسلمان خود بھی اللہ کے حضور گناہ گزرتا ہے اور دوسروں سے بھی Request کرتا ہے کہ اب آپ اپنے لیے دعا کریں تو مجھے بھی یاد رکھیں۔

فقیر کسی کی بات کو مانگ نہیں کرتا۔ فقیر پر رب تعالیٰ کا ایسا کرم ہوتا ہے کہ وہ ان باتوں سے اوپر چلا جاتا ہے کہ اسے کس نے کمن الفاظ میں Address (مخاطب) کیا اور کس انداز میں دعا کی درخواست کی۔ کوئی کس طرح اس کے پاس آکر بیٹھا۔

یاد رکھیے! دوسروں کے یہ سارے رویے صرف اُس وقت تک جھگ کرتے ہیں جب انسان میں انسانی بات ہوئی ہے جب کہ فقیر تو پہلا کام ہی یہ کرتا ہے کہ اپنی انا کو مارتا ہے البتہ وہ رہتا انسان ہی ہے۔ جس طرح ایک عام انسان کی طبیعت صاف ستھری اور سلیقے والی چیز کو دیکھ کر بشاش ہو جاتی ہے اسی طرح خوش اطوار خوش عادات شخص کو دیکھ کر فقیر کی نفاست پسند طبیعت خوش ہوتی ہے۔ فقیر کی فیس طبع کے خلاف کوئی بات ہوگی تو عام انسان کی مانند اس کی طبیعت پر بھی وہ گراں گزرتے گی۔

فقیر اپنی Instincts پر Control کو Develop کر لیتا ہے۔ اپنی طبیعت اور Reactions پر قابو پالیتا ہے لیکن رہتا وہ انسان ہی ہے۔ اگر کوئی شخص اُس کے پاس بیٹھ کر غیر مہذبانہ حرکتیں کرتا ہے تو فقیر React تو نہیں کرے گا، چڑے گا بھی نہیں، ناگواری بھی محسوس نہیں کرے گا لیکن اُس کی طبیعت کی نفاست پر یہ رویہ گراں گزرتے گا۔ مثلاً میں فقیر کے پاس جا کر 1857ء سے اپنی داستان شروع کرتا ہوں کہ میرے پردادا کو شیردانی کے بن بند کرنے میں بہت دقت پیش آئی تھی۔ میرے دادا کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ انھوں نے بن کی جگہ پر استعمال کرنا شروع کر دی۔ میرے والد صاحب بھی اسی مسئلے سے گزرے اور اب اُسے بھی اپنا اثرات کے بن بند کرنے میں پورے ساڑھے تین مہینے لگ جاتے ہیں۔ آپ دعا کر دیجیے کہ کوئی اطمینان دیکھے کہ کثرت کے بن خود بخود بند ہو جایا کریں۔

فقیر اس طویل داستان کو قتل سے سنتے ہوئے اُس کے غم ہونے کا اظہار کرتا رہا ہے۔ وہ میرا مسئلہ جان لے گا ہے لیکن دعا کے لیے اپنی باری کا انتظار کرتے سینکڑوں لوگوں کی بے چینی کی وجہ سے وہ چاہتا ہے کہ میرا یہ مسئلہ مختصر ایک جملے میں بیان کر دوں۔ یہ بے چینی ہے ناگواری نہیں۔ اگر میری بے چینی طویل داستان کے دوران دو مجھ سے یہ کہو Please try to be brief تو مجھے لگتا ہے کہ شاید صاحب دعا نے ناگواری

کا اظہار کیا ہے۔ اگر کسی ایسا ہو کہ میں نے سینما کا ٹکٹ خریدا اور پھر فقیر کے پاس دے دیا کہ لیے چلا آیا۔ اُس کے کمرے کے دروازے پر کھڑے کھڑے ہی سلام کیا اور عرض کی کہ صاحب! دُعا کر دیجیے کہ میری شرٹ کا جن جلدی بند ہو جایا کرے، اجازت دیجیے۔ السلام علیکم ادا کیجئے میں آیا ہے کہ ایسے شخص کے لیے فقیر نے بڑے دل سے دُعا کر دی اور Next time اُسے Welcome کیا۔

فقیر طویل بات کے جواب میں ناگواری کا اظہار نہیں کر رہا ہوتا بلکہ اصل میں اس طویل بات کی وجہ سے دوسروں کے انتظار طویل ہونے کی وجہ سے بے چینی محسوس کر رہا ہوتا ہے۔

آپ فقیر سے دُعا کرانے کے لیے آداب کی فکر نہ کیجیے۔ بس یہ یاد رکھیے جو شخص خود بنفس ہے گفتگو بھی نہیں کرتا ہے، جس کا لب و لہجہ اور الفاظ بھی Pleasant (خوش گوار) ہیں ایسا شخص فقیر تو کیا سب ہی کو پسند آ جائے گا۔

آپ اپنے آپ کو ہی دیکھ لیجیے کہ آپ کو کیسے لوگ پسند آتے ہیں۔ فقیر کیوں ہر کسی کو پسند آتا ہے؟ کیونکہ وہ کسی کے سامنے اپنے دکھ بیان نہیں کرتا، اپنی مشکلات کا ردِ نا نہیں روتا، اپنی بد حالی کا ذکر نہیں کرتا۔

جب فقیر بھوکا ہوتا ہے تو خود کو پیٹ بھر اظہار کرتا ہے وہ مشکل اور دکھ میں ہو تو خود کو بہت خوش حال ظاہر کرتا ہے۔ یہ دراصل فقیر کا اندازِ شکر ہے جو وہ رب کے حضور اختیار کرتا ہے کہ میں اپنے آقا کا شکوہ کیسے بیان کروں جو ہمیشہ سے مجھے پاتا آیا ہے اور آج بھی مجھے پال رہا ہے۔ پھر میں اپنی زبان سے کیسے کہہ دوں کہ اُس نے مجھے تنگ دست اور بیمار رکھا ہے۔ فقیر کسی رب کا شکوہ بیان نہیں کرتا۔ اس لیے لوگ سمجھتے ہیں کہ شاید اُسے کوئی دکھ یا تکلیف ہی نہیں۔ ایسا نہیں ہوتا۔ وہ بھی انسان ہے، اُس پر بھی ایسے بُرے دن آتے رہتے ہیں لیکن وہ نہ سے دنوں کا کسی سے تذکرہ نہیں کرتا کیونکہ یہ اُس کے نزدیک ناشکر گزاری ہے۔

جب ہم اپنے دکھ کسی کے سامنے بیان نہیں کرتے بلکہ دوسروں کے دکھ و درد سے سنتے ہیں، اُن پر مرہم اور تیلی کا پتہ ہمارے ہاتھ میں تو سب کو پسند آنے لگتے ہیں۔

یہ مت بھولیے کہ فقیر بھی انسان ہے۔ اگر ہم اس کے سامنے خوش گوار لہجہ اور الفاظ میں بات کریں گے تو اُس کے دل میں اثر چاہیں گے۔

فقیر کی دعا سے زیادہ اہم یہ ہے کہ فقیر کسی سے پیار کرنے لگ جائے۔ فقیر کا دوست رب! تواضع دار اور حیا دار ہے کہ از خود اپنے دوست کے کام کو شرم و خجالت سے بھر جاتا ہے۔

سوال: حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے قول 'میرا پاؤں تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہے' کی وضاحت کر دیجیے۔

جواب: حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو جو بلند مقام ہوئی وہ دیگر اولیاء اللہ کے مقام سے بہت زیادہ ہے۔ آپ کو اللہ نے بہت فصاحت و بلاغت عطا فرمائی تھی۔ بھلاستے یہ فرمانے کے کہ میرا مقام تمام اولیاء اللہ سے بلند ہے انھوں نے فرمایا کہ میرا پاؤں تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہے۔

سوال: (الف) قرآن پاک کی نسبت احادیث میں قرآن و آثارِ قیامت کی تفصیلات زیادہ ملتی ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

(ب) کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اُٹھا کر (نعوذ باللہ) آپ سید عالم سے بلند مقام دے دیا گیا؟

جواب: قرآن پاک Symbolic کتاب ہے اس میں عام طور پر واقعات کی تشریح نہیں کی گئی۔ قیامت کے روز جو کچھ ہو گا اُس روز کی Happenings قرآن نے بیان کر دیں کہ سورج سوانیزے پر آ جائے گا۔ پہاڑ روٹی کے ٹکڑے بن کر اڑیں گے۔ ہر شے فنا ہو جائے گی۔ پھر قیامت کے بعد کا منظر بیان کر دیا کہ سورج و مہر و کھل پھول کا جائے گا اور مردے زندہ ہو جائیں گے۔

احادیث ان قرآنی آیات کی تفسیر و وضاحت بیان کرتی ہیں۔ احادیث میں قیامت کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں کہ جب فلاں فلاں واقعات پیش آئیں گے تو سمجھ لیں کہ قیامت قریب ہے۔

یہ سمجھنا اور کہنا بالکل غلط ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اُٹھا کر (نعوذ باللہ) آپ سید عالم سے بلند مقام دے دیا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ ضرور تشریف لائیں گے لیکن ایک پیغمبر نہیں بلکہ آپ سید عالم کے امتی کے طور پر۔ نبوت کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام شبِ معراج آپ سید عالم کے چہچہ نماز پڑھ چکے۔ وہ بطور مقتدی اور امتی آئیں گے۔ یاد رکھیے مقتدی کا درجہ بھی امام سے زیادہ نہیں ہوتا اور آپ سید عالم امام الانبیاء ہیں۔

حسن آگہی

سوال: سورۃ المزمل کے بارے میں کچھ بتائیے بالخصوص یہ کہ آپ ﷺ کو ”مزمل“ کہہ کر پکارنے کی وجہ کیا ہے؟

جواب: سورۃ المزمل کے 2 رکوع اور 20 آیات ہیں۔ جناب حسن بصری رحمہ اللہ اور ان کے ہم عصر بعض بزرگوں کے مطابق سورۃ المزمل مکمل طور پر یہی ہے جب کہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس کا پہلا رکوع مکی اور دوسرا مدنی ہے۔ انھوں نے اس کی دلیل یہ دی ہے کہ دوسرے رکوع میں جہاد اور زکوٰۃ کا ذکر ہے چونکہ حقیقت بھی یہی ہے کہ مکہ میں کبھی جہاد اور زکوٰۃ کا تذکرہ نہیں ہوا بلکہ یہ احکامات مدینہ ہی میں نازل ہوئے اس لیے حضرت ابن عباسؓ کی بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کو ”مزمل“ کہہ کر پکارنے کی وجہ روایات صحیحہ میں یوں بیان کی جاتی ہے کہ ابتدا میں جب حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کی خدمت میں وحی لے کر نازل ہوئے تو اُس وقت آپ ﷺ پر وحی کی دہشت، خوف اور حیرت کا غلبہ قدم سے زیادہ تھا۔ آپ ﷺ اسی کیفیت میں گھر تشریف لے گئے اور بی بی صاحبہ (حضرت خدیجہؓ) سے فرمایا ”زملونی زملونی“ (مجھے کپڑا دو، ہادو، مجھے کپڑا دو، ہادو)۔ عربی زبان کی فصاحت و بلاغت تمام زبانوں سے زیادہ ہے۔ عربی لغت میں ”مزمل“ اس شخص کو کہتے ہیں جو بہت بڑے کشادہ کپڑے کو اپنے اوپر لپیٹ لے۔ عرب کے Rich culture کے مطابق جب کسی شخص کو اپنائیت اور پیار سے پکارا جاتا ہے تو جس حالت میں وہ موجود ہو اسی کے مطابق اسے مخاطب کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک بار جب حضرت علیؓ بی بی صاحبہ (حضرت فاطمہؓ) کی کسی بات پر غصیدہ ہو کر گھر سے تشریف لے گئے اور مسجد میں جا کر زمین پر لیٹ گئے تو آپ ﷺ نے انھیں یوں مخاطب فرمایا تھا ”قد ابو تراب“ (اے ابو تراب اٹھو۔ لوٹ۔ ابو تراب کا معنی ہے جس کے جسم پر ٹیٹی لگی ہو)۔

آپ ﷺ پر یہ کہہ چکا ہوں کہ چاند اور سورج سے بھی نور رب تعالیٰ نے اُس اور لطف کے اظہار کے طور پر آپ ﷺ کو ”ایما المزمّل“ کہہ کر مخاطب فرمایا۔ یہ رب تعالیٰ اور اُس کے محبوب کا معاملہ ہے۔ وہ جس طرح چاہے اپنے محبوب کو پکارے ہم اُس پر Comment نہیں کر سکتے۔

سورۃ المزمل عام طور پر رات کے وقت پڑھی جاتی ہے۔ رات کو اس کی تلاوت کرنے سے انسان میں

روانہ ہوتی ہے اور اس سورہ کی تلاوت کے زیادہ اچھے اثرات ملتے ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نصف شب، اُس سے کچھ زیادہ یا کم عبادت کی تلقین کی ہے اور یہی آپ ﷺ کا معمول بھی تھا۔ آپ ﷺ کا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سجدہ کے وقت عبادت الہی کی تاکید فرمایا کرتے اور صحابہ کرام اس پر عمل بھی کرتے۔

عبادت الہی کی تاکید فرمایا کرتے اور صحابہ کرام اس پر عمل بھی کرتے۔ جو شخص نصف شب، اُس سے کچھ کم یا زیادہ رب کی عبادت میں مشغول رہتا ہے پھر کچھ دیر سوچتا ہے اور بعد ازاں تہجد کے لیے بیدار ہوتا ہے، تو نفل ادا کرتا اور تلاوت قرآن پاک کرتا ہے، پھر کچھ دیر کے لیے سوچتا ہے اس کے بعد دوبارہ بیدار ہو کر فجر کی نماز ادا کرتا ہے تو اُس شخص میں روحانیت بہت تیزی سے پیدا ہوتی ہے۔

اسلام نے تورب کے قرب کے حصول کا یہ طریقہ چودہ سو سال پہلے بتایا تھا لیکن مکینیکل سائنس کی حالیہ تحقیق نے اہلما سابقہ تھیوری کو Negate کیا ہے کہ چھ یا آٹھ گھنٹے کی مسلسل نیند سے انسانی صحت اچھی رہتی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اسلام کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔ وہ یوں کہ مکینیکل سائنس کی نئی تحقیق کے مطابق مکینیکل طویل نیند انسان کی جسمانی اور ذہنی صحت کے لیے مضر ہے جب کہ چھوٹے چھوٹے Spells میں نیند لینے سے انسان ذہنی و جسمانی طور پر صحت مند رہتا ہے۔

عشاء، تہجد اور فجر کی نماز کے اوقات اسی سلسلے کی Punctuation ہیں۔ اگر انسان عشاء کی نماز کے بعد نصف شب تک رب کا ذکر اور عبادت کرتا ہے پھر دوڑ حوائی گھسنے کی نیند کے بعد دوبارہ اُٹھتا اور تہجد ادا کرتا ہے بعد قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے۔ اس کے بعد کچھ دیر کے لیے سوچتا ہے اور پھر بیدار ہو کر نماز فجر ادا کرتا ہے تلاوت کلام پاک کرتا ہے تو نیند کے چھوٹے چھوٹے Spell سے موجودہ مکینیکل سائنس کے مطابق انسان کی جسمانی و ذہنی صحت بہت اچھی رہتی ہے۔

لیکن یہ بھی یاد رہے کہ فرض عبادات کی ادائیگی میں انسان کو بہت سخت ہونا چاہیے جب کہ نفل عبادت میں اعتدال ضروری ہے۔ یہ نہ ہو کہ رات بھر جاگ کر نفل عبادت اس کثرت سے کی جائیں کہ انسان دن بھر اُدھڑتا رہے اور فرائض تک نہ ادا کر سکے۔ جب وہ روٹیں میں اعتدال کے ساتھ عبادت کرتا ہے تو باقاعدگی برقرار رہتی ہے اور اس معمول کو ذوق و شوق سے سرانجام دینا بھی آسان ہو جاتا ہے۔

سوال: کیا والدین کی خدمت کرنا صرف بیٹے کا ہی فرض ہے؟

جواب: بیٹا ہو یا بیٹی۔ والدین کی خدمت دونوں پر فرض ہے لیکن ہمارے ہاں کچھ معاشرتی پابندیوں کی وجہ سے عموماً یہ فرض بیٹوں تک محدود سمجھا جاتا ہے۔

یاد رکھیے! Cultural values اکثر دیگر ادنیات کے مقابلے میں زیادہ Strong ہوتی ہے۔ ہم اپنی روزمرہ زندگی ہی دیکھ لیں تو شرعی احکامات کی ادائیگی میں بہت جگہ ہمیں Failures نظر آتی ہیں۔ کیونکہ ہم Cultural values (جملہ ہی اقدار) کے ذریعے Drive کیے جاتے ہیں۔ تلاوت یا سست کی

میں سنی عقیدہ ہوں لیکن نو اور دس محرم کو اگر ہفتہ یا اتوار کا دن ہو تو ان دنوں کے احترام میں دعا اور پکچر کے لیے Available نہیں ہوتا۔

حضرت امام حسین ہم سب کے لیے انتہائی قابل احترام ہیں۔ حضرت امام حسینؑ آپ سنیوں کے انتہائی عزیز و نواسے تو ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ حضرت امام حسینؑ نے جو قربانی دی ہے وہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں تھی۔ اگر ہم ازراہ احترام و تشکر ان کی شہادت کے روز قرآن پاک اور نوافل پڑھیں اور اس کا ثواب حضرت امام حسینؑ کی روح کو بطور نذرانہ پیش کر دیں تو یہ ایک بہترین عمل ہوگا۔

اللہ پاک آپ پر رحم فرمائے اور اس کا اجر عطا فرمائے۔ آمین! ثم آمین!

دوسروں کی سنی

اسلام بہت کم خواہن و حضرات!

ایک نوجوان جن کا تعلق West سے تھا آپ سب کی طرح انھیں بھی روحانیت کی جستجو ہوئی۔ وہ دنیا بھر میں گھومتے رہے۔ مختلف مذاہب کی روحانی ہستیوں سے ملاقاتیں کیں، ان کا بغور مطالعہ کیا۔ چلتے چلتے برصغیر آئے اور مختلف لوگوں سے ملاقات کرنے لگے۔ بالآخر وہ ایک ایسے شخص کے پاس پہنچے جو واقعی صاحبِ علم و نظر تھے۔ چند دن تک ان کے رہن سہن، ماحول اور طور طریقوں کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد انھیں محسوس ہوا کہ یہاں جیانی موجود ہے۔ انھوں نے ان صاحبِ علم و نظر کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میں گزشتہ 20 دن سے آپ کی خانقاہ میں موجود ہوں اور اب چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اپنا شاگرد بنالیں۔ انھوں نے ان سے ہٹا کر، بننے کی وجہ پوچھی تو نوجوان نے کہا ”میں امریکہ، یورپ، مڈل ایسٹ، فراریسٹ سے ہوتا ہوا مختلف لوگوں سے ملاقاتیں کرنے کے بعد آپ کے پاس آیا ہوں۔ مجھے آپ کے پاس وہ سچائی نظر آئی ہے جو اب تک کسی مذہب میں نظر نہیں آئی۔ اس لیے میں آپ کا مذہب اختیار کرنا چاہتا ہوں۔“

ان شخص نے بہت خوب صورت جواب دیا ”اگر تم نے Deeply چیزوں کو نہ دیکھا ہوتا تو تمہیں بہت سی جگہوں پر سچائی مل جاتی۔“

یہ بات بہت حیران کن بھی تھی اور اس Knowledge-seeker کے لیے نئی بھی کیونکہ دنیا کی ساری تہذیب تو کہتی ہیں کہ ہر شے کا بغور مطالعہ و مشاہدہ کیا جائے تاکہ اس کی حقیقت سامنے آجائے جب کہ یہ صاحبِ نظر و علم کچھ اور کہہ رہے تھے۔

وہ نوجوان کہنے لگا ”بات سمجھ نہیں آتی۔“ صاحبِ نظر نے کہا ”دیکھو! جب ہم چیزوں کو گہری نظر سے دیکھتے ہیں تو ہم انھیں Subjectively دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ ہر شے دیکھ کر کسی خاص نتیجہ پر پہنچنا چاہ رہے ہوتے ہیں۔ وہ نتیجہ ہمارا Subjectively ہوتا ہے۔“

جب ہم چیزوں کو Subjectively دیکھیں گے تو سچائی واضح نظر نہیں آئے گی۔ سچائی ہمارے نقطہ نظر کے غول چنے سے جائیں گے۔ انسان اسی وقت علم سیکھ سکتا ہے جب وہ سمجھنے کی Deliberate attempt نہ کرے۔ Conscious effort نہ کی جائے تو بات سمجھ آ جاتی ہے اور انسان علم سیکھ جاتا ہے وہ وہ Conscious effort کرنے سے علم پانے نہیں پاتا۔

ہم جو بات سننے میں وہ سننے پر مجبور ہوتے ہیں۔ جس جس طرف ہماری آنکھیں گھومتی ہیں ہم وہ چیزیں دیکھنے پر مجبور ہوتے ہیں کیونکہ ہماری آنکھیں وہ سب دکھا رہی ہوتی ہے۔ مثلاً اگر ہم سو چیزوں میں سے میز دیکھنا چاہتے ہیں تو باقی چیزوں کو سرسری نظر سے دیکھیں اور صرف میز تلاش کریں گے۔ یوں 99 چیزوں کو Register نہیں کر پائیں گے مگر سرسری نظر سے دیکھیں گے۔ یوں ہم ایک میز کی خاطر 99 چیزوں کو جاننے سے محروم رہ گئے۔ لیکن اگر ہم ہر چیز کی تلاش میں نہیں تو 100 چیزیں ہمارے ذہن میں Register ہو جائیں گی اور ہم 100 چیزیں دیکھ جائیں گے۔

ہم بظاہر جانتے ہیں۔ وہاں اللہ کی مخلوق ہے۔ ہم خوب صورت اور قابل قبول چیزوں کو بھی دیکھتے ہیں اور ایسی چیزوں کو بھی جو زیادہ خوب صورت نہیں ہیں۔ Wheatish, Fair (گندمی) اور Dark wheatish complexion (گہری گندمی رنگت) کو بھی دیکھتے ہیں۔ اگر ہم Particular dark complexion دیکھنا چاہیں گے تو باقی Ignore کرتے چلے جائیں گے۔

اسی طرح علم میں جب کسی خاص پہلو سے چیزوں کو ڈھونڈتے ہیں تو دوسری چیزوں کو Ignore کرتے چلے جاتے ہیں۔

علم سیکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم کبھی بھی Subjective نہ ہوں اور Predetermined مقاصد نہ رکھیں۔ اس طرح علم جمع ہوتا ہے اور جب علم جمع ہوتا ہے تو اس سے ہماری عقل اور ہمارے علم میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور بالآخر ہم اس وسعت نظر اور Broad mental horizon سے سچائی کو پہچاننے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ ہم سچائی کو اس وقت تک نہیں جان سکتے جب تک Variety and quality of knowledge کم ہو۔ سچائی کو پرکھنے کے لیے ان دونوں چیزوں کا ہونا بہت ضروری ہے۔

اس شے نے انگریزوں سے بالکل درست کہا تھا کہ تم جس مذہب کے لوہے والی لوگوں سے مل آئے ہو وہاں بھی سچائی موجود ہے لیکن چونکہ تم باہر سے پہنچے تھے اس لیے تم نے یہاں Subjectively چیزوں کو نہیں دیکھا سو تمہیں میرے پاس سچائی دکھائی دی۔

صحابہ اہل بیتؑ کہ جب ہم زہد و عبادت کی تلاش میں فقیرانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں ہم زہد و عبادت کے علاوہ باقی تمام چیزوں سے محروم رہ جاتے ہیں اور ان کے لیے ہمارا ذہن Receptive نہیں رہتا۔ نتیجتاً ہم زہد و عبادت کو پہچان نہیں پاتے اور وہ آکر ہمارے ہاتھوں سے نکل جاتی ہے۔ ہمارے پاس علم ہوا اور ہم اسے پہچان نہیں سکتے۔ علم اس وقت حاصل ہوگا جب ہم ہر چیز کو دیکھتے اور Register کرتے چلے جائیں گے۔ وہ علم تو سیکھتے سیکھتے ہمارے پاس جمع ہو گیا ہے وہ ہمیں زہد و عبادت کو سیکھنے میں مدد کرے گا۔

میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ ہم زہد و عبادت کو تلاش کرتے ہیں۔ مگر فرماؤ شاہ صاحب کے پاس پہلے علم نہیں ہے اس لیے اپنی علمی کی وجہ سے انھوں نے زہد و عبادت کے حوالے سے اپنا

معیار اور Yardstick مقرر کر رکھی ہے۔ شاہ صاحب چونکہ زہد و عبادت میں دل جمعی رکھتے ہیں اور اسے سیکھنا چاہتے ہیں اس لیے کوئی اور بات سننے کو تیار ہی نہیں ہوا اس کے کہ مجھے یہ بتائے کہ آپ مجھے کونسا سبق دے رہے ہیں یا نہیں۔

یوں شاہ صاحب زہد و عبادت کی بلڈنگ کی 20 ویں منزل پہنچے تھے کہ چاہتے ہیں اور بنیادوں پر کوئی دھیان نہیں دیتے۔ حالانکہ بنیادوں کی تیاری کے بغیر 20 ویں منزل کی تعمیر ممکن نہیں۔ بات شاہ صاحب سمجھنے کو تیار نہیں۔

شاہ صاحب کو ایک عادت ہو جاتی چاہیے کہ اگر وہ کہیں دیکھتے ہیں کہ جو اٹھایا جا رہا ہے یا چوری ہو رہی ہے تو وہ دیکھیں کہ جو اور چوری کا فن کیا ہے۔ کوئی شخص جھوٹ بول رہا ہے تو وہ دیکھیں کہ جھوٹ کیسے بولا جاتا ہے۔ یہ سب سیکھتے سیکھتے شاہ صاحب کا دماغ اللہ تعالیٰ یوں پالش کر دے گا کہ شاہ صاحب اچھے اور بُرے میں تمیز کرنا سیکھ جائیں گے اور جب وہ خود اچھے اور بُرے میں تمیز کرنے لگیں گے تو سچائی کو بھی خود دریافت کر لیں گے۔

اگر ہم علم سیکھنا چاہتے ہیں تو اپنے ذہن کو بند نہ کریں۔ ایک انگریز نے یونیورسٹی میں محو ہوتے وقت اس کا ایک بہت خوب صورت گرتا تھا کہ

If you want to succeed in business, meet more people, more people and more people.

یہ بزنس چلانے کا بہترین اصول ہے۔ میرا کہنا یہ ہے کہ اگر ہم علم سیکھنا چاہتے ہیں تو دوسروں کو سننے کی عادت ڈال لیں۔ اپنی نہ کہیں۔۔۔ دوسروں کی سنیں۔ لیکن میں ایک شعر سناتا تھا:

بہرا ہوں اگر میں تو کس درجہ ہے آسائش

اوروں کی نہیں سنتا بس اپنی ہی کہتا ہوں

یعنی اگر میں سننے کی صلاحیت سے محروم ہو گیا تو کیا ہوا پھر بھی فائدہ میں ہوں کہ دوسروں کو سننے اور اپنی ہی کہنے جاتا ہوں۔ لیکن یہ علم سے بھاگنے کا سنہری اصول ہے۔ اگر آپ علم سیکھنا چاہتے ہیں تو پھر اپنی بات کہیں بلکہ دوسروں کی سنیں۔

سوال: ایک انسان دلی طور پر اللہ کی معرفت رکھتا ہے اور اسے یقین ہے کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں لیکن وہ ایمان کا اعلان اور اظہار کیے بغیر مر جاتا ہے تو کس حیثیت سے مرا۔ مسلمان یا کافر؟

جواب: اس میں دو باتیں ہیں۔ ایک ہے Prerequisite اور دوسری اعلان۔

اگر کوئی شخص دل میں کلمہ پڑھتا اور کہتا ہے کہ میں ایمان لایا اس رب پر جو وحدہ لا شریک ہے۔ میں اس بات پر ایمان لایا کہ آپ ﷺ کا اللہ کے رسول ہیں۔ پھر وہ شخص حالات کے جبر یا کسی اور مجبوری کے تحت مسلمان ہونے کا اعلان نہیں کر پاتا تو بھی وہ مسلمان ہی ہے کیونکہ اس نے دو Prerequisite پوری کر دی ہے۔ جو کہ غیر مسلم سے مسلم ہونے کے لیے کافی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مبارک کیا ہے؟ مبارک یہ ہے کہ وہ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیے بغیر مر جاتا ہے تو بھی اُس کی موت بطور مسلمان ہی ہے۔

سوال: آپ نے ایک بار بتایا تھا کہ آپ بیعت نہیں کرتے۔ لندن میں موجود ایک صاحب نے ہمیں بتایا کہ وہ اور اُن کے بیٹے آپ سے باقاعدہ بیعت ہیں جو آپ نے ہاتھ میں ہاتھ دے کر لی تھی۔ اس کی وضاحت فرمائیے۔

جواب: بات اُس وقت دشوار ہو جاتی ہے جب مجھے اپنی نہیں دوسروں کی کہی اُس بات کی وضاحت دینی پڑ جائے جسے میں چاہتا ہی نہیں۔ حضرت اُبات یہ ہے کون آپ سے کیا کہہ رہا ہے میں اس کی وضاحت کیسے کروں گا؟ میں تو اپنی ہی کہی بات کی Explanation دے سکتا ہوں۔ ویسے بھی لوگوں کو بیعت تو وہ شخص کرے جو صراطِ مستقیم پر ہو، جس میں ہلکی سی ہی سہی نیکی کی رفق ہو۔ جو شخص گردن تک گناہوں میں ڈوبا ہو وہ کہاں سے بیعت کرے گا؟ جو خود نہ سدھ سکے وہ دوسروں کو کیسے سدھارے گا؟

میرے مرشد (سید یعقوب علی شاہ رحمہ اللہ) بہت بڑے آدمی تھے۔ میں نے اُن کے بہت احوال دیکھے۔ بحیثیت مرید نہیں بلکہ مغربی تعلیم یافتہ شخص کی نظر سے اُن کا مشاہدہ کیا۔ اور اس کے باوجود انھیں بہت بلند پایا۔ مجھے یاد نہیں کہ انھوں نے کبھی کسی کو مع میرے بیعت کیا ہو۔ البتہ میرے معاملے میں ایک بار انھوں نے فرمایا تھا "میاں امداد سے سلسلے میں تو نگاہوں سے بیعت کی جاتی ہے، ہاتھوں سے نہیں۔" مرشد صاحب نے مجھ تین چیزیں وظائف فرمائیں۔

- شروع میں انھوں نے مجھے جب وظائف فرمادی اور Publicly یہ Announce بھی کر دیا۔
 - پھر انھوں نے Publicly announce کیا کہ میرے مرید ہیں۔
 - آخری دنوں میں Announce کر دیا کہ میرے مرشد صاحب کے بھی ایک ہی خلیفہ تھے (میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) اور میرے بھی یہ ایک ہی خلیفہ ہوں گے۔
- لیکن اس سب کے باوجود مرشد صاحب نے کبھی ہاتھ میں ہاتھ لے کر مجھے بیعت نہیں کیا۔ نہ ہی میں نے انھیں خود بھی یہ کہا۔ کیونکہ جب مجھے ہر شے بیعت کیے بغیر اُن سے مل رہی تھی تو میں پاگل تھا کہ اپنے آپ کو کسی کے ہاتھ سے لے لیں۔

خداوند تکمل کی لیکن کبھی انھوں نے مجھے بیعت نہیں کیا البتہ اپنے مخصوص لہجے میں یہ ضرور ایک مرتبہ فرمایا "امداد سے سلسلے میں تو نگاہوں سے بیعت ہوتی ہے۔"

سوال: کیا احادیث میں موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بطور امتی ہوگا؟

جواب: آپ سیدہ کے فرمان کا مفہوم ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ تشریف لائیں گے تو بحیثیت مسلمان تشریف لائیں گے۔ جو شخص مسلمان ہے یا اسلام میں آگیا یا اسے گا وہ آپ سیدہ کا امتی ہے اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی جب امتی ہی کہلائیے گے۔

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ نزول کے وقت نبی کے بجائے امتی ہونے سے اُن کی موت کا تو انکار ہو جائے گا۔

جواب: جب معراج مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء علیہم السلام نے آپ سیدہ کی اقتدا میں نماز پڑھی اس لیے آپ سیدہ علیہم السلام امام الانبیاء کہلائے۔

تمام پیغمبر مسلمان تھے اور اسلام میں تھے۔ قرب قیامت میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو گا تو اُن کے نبی ہونے پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ پہلے بھی وہ مسلمان تھے۔ بطور امتی بھی وہ مسلمان ہی ہوں گے۔

سوال: قرآن پاک کے مطابق پیدا کرنا، مارنا اور رزق دینا اللہ کا کام ہے۔ روایات کے مطابق قرب قیامت کے وقت دجال بھی یہی کام کرے گا۔ کیا تب قرآن کی تعلیمات بدل جائیں گی اور نعوذ باللہ و جلال اللہ کے اختیارات استعمال کرے گا؟

جواب: مسئلہ وہاں پیدا ہوتا ہے جب ہم الفاظ پر جاتے ہیں۔ ظاہری لفظوں کو دیکھتے ہیں۔ اُن کی توجہ کو نہیں۔ اُس نیت کو نہیں دیکھتے جس کے تحت وہ الفاظ ادا کیے جا رہے ہوتے ہیں۔ پہلے بھی بہت سے لوگوں بمع فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ اُن کے خدائی کے دعویٰ سے کوئی خدا نہیں بن گیا۔ خدا ہی ہے جو اہل میں ہے۔

اگر کل کو کوئی بادشاہ یا حکمران یہ کہہ دے کہ اپنے ملک میں بسنے والوں کو رزق میں دیتا ہوں تو معاذ اللہ وہ رب نہیں کہلائے گا۔ وہ تو اصل میں Post man ہے۔ جس طرح آپ کے کسی دوست، احباب، والدین یا رشتہ دار کی طرف سے بھیجا گیا مانی آرڈر Post man آپ کو لاکر دیتا ہے اور آپ اُس Post man کا کوئی احسان نہیں مانتے۔ اسی طرح بادشاہ اگر رزق تقسیم کر رہا ہے اور وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہو جائے کہ یہ رزق تو دے ہی میں رہا ہوں تو اپنی اس سوچ سے وہ رازق یا خدا نہیں بن جائے گا۔ یہ سراسر اُس کی غلط فہمی ہے۔ اسی طرح دجال اپنے آپ کو (نعوذ باللہ) رب کہے گا لیکن اُس کے رب کہنے سے وہ رب نہیں بنا جائے گا۔ آخر کار وہ اللہ کے ایک نبی علیہ السلام کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچے گا۔

لندن میں ایک صاحب نے مجھے کہا "شاہ صاحب افلاک شخص (نام نہیں لوں گا) نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ امام مہدی ہیں کیونکہ اُن کے مطابق اُن کی تصویر چاند میں دکھائی دیتی ہے اور حجر اسود میں بھی۔"

میں نے کہا "میں کسی کے دعویٰ کی تائید یا تردید نہیں کرتا میں صرف یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ سیدہ علیہم السلام نے امام مہدی کے ظہور کی جو نشانیاں بتائی ہیں اگر وہ سب وقوع پذیر ہو چکیں اور اُن کے آنے سے پہلے ہی امام مہدی کا ظہور ہو گیا ہے تو پھر مان لیجئے کہ وہ امام مہدی ہیں۔ اگر نہیں ہوتیں تو وہ صاحب امام مہدی نہیں۔"

اسلام کا غلبہ ہو گیا ہے تو پھر مان لیجئے کہ وہ امام مہدی ہیں۔ اگر نہیں ہوتیں تو وہ صاحب امام مہدی نہیں۔ وہ قیامتی ہے۔ دجال یا در کئی دعویٰ کر لینے سے کوئی انسان ویسا نہیں جاتا۔ بلاشبہ رب کو موت نہیں۔ وہ قیامتی ہے۔ دجال فانی ہے۔ اُس کو موت آئے گی۔ خدائی کے دعویٰ سے کوئی رب نہیں بن جاتا۔ مذہب کے اختیارات استعمال کر سکتا ہے۔

”اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے سوا کرم چلے ہو۔“ (ہود: 6)

3۔ رزق مملوک

وہ رزق ہے جو انسان اپنے اٹائے ہوا کراہان کے ذریعے کما رہا اور تجارت کر کے حاصل کرتا ہے۔

4۔ رزق موعود

وہ رزق ہے جو رب تعالیٰ درویشوں کو بغیر ذرائع کے عطا کرتا ہے۔ قرآن پاک میں اس رزق کا ذکر کیا گیا ہے کہ جو اپنے آپ کو رب تعالیٰ کی راہ میں وقف کر دیتے ہیں انہیں یہ رزق دیا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

”اور جو اللہ سے ڈرنے والا ہے اللہ اُس کے لیے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے

وہاں سے روزی دے گا جہاں اُس کا گمان بھی نہ ہو۔“ (الطلاق: 3, 4)

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انسان کو رزق مقوم پر توکل کرنا چاہیے لیکن رزق مقوم اور رزق مملوک پر توکل نہ کیا جائے جب کہ رزق موعود تو ہے ہی درویشوں کے لیے جو رب تعالیٰ پر توکل کر کے بیٹھتے ہیں اور رب تعالیٰ انہیں مختلف ذرائع اور اسباب سے رزق پہنچا دیتا ہے۔

اگر رزق مقوم ہے تو پھر ہمیں اس بات کا یقین کر لینا چاہیے کہ رب تعالیٰ ہمیں اور ہماری اولاد کو بھوکا نہیں مرنے دے گا۔ جو رزق اُس نے ہماری تقدیر میں لکھ دیا وہ ہر حال میں ہمیں ملے گا۔ نہ اُس میں ایک اونس کی ہوگی نہ اضافہ۔ یہ رزق Guaranteed ہے۔

انسان تین وجوہات کی وجہ سے غلط کام کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

1۔ جاب چھین جانے کا خوف

2۔ جان سے مارے جانے کی دھمکی

3۔ رسوائی کا ڈر اور دھمکی

ہم ان تینوں باتوں سے خوف زدہ رہتے ہیں اور غلط کام کر لیتے ہیں۔ ہم لوٹا کھانے والوں کے پاس جا کر Assurance لینے کی کوشش کرتے ہیں کہ کہیں ہمارا رزق تو ختم نہیں ہو جائے گا۔

جب رب تعالیٰ کا یہ دعویٰ بھی ہے اور وعدہ بھی کہ رزق میں حق ہوں تو پھر ہم رب تعالیٰ کی بات کا یقین کیوں نہیں کرتے؟ اور لوٹا پھیرنے والے کی بات کا یقین کیوں کر لیتے ہیں؟

مجھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایک فرمان یاد آ گیا کہ انسان کے دل کی تین کیفیات یا مقام ہیں

1۔ قلب سلیم

2۔ قلب مہیب

منفی سے مثبت تک

اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت میں ڈر اور خوف رکھا ہے۔ دوسرے اور خدشات بھی انسانی فطرت کا حصہ ہیں۔ شک کا عنصر انسان میں بدرجہ اتم موجود ہے لیکن یہ انسان کے اپنے رویوں پر منحصر ہے کہ انسانی فطرت میں موجود وہ تمام چیزیں جو بظاہر Negative virtue دکھائی دیتی ہیں انہیں انسان اپنے رویوں سے مثبت انداز میں استعمال کر کے Point of disadvantage سے Point of advantage پر چلا جائے۔

شک انسان کو بدرازد کرتا ہے لیکن اسی شک کو اگر ہم مثبت سمت میں لے جائیں اور اُس سے مثبت کام لے لیں تو یہ ہمارے علم میں اضافے کا باعث بن جاتا ہے۔

میں اور آپ ہمیشہ رزق کی کمی کے خدشے میں مبتلا رہتے ہیں۔ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمہ اللہ نے فرمایا ”رزق کی چار اقسام ہیں“

1۔ رزق مقوم

2۔ رزق مضمون

3۔ رزق مملوک

4۔ رزق موعود

1۔ رزق مقوم

وہ رزق ہے جو انسان کی تقدیر میں لکھ دیا گیا اور انسان کو مل کر رہے گا۔ اسی رزق کے بارے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا تھا ”کوئی شخص مرنے تک اس کا رزق نہ ختم ہوگا۔ وہ اپنے رزق کا آخری نوالہ نہ کھائے۔“

2۔ رزق مضمون

وہ رزق ہے جو انسان کو دنیا فاقہ عطا ہوتا رہتا ہے کھانے پینے کی چیزوں کی صورت میں جو اس کے لیے کافی ہوں یعنی اُن کا خدا ناسمین ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

3۔ قلب شہید

”قلب سلیم“ وہ مقام یا کیفیت ہے جب انسان کے دل میں سوائے رب تعالیٰ کے کوئی نہیں رہتا۔ اُس کے دل میں صرف اور صرف رب رہتا ہے۔

”قلب قیہ“ یہ جب انسان تمام گناہوں سے بچے دل سے توبہ یعنی ”توبۃ النصوح“ کر لیتا ہے تو اُس کا دل قلب قیہ کے مقام پر جا پہنچتا ہے۔

”قلب شہید“ جب رب تعالیٰ کسی شخص کو یہ توفیق بخش دے کہ اُسے ہر شے میں رب تعالیٰ کا جلوہ دکھائی دے گئے تو وہ قلب شہید کے مقام پر فائز ہوگا۔

ہم اکثر اس جستجو میں رہتے ہیں کہ ہم رب تک کیسے پہنچ سکتے ہیں۔ یاد رکھیے! رب تعالیٰ اور انسان کے درمیان جابِ صرف انسان کے دل کی آلائشوں کا ہے۔ جب انسان کے دل سے دنیاوی آلائشیں غصہ، کینہ، بغض، حسد، انتقام، جھوٹ، نفیث، حرص، طعاع، حرص جاہ، حرص گفتگو نکل جاتی ہیں تو وہ جابِ اٹھ جاتا ہے۔

ہماری یہ سوچ غلط ہے کہ رب تعالیٰ تسبیح پھیرنے سے ملتا ہے۔ رب تو دلوں کو صاف کرنے سے ملتا ہے، دل کو تمام آلائشوں سے پاک کرنے سے ملتا ہے۔

جو شخص رب تعالیٰ تک پہنچنا چاہتا ہے اُسے اپنے دل کو اس طرح صاف کرنا ہوگا کہ وہ قلب کی تینوں کیفیات حاصل کر لے۔ اُس کے دل میں سوائے رب کے کوئی نہ رہے۔ وہ اس طرح توبہ کر لے کہ دوبارہ گناہوں کی طرف نہ جائے اور کوئی غلط کام نہ کرے اور وہ جس چیز کا بھی مشاہدہ کرے اُس میں اُسے رب دکھائی دے۔ تب بندہ رب تعالیٰ تک جا پہنچتا ہے۔

ایک اور شے جو انسان کی بدترین دشمن ہے وہ انسان کی زبان ہے۔ فقیر سب سے زیادہ زور زبان کی توبہ پہنچتے ہیں اور تحقیق کرتے ہیں کہ زبان سے کوئی ایسی بات ادا نہ ہو جو نہ کہنے کی ہو۔

جناب حمید الدین ناگوری صاحب نے ایک بار Share کیا کہ میں ایک ایسے درویش سے ملا جو لوگوں سے گفتگو نہیں کرتے تھے۔ میں 10 سال اُن کے پاس رہا اور انھیں ہمیشہ خاموش پایا۔ صرف ایک روز انھوں نے ایک جملہ اپنے سر پر دین سے فرمایا ”اگر اپنی زبان کو وہ بات کہنے سے روک لو جو نہ کہنے کی ہو تو تمھاری آخرت سنور جائے گی۔“

اس کے فوراً بعد انھوں نے خود کلامی کی ”یہ میں نے کیا کہہ دیا۔ یہ بات تو کہنے کی تھی۔“ تب انھوں نے اپنی زبان و انتہوں میں اتنے زور سے دہائی کہ اس میں سے خون بہنے لگا۔

انسان کے تمام اعضا زبان کی بدولت ہی چلتے ہیں۔ اگر چہ اصل فقرے زبان کو تمام اعضا کا بادشاہ کہا مگر ساتھ ہی اسے سب سے بڑا دشمن بھی قرار دیا۔

زبان تمام اعضا کی بادشاہ اس لیے ہے کیونکہ اس سے ذکر الہی ہوتا ہے اور دشمن اس لیے کہ اس سے ایسی باتیں نکل جاتی ہیں جو رب تعالیٰ کو پسند نہیں آتی کہ بعض اوقات انسان ایسی باتیں بھی کہہ جاتا ہے کہ جن کی

پچھلے وہ خود بخود گرفت میں آ جاتا ہے۔ میں نے ذاتی مشاہدے سے یہ بات بھی کہیں اور آپ بھی مشعل کے وقت پریشان ہو کر اونا پھیرنے والے کے پاس جاتے ہیں جو ہمیں اس وہم میں اُل دیتا ہے کہ جن کے کسی عمل نے ہمیں اس حال کو پہنچایا ہے۔ حالاں کہ حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ ہم میں سے اکثر یہ سمجھتے ہیں اس لیے گرفتار ہو جاتی ہے کہ یہ ہم غصے میں الفاظ کا صحیح استعمال نہیں کرتے۔ حالتِ غضب میں اپنے الفاظ پر ہمارا کنٹرول نہیں رہتا اور ہم دوسروں کو ایسی بات کہہ جاتے ہیں جس سے اُن کی دل آزاری ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ اپنی مخلوق پر اتنا مہربان ہے اور اُسے اپنے بندوں سے اس قدر محبت ہے کہ وہ بددعا نہ لیں کرتا کہ کوئی اُس کے کسی بھی بندے کی دل آزاری کرے خواہ وہ بندہ جھجھکیا گناہ گار، سرکش اور سیوہ کار ہی کیوں نہ ہو۔

اگر کسی کی زبان کی وجہ سے رب کے کسی بندے کا دل دکھ جائے اور وہ بندہ پلٹ کر زبانی کرنے والے کو کچھ نہ کہے، خاموش رہے تو رب خود اُس کی مدد کو آتا ہے۔

ہم اکثر غصے میں اپنے الفاظ پر قابو نہیں رکھ پاتے اور ایسے الفاظ کہہ دیتے ہیں کہ جن سے غائب کی دل آزاری ہو جاتی ہے۔ ہمارا یہ رویہ ہماری زندگی میں مشکلات کا سبب بنتا ہے۔

سوال: کیا زوج بھی اچھی یا بُری ہوتی ہے؟ روح کی لطافت و بالیدگی سے کیا مراد ہے؟

جواب: سورۃ التین کے مطابق رب تعالیٰ نے انسان کو بہترین تقویم و توازن پر پیدا کیا۔ جب بچہ جنم لیتا ہے تو اُس کی حیثیت ایک ایسے کاغذ کی سی ہوتی ہے جو سفید ہو اور اُس پر کچھ تحریر نہ ہو۔ اب ماں باپ پر منحصر ہے کہ وہ اُس کو رے کاغذ پر قرآنی آیات تحریر کرتے ہیں یا نازیبا الفاظ۔! ہم بچے کو جو کچھ سکھاتے ہیں اُس کی شخصیت ویسی ہی بنتی چلی جاتی ہے۔ ہم غلط طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بچے کو نصیحت اور Dos & Do nots کے ذریعے سب سکھالیں گے حالانکہ بچہ تو Observation (مشاہدہ) کے ذریعے سیکھتا ہے۔ وہ ہمیں جو کچھ کرتے دیکھتا ہے اس کو سیکھتا اور Copy کرتا ہے۔ یہی شخصیت آخرت مکاتے کے کام آئے گی۔ جیسی شخصیت دیکھی آخرت۔ میری بیٹی کی UK ٹرانسفر ہو گئی۔ وہاں انھوں نے اپنی بیٹی کو سکول میں داخل کرایا اور ایک روز محسوس کیا کہ کچھ مہینے گزر گئے لیکن بچی کو ابھی تک انگریزی کے حروف ABC تک کی پہچان نہیں ہوئی۔ انھوں نے سکول جا کر ٹیچر سے Complain کی تو ٹیچر نے بغیر کوئی معذرت خواہانہ انداز اپنا کر کہا ”آپ درست کہتی ہیں۔ ہم مزید ایک سال اُسے کچھ نہیں پڑھائیں گے۔ ہمارے ہاں Pre-school year میں بچے کو یہ سکھایا جاتا ہے کہ دوسروں کے حقوق کیا ہیں اور انھیں کیسے Respect کیا جاتا ہے۔ آپ کے اپنے حقوق کیا ہیں اور آپ نے انھیں کیسے Protect کرتا ہے۔“

یہ بہت باریک بات ہے۔ اگر انسان دوسروں کے حقوق کو Respect کرنے کا احتک سیکھ گیا تو مسلم کی آخرت اور غیر مسلم کی دنیا سنور گئی۔ اُس پر دنیا کے انعامات کی بارش ہو جائے گی کیونکہ رب تعالیٰ لبر مسامحوں کی نیکی کا اجر حاشع نہیں کرتا۔ انھیں دنیا میں ہی صلہ عطا کر دیتا ہے البتہ آخرت میں اُن کا کوئی حصہ نہیں۔

روح بھی کی اچھی ہے لیکن اس نے دنیا میں کیسے Behave کیا، آخرت کا دار و مدار اس رویے پر ہے۔ اگر ہم یہاں رب تعالیٰ کے حکم کے مطابق زندگی گزار لیں تو آخرت سنور جائے گی اور اگر اس کی خلاف ورزی کرتے چلے گئے تو آخرت اچھی نہیں ہوگی۔

روح صرف اچھی ہے کیونکہ وہ بہترین تقویم پر بنائی گئی۔ یہ صرف اعمال ہیں جو اچھے یا بُرے ہیں۔

جہاں تک روح کی لطافت و بالیدگی کا تعلق ہے تو جس طرح جسم کو طاقت پہنچانے اور پردان پڑھانے کے لیے غذا ضروری ہے اسی طرح روح کی غذا ثبوت سوچ اور رب تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اس سے روح پھلتی پھولتی اور طاقت ور ہوتی ہے۔ روح جس قدر طاقت ور ہوگی اسی قدر اس کی پرواز بلند ہوگی۔ اسی کو روح کی لطافت یا بالیدگی کہا جاتا ہے۔

سوال: مرشد مفتی نے لکھا ہے کہ آپ کے مرشد صاحب نے آپ کو ایک لفظ پڑھنے کو دیا تھا اور ہدایت کی تھی کہ اس کے بعد دُعائیں مانگی لیکن آپ نے دُعائیں لی جس پر وہ کچھ عرصہ آپ سے ناراض بھی رہے۔ جواب: یہ تو مجھ جیسے چھوٹے لوگ ہوتے ہیں جو اس انتظار میں رہتے ہیں کہ کوئی معافی مانگے تو وہ اُسے معاف کر دیں۔ بڑے لوگ ایسا نہیں کرتے وہ دوسروں کو اُن کے معافی مانگنے بغیر ہی دل میں معاف کر دیتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ درویش کسی سے ناراض نہیں ہوتے۔ نگلی کا اظہار بھی محض زبان سے ہوتا ہے، دل میں کبھی نہیں ہوتا کیونکہ انھیں اس کی اجازت ہی نہیں ہوتی۔ وہ کبھی بھی دل میں غصہ رکھ کر اپنا حال خراب نہیں کریں گے۔

فقیر کسی کے خلاف غصہ، کینہ، رنجش، دشمنی یا القام کا جذبہ دل میں نہیں رکھتے۔ اُن کا دل ایسی تمام آگاہیوں سے پاک ہوتا ہے۔

مرشد صاحب کی وہ فطرتی وحی تھی اور اس بات کا اظہار تھی کہ تم نے میری محنت ضائع کر دی۔ دراصل مجھے اُس وقت یہ معلوم نہ تھا کہ وہ لفظ اسمِ اعظم ہے۔ مرشد صاحب نے اُس لفظ کو پڑھ کر دُعائیں مانگنے سے مجھے منع اس لیے کیا تھا کیونکہ اسمِ اعظم پڑھ کر دُعائیں مانگنے سے کام تو ہو جاتا ہے لیکن فقیر کا نام ولایت کی فہرست سے خارج ہو جاتا ہے۔

کوئی فقیر یا درویش کبھی اسمِ اعظم پڑھ کر دُعائیں مانگتا۔ مجھے بہت بعد میں مرشد صاحب نے Disclose کیا کہ وہ لفظ اسمِ اعظم تھا۔

معافی مانگنے کی کبھی نوبت ہی نہیں آتی اگرچہ اُن بہت کمائی اکثر اوقات عزت میں اس قدر اضافہ ہوا کہ "فعل جاؤ کرے سے۔" میں باہر کا ایک چکر لگا کر وہیں چلا جاتا کیونکہ مرشد صاحب نے کبھی یہ نہیں فرمایا تھا کہ وہاں نہیں آؤ۔

عالم اسرار

سوال: مقام حیرت، عالم باہوت، عالم لاہوت اور عالم جبروت سے کیا مراد ہے؟

جواب: جہاں عالم باہوت کی انتہا ہوتی ہے وہ مقام حیرت ہے۔ عالم باہوت سے مراد وہ عالم ہے جو تخلیق کائنات سے پہلے موجود تھا۔ اس میں ہر سوسنا تھا۔ اسی سانے کی وجہ سے اسے عالم باہوت کہا جاتا ہے۔ عالم باہوت کا ذکر بائبل میں بھی موجود ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ عیسائیت تقریباً دو ہزار سال پرانا مذہب ہے۔ بائبل کا ترجمہ عبرانی اور پھر انگریزی میں ہوا۔ بائبل میں مختلف عالَمین کے لیے Dews کا لفظ استعمال کیا گیا اور پھر متعلقہ عالم کا نام لیا گیا۔ ہندوؤں کی متبرک کتب میں "براہم" کا ذکر ملتا ہے۔ "براہم" منکرت میں عالم کو کہتے ہیں۔ بائبل میں عالم باہوت کی تعریف کچھ ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے "جب کچھ نہیں تھا، صرف رب، فرشتے اور جنات تھے تو رب نے چاہا کہ ایک ایسی تخلیق ہو جس سے اُس کا اظہار ہوتا ہو تب رب نے اس کائنات اور پھر انسان کو تخلیق کیا۔"

کائنات کی تخلیق سے پہلے کی صورت حال اور ماحول عالم باہوت کہلاتا ہے۔

عالم لاہوت درحقیقت عالم تجلیات بھی کہلاتا ہے۔ اس عالم میں ایک Continuous process کے تحت تجلیات کے چھوٹے چھوٹے دائرے وجود میں آتے اور پھر پھیلتے چلے جاتے ہیں حتیٰ کہ تجلیات کے یہ دائرے پوری کائنات کو اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں۔ عالم تجلیات کی انتہا "نہر تسوید" پر ہوتی ہے جس سے آگے اندھیرا ہے۔ یہ وہی "نہر تسوید" ہے جس سے علم کی نہریں نکلتی ہیں۔ نہر تسوید عمر نور المدامی سے بہتا رہتا ہے جس سے علم کی 118 نہریں نکلتی ہیں۔ جن میں سے چار علوم کا علم خالد تبار تعالیٰ کے پاس ہے باقی 114 علوم کی نہریں حقوق کے لیے ہیں۔

یہ عرش پر سب سے بلند مقام ہے۔ اسے مقام محمود کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ افران کے بعد دُعائیں بھی اسی مقام محمود کا ذکر ہے۔ عالم لاہوت سے اگلا مقام "عالم جبروت" ہے۔ یہ وہ مقام یا صورت حال ہے جو تخلیق کائنات کے بعد ظہور پزیر ہوئی۔ کائنات اور دیگر چیزوں کی تخلیق کے بعد فوراً وہاں ایک نفاذ عالم جبروت کہلاتا ہے۔ یہ وہ عالم ہے جس سے بعد میں انسانی زندگی کا تعلق پیدا ہوا۔

رب تعالیٰ ان مالین کی سیر انسان کو اس وقت کرتا ہے جب وہ علم کے ایک خاص مقام پر پہنچ جاتا ہے اور اس کے اعمال اس قابل ہو جاتے ہیں کہ وہ اسرار الہی کا مشاہدہ کر سکے۔

ہمارے ہاں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ شاید رب تعالیٰ تسبیحات سے ملتا ہے حالانکہ رب ملتا ہے اطاعت اور بندگی سے۔ لیکن وہ بندگی Selective نہ ہو کہ جو احکام مجھے Sult کرتے ہیں ان کی اطاعت تو کرتا ہوں اور جو احکام مجھے Sult نہیں کرتے انہیں Conveniently نظر انداز کر دیتا ہوں۔ تسبیحات نہیں بلکہ غیر مشروط اطاعت رب تعالیٰ تک لے جاتی ہے۔ بغیر اخلاص کے کیے جانے والے ذکر اذکار انسان میں عاجزی کا تکبر پیدا کرتے ہیں۔ جو سب سے خوف ناک تکبر ہے۔

جب انسان بغیر اخلاص کے ذکر اذکار اور تسبیحات کرتا ہے تو سمجھنے لگتا ہے کہ شاید میں عاجزی کی طرف چلا گیا۔ یہ واصل عاجزی نہیں ہوتی کیونکہ ایسے انسان پر اگر کوئی شخص تنقید کر دے یا کوئی سخت بات کہہ دے تو وہ انسان سختی سے React کرتا ہے۔ یہ Reaction عاجزی کے تکبر کا نتیجہ ہوتا ہے۔

اعمال بول یا عبادات — دونوں میں اخلاص بے حد ضروری ہے۔ جب رب تعالیٰ راضی ہوتا ہے تو وہ بندے کو علم عطا کرتا ہے اور یہ علم مختلف ذرائع سے عطا کیا جاتا ہے جن میں سے ایک ذریعہ یا طریقہ اسرار عالم کی سیر بھی ہے۔ رب تعالیٰ اپنے بندے کو عالم باہوت، عالم لاہوت، عالم جبروت کی سیر کراتا اور اپنی قدرت کی نشانیوں دکھاتا ہے۔

سوال: صدقہ و خیرات میں کیا فرق ہے۔

جواب: غربی میں صدقہ و خیرات کو ایک ہی معنوں میں لیا جاتا ہے جب کہ ہمارے معاشرے کے مطابق صدقہ وہ ہے جو انسان کو کسی مشکل سے محفوظ رکھنے اور بلا سے بچانے کے لیے دیا جاتا ہے۔ یہ سوچ ہندو کلچر سے Influenced ہے۔ خیرات وہ ہے جو اللہ کے نام پر ہم کسی کو دیتے ہیں۔ ہم جو صدقہ و خیرات کرتے ہیں اس پر سب سے پہلا حق ان رشتہ داروں کا ہے جو مالی لحاظ سے زیادہ Fortunate نہیں ہیں۔ اس کے بعد چڑی اور چمڑا جی جانے والے۔ اسلام میں اس سب کی وضاحت موجود ہے۔ اس سلسلے میں یہ احتیاط کر لیا کیجئے کہ کسی سید کو کوڑا، صدقہ یا خیرات نہ دیں۔ اگر انہیں کچھ دینا مقصود ہو تو وہ بطور ہدیہ پیش کر دیا جائے۔

سوال: کیا رب کا شکر نماز کے علاوہ بھی کیا جاسکتا ہے جب کہ نماز میں خشوع و خضوع بھی نہ ہو؟

جواب: نماز فرض ہے۔ نماز اظہار بندگی اور اقرار بندگی ہے۔ بندگی کے اقرار کو ظاہر کرنے کا نام نماز ہے۔ رب تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے ہمیں جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ہم ان میں اور دل کو حصہ دار بنائیں۔ لیکن یہ نہ سوچیں کہ ہم ان کی مدد کر رہے ہیں بلکہ یہ سوچیں کہ میرے پاس جو کچھ بھی ہے یہ سب میرے رب کا عطا کردہ ہے۔ اس پر وہ کے بندوں کا حق ہے۔ ضرورت مند جو کچھ مجھ سے لے کر جائز ہے یہ اس کا حق ہے اور یہ اس کا احسان ہے کہ وہ خود آکر مجھ سے اپنا حق لے گیا اور یوں اس نے مجھ اس تک وود سے بچالیا جو مجھے اسے یہ حق پہنچانے کے لیے کرنا پڑتی۔ میرے خیال میں یہ شکر ادا کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔

شکر ادا کرنے کا ایک کم تر درجہ یہ ہے کہ انسان دل میں کہتا رہے "اللہ اتیری بڑی مہربانی کرتے ہوئے مجھے یہ سب اپنی رحمت کے صدقے عطا فرمایا ہے۔ سب کچھ میرا استحقاق نہیں ہے۔"

شکر ادا کرنے کا اس سے بھی کمتر درجہ ہے کہ طریقہ یہ ہے کہ انسان زبان سے کہتا رہے "اللہ اتیری بڑی مہربانی کرتے ہوئے مجھے یہ سب اپنی رحمت کے صدقے عطا فرمایا ہے۔ سب کچھ میرا استحقاق نہیں ہے۔"

جس طرح شکر ادا کرنے کے مختلف طریقے ہیں اسی طرح شکر گزاری کی بھی مختلف درجات ہیں۔ نتیجے کے نزدیک ایسے کلمات زبان پر لانا کہ "دعا نہیں مانگتے اور کوشش کرنے کے باوجود مجھے فلاں چیز عطا نہیں ہوئی" بھی ناشکر گزاری ہے۔ صبح سے شام تک ہم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہزار ہا نعمتیں اور عطا کرات ادا کرتے کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ عنایات اور نعمتیں ہمیں یاد نہیں رہتیں۔ یاد رہتی ہے تو صرف ایک دو نعمت جو کسی وجہ سے ہم انجوائے نہ کر سکے۔ اس ایک نعمت کی محرومی کا شکوہ ہم جگہ جگہ کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ ناشکر گزاری ہے۔ اسی طرح صاحبِ دعا کے پاس جا کر یہ کہنا "مجھے فلاں شے نہیں ملی۔ آپ دعا کر دیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے وہ شے عطا کر دے۔" میری انڈر سٹینڈنگ کے مطابق یہ بھی رب کا شکوہ اور گنہ گیار کرنے کے مترادف ہے جو قابلِ ستائش رویہ نہیں ہے کیونکہ رب آقا مالک ہے وہ جو چاہے کرے اور یقیناً وہ جو کرتا ہے بہترین ہوتا ہے۔

سوال: ہم اپنے اعمال اور اطوار چودہ سو سال پہلے کے مسلمانوں جیسے کس طرح بنا سکتے ہیں؟

جواب: بہت سادہ اور سیدھی سی بات ہے کہ ہم اپنی زندگی میں کوئی بھی بات کرنے اور قدم اٹھانے سے پہلے یہ سوچ لیا کریں کہ ایسے موقع پر آپ سچے قلب کا طرز عمل اور رویہ کیا تھا۔ ہم بھی ویسا ہی کریں۔ یوں ہم سنت کے عین مطابق زندگی بسر کرنے لگیں گے۔ آپ سچے قلب کی حیات طیبہ بہترین نمونہ ہے۔ جب ہم آپ سے بچنا چاہیں تو محبت کا زبانی اظہار کرنے کے بجائے عملی اظہار کریں گے تو پھر ہمارے اطوار اور اعمال بھی دیئے ہی ہو جائیں گے جیسے چودہ سو سال پہلے کے مسلمانوں کے تھے۔

سوال: یورپ میں اخلاقیات کم لیکن ڈسپن زیادہ ہے۔ وہاں روح کی بالیدگی کا کوئی سامان نہیں۔ میں روح کی بالیدگی کے لیے پاکستان آیا ہوں کہ شاید مجھے یہاں کوئی ایسا حمام یا نہر مل جائے کہ جس میں نہا کر میری روح کی کشائفتیں دور ہو سکیں لیکن یہاں بھی مجھے باتیں زیادہ اور عمل کم دکھائی دیتا ہے۔

جواب: جب انسان عمل کے بجائے باتوں کا دھنی ہو جائے، اس کے پاس صرف زبانی دعوے رہ جائیں تو پھر یہی صورت حال ہوا کرتی ہے جو غیر ملک سے آئے ایک صاحب کو یہاں محسوس ہوئی۔

میں خود اسی تلاش میں ہوں کہ مجھے کوئی نہر، کنواں یا حمام مل جائے کہ جس میں نہا کر میں اپنی لودھی کی کشائفتیں دور کر سکوں۔ لیکن بد قسمتی سے روح کی کشائفتیں نہ باتوں، نہ ہی دعووں سے اور نہ ہی اپنے آپ کو اچھا کہنے سے دور ہوتی ہیں۔ روح کی کشائفتیں دور کرنے کے لیے تو انسان کو Mill (پتلی) سے گزرنے پڑتا ہے۔ بطور کوپلی کے دوپائوں میں رکھ کر چھینا پڑتا ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم سدا سے ایسے نہ تھے۔ آج سے 65 برس قبل ہماری اخلاقی حالت آج کی نسبت کہیں بہتر تھی۔ جب سے عمل کو چھوڑ کر ہم نے زبانی باتوں کو اپنا باب سے ہماری اخلاقی حالت ابلی ہو گئی۔

میں ہر کاری دینی حیثیت سے جس جس فورم پر گیا، ڈھکے پیچھے لفظوں میں مجھ سے یہی بات کہی گئی جو ابھی آپ نے فرمائی۔ میرا جواب ہمیشہ یہی رہا کہ ہم بڑے خود بہت اچھے ہیں لیکن بد قسمتی یہ ہے کہ ہمیں کوئی دوسرا اچھا ماننے پر تیار نہیں ہو رہا۔ مجھ یہ ہے کہ ہم آپ کو علم کی منت سے بہت دور چلے گئے۔ مذہب کے بارے میں بھی ہم Selective ہو گئے۔

روح کی پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے ہمیں کوئی نہر، کنواں یا سہاگ نہیں ملے گا۔ اس کا اہتمام ہمیں خود ہی کرنا ہوگا۔ ایک انگریزی محاورہ یاد آ گیا کہ

You take care of pennies, pounds will take care of themselves.

اگر ہم چھوٹی چھوٹی باتوں میں سنت پر عمل کرنے لگے تو بڑی باتوں میں ہم خود بخود درست ہو جائیں گے کیونکہ ہم عادتاً بہتر عمل کرنے لگیں گے۔ پھر کسی بھی غیر ملکی کو یہ نہیں کہنا پڑے گا کہ پاکستان میں پاکیزہ اطوار لوگ نہ مل سکے۔

سوال: آپ نے ایک بار فرمایا تھا کہ دو صوفی آپس میں Ciphred language میں گفتگو کرتے ہیں۔ Ciphred language سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد یہ ہے کہ روحانیت کی Terminology میں ان کی گفتگو ہوتی ہے جسے شاید پاس بیٹھا عام انسان نہ سمجھ سکے اور اسے یوں محسوس ہو کہ جیسے وہ صوفیا کسی ایسی چیز کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں جو دنیا میں پائی ہی نہیں جاتی۔ صوفیا کی Language کے Ciphers مختلف ہوتے ہیں بالکل اسی طرح کہ جیسے فوج کے دو افسر اہم پیغامات Ciphred language میں ایک دوسرے سے Communicate کرتے ہیں۔ لیکن وہ Ciphers کیا ہیں؟ وہ کسی کے علم میں نہیں آتے اور نہ ہی فوجی افسران کو ان کے بارے میں کسی کو بتانے کی اجازت ہوتی ہے۔

انسان جب علم حاصل کرتا ہے اور خاص مقام پر پہنچ جاتا ہے تو یہ سب باتیں خود بخود اس کے علم میں آنے لگتی ہیں۔ لیکن اس وقت تک وہ اتنا باخبر ہو چکا ہوتا ہے کہ انہیں زبان پر نہیں لاتا۔

میں تو یہ مان کر سکتا ہوں کہ جن صاحب نے بھی یہ سوال پوچھا ہے اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت کے صدقے میں اس مقام پر لے جائے کہ وہ گزیرہ صوفی بن جائیں۔ تب Ciphred language خود بخود ان کی سمجھ میں آجائے گی۔ اللہ تعالیٰ انہیں علم عطا فرمادے گا اور وہ بڑا Freely ciphred language میں کسی اور صوفی سے Communicate کر پائیں گے۔

علم حصولی و حضوری اور دُستی اعمال

سوال: علم حصولی اور علم حضوری سے کیا مراد ہے؟

جواب: علم حصولی وہ علم ہے جو آپ کے منبر، مرشد اور گائیڈ آپ کو سکھاتے ہیں یا پھر آپ مرشد، منبر یا گائیڈ کا مشاہدہ کرتے ہیں، انہیں دیکھتے، سنتے اور پڑھتے ہیں اور اس سے مختلف نتائج اخذ کرتے ہیں۔ ان اخذ شدہ نتائج کے بعد آپ کی زندگی میں جو تبدیلیاں آتی ہیں اسے علم حصولی کہا جاتا ہے۔

علم حضوری دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

1- اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جو علم الاسماء سکھایا تھا وہ ہر انسان میں Genetically منتقل ہوا ہے۔ ہر انسان خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہے اس کے Genes میں وہ علم موجود ہے۔ اسے Innate knowledge (جہلی یا طبعی علم) بھی کہتے ہیں۔

جب ہمارے گائیڈ، منبر یا مرشد ہم پر توجہ ڈالتے ہیں تو اس توجہ کے نتیجے میں ہماری قلبی کیفیت بدلتی ہے۔ ہم دنیاوی Dimension سے نکل کر Spiritual dimension میں چلے جاتے ہیں۔ اسے ہم کا یا پھر ہماری قلب کا بدلنا بھی کہتے ہیں۔ قلب کا بدلنا Transformation ہے دنیا کی Dimension سے نکل کر Spiritual dimension میں داخل ہونے کی۔

جب ہم Spiritual dimension میں داخل ہوتے ہیں تو ہماری Innate knowledge (جہلی یا طبعی علم) بے اور ہم ان چیزوں کے بارے میں جاننے لگتے ہیں جن کے بارے میں ہمیں پہلے معلوم نہیں تھا۔ ویسے میں ہم بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں:

I learn from my own self.

2- جب میں بات کر رہا ہوں تو اپنی ہی بات سے سیکھ رہا ہوں۔ یہ Innate knowledge ہے جو اندر سے ابھرتا ہے اور اکثر اوقات ہمیں خود اور اس نہیں ہوتا کہ میں تو یہ بھی جانتا تھا۔ علم کی یہ قسم "حضوری علم" کہلاتی ہے۔

علم حضوری کی دوسری شکل یا قسم یہ ہے کہ جب انسان روحانیت اور علم کے اس مقام پر پہنچتا ہے کہ

جہاں اسے اہل سنت مل جائے کہ وہ آپ ﷺ کی مجلس اقدس میں حاضر ہو سکتا ہے تو اس حاضری کی نسبت سے علم کا یہ خاص Level "علم حضوری" کہلاتا ہے۔

علم کی یہ دونوں صورتیں دراصل ایک ہی ہیں کیونکہ جب ہمارے اندر کا علم باہر آنے لگتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ہمارے اندر سے دنیا کی محبت ختم ہو گئی ہے، ہم رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے لگے ہیں، ہمارے اندر وہ پاکیزگی اور طہارت پیدا ہو گئی ہے جو آپ ﷺ کی مجلس اقدس میں حاضری کے لیے ضروری ہے۔
روح کی طہارت علم سے ہوتی ہے۔ جب وہ علم اُجاگر ہوتا ہے تو انسان اُس مقام پر چلا جاتا ہے کہ اُسے آپ ﷺ کی مجلس میں حاضری کی اجازت مل جاتی ہے۔

جب تک اندر کا علم اُجاگر نہ ہو کر باہر نہیں آئے گا ہمیں Innate knowledge کا ادراک نہیں ہوگا۔ اسی لیے الہام، کشف، علم غایت، تیول لازم و ملزوم ہیں۔ جب تک یہ تیول چیزیں اکٹھی نہیں ہوں گی علم حضوری حاصل نہیں ہوگا۔

سوال: ایک شخص جو ساری عمر نماز روزے کا پابند رہا ہو، اُس نے اپنی اولاد کی اچھی تربیت کی ہو، اگر آخری عمر میں اُس کے اسلام کے بارے میں Concepts گڑبڑ ہو جائیں تو ایسے میں اولاد کی کیا فمرداری ہے؟

جواب: ہمیں اپنے والدین کے بارے میں بہت محتاط رہنا چاہیے۔ بیان کردہ صورت حال میں اولاد کو ضرور Concerned ہونا چاہیے کیونکہ والد ایسی ہستی ہیں جن کے بارے میں ترمذی کی ایک حدیث میں ہے:

— ترمذی والین ماجہ نے روایت کی ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا "والد جنت کے دروازوں میں بیچ کا دروازہ ہے، اب تیری خوشی ہے کہ اس دروازہ کی حفاظت کرے یا ضائع کر دے۔" (سنن الترمذی، کتاب البر والصلة باب ماجاء من الفضل فی رضا الوالدین، حدیث: 1907)

ایک اور حدیث میں ہے:

— امام ترمذی نے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "پروردگار کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں ہے اور پروردگار کی ناخوشی باپ کی ناراضی میں ہے۔" (سنن الترمذی، کتاب البر والصلة باب ماجاء من الفضل فی رضا الوالدین، حدیث: 1907)

ادب و احترام کے دائرے میں وہ والد مختلف طریقوں سے سمجھایا جاسکتا ہے جیسا کہ ایک بار حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین نے دیکھا کہ ایک صاحب غلط وضو کر رہے ہیں۔ جب وہ صاحب وضو کر چکا تو حضرت امام حسینؑ نے اسے اسلوب سے فرمایا "جواب! میں وضو کرتا ہوں آپ دیکھ کر بتائیے گا کہ میں کیسی اس

میں لٹائی تو نہیں کر رہا۔" یوں اُن صاحب کی خود بخود اصلاح ہو گئی۔ والد کا رشتہ تو بہت عزت و احترام کا ہے۔ دشمن بھی اگر عمر میں بڑا ہو تو اُس کے ساتھ معاملات کرتے وقت حتی المقدور اس کی عزت و تکریم میں فرق نہیں آنے دینا چاہیے۔

اگر آپ کے والد صاحب کے Concepts کہیں گڑبڑ ہو گئے ہیں تو خوش چیکے کہ ان میں کمی کتنی ہیں بطور تھوڑی پیش کریں جو اُن کے Concepts (تصورات) Clear کر سکیں۔

سوال: کیا اسلام واقعی مکمل ضابطہ حیات ہے؟

جواب: اسلام کے بارے میں کوئی بھی اظہار خیال کرنے سے پہلے اگر میں یہ جان لوں کہ ضابطہ حیات کسے کہتے ہیں تو معاملہ Clear ہو جائے گا۔ مجھے سوچنا ہی نہیں پڑے گا کہ اسلام ضابطہ حیات ہے یا نہیں۔

ضابطہ حیات Way of life، زندگی گزارنے کے ڈھنگ اور ڈسپلن کو کہتے ہیں۔ یہ بات Clear ہونے کے بعد یہ دیکھ لیا جائے کہ اسلام ہمیں سکھاتا کیا ہے۔ کیا صرف یہ کہ وہ کون ہے؟ ہم تک سے شام تک کون کون سی عبادات کریں؟ اگر وہ ہمیں صرف یہی سکھاتا ہے تو پھر وہ دین نہیں بلکہ صرف مذہب ہے۔ لیکن اگر اسلام ہمیں ساتھ یہ بھی سکھا رہا ہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھوئے جائیں اور کپڑے سے انھیں پونچھنا نہ جائے۔ کھانا پلیٹ میں سامنے سے لیا جائے، پھونکا تو ال لیا جائے، چہاتے ہوئے آواز نہ نکالی جائے۔ دائیں کروٹ سویا جائے۔ جوتا پہلے سیدھے پاؤں میں پہنا جائے اور اتارتے ہوئے پہلے بائیں پاؤں اتارنا جائے۔ کسی کے گھر جائیں تو اہل خانہ کو باہر بلائے کا طریقہ کیا ہے۔ کپڑا کیسا پہنا جائے۔ میدان جنگ میں جب ہتھیار اٹھا لیے جائیں تو کس طریقہ عمل کا مظاہرہ کرنا ہے اور جب ہتھیار پھینک دیے جائیں تو کیسے Behave کرنا ہے۔ پڑوسیوں کے ساتھ کیسے سلوک کرنا ہے۔ اگر اسلام عبادات کے ساتھ ساتھ تمام معاملات کے بارے میں بھی بتا رہا ہے تو پھر یہ مذہب نہیں بلکہ دین ہے۔ اب آپ خود فیصلہ کر لیجیے کہ اسلام ضابطہ حیات ہے یا نہیں۔

سوال: ہم علم حضوری جاننے کے توشوقین ہیں لیکن "حی حضوری" کا رویہ نہیں چھوڑ سکتے۔ اللہ اور آپ ﷺ کو راضی کرنے کے لیے ہماری نظر ابتدائی طور پر کن امور پر ہونی چاہیے؟

جواب: بد قسمتی سے ہم علم نافع نہیں ڈھونڈتے حالانکہ آپ ﷺ نے ایسے علم سے بتا دیا تھا جو نافع ہو۔ علم نافع وہ ہے جس سے انسان کو فائدہ ملتا ہے۔ ہم ایسے علم کے بارے میں بحث و مباحثے میں مبتلا رہتے ہیں اور پرائمری سطح پر ایسے علم کے حصول کی تک وہ میں رہتے ہیں جس کی ضرورت بہت Advanced stage پر پڑتی ہے۔ ہمارا یہ رویہ صرف علم ہی کے بارے میں نہیں بلکہ ہر شعبہ زندگی میں ہم ظاہری سطح پر Cosmetic treatment پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ سلاں کہ ہمیں فکر تو اس بات کی ہونی چاہیے کہ ہم سے جن اعمال کے بارے میں سب سے پہلے پوچھ بچھ کی جائے گی اور جن کی ترقی پر مٹے یا جہنم کا فیصلہ ہوگا۔ ہم پہلے اپنے وہ اعمال درست کر لیں پھر Advanced stage کے علم کے حصول کی فکر کریں۔

بعض اوقات ہم محفل بحث ہائے کی خاطر مشکل Terms اور Points جاننے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ اہل محفل کو براہ راست Impressions کر کے اپنے علم کی دھاک بخا سکیں۔

علم حضوری بہت Advanced level کی بات ہے۔ مجھے علم حضوری کے حصول سے پہلے اپنی نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے بارے میں سوچنا چاہیے کہ کیا میں نماز شتوع و خضوع سے پڑھ پاتا ہوں؟ زکوٰۃ پوری ادا کرتا ہوں؟ کم از کم فرض روزوں میں کوتاہی تو نہیں کرتا؟ صاحب استطاعت ہونے کے باوجود حج کرتا ہوں یا نہیں۔ پھر میں اپنا بیجی جائزہ لوں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ میں اپنے پڑوسیوں اور اعزہ و اقارب کے حقوق ادا نہیں کرتا، Road users کو مشکل میں ڈالے رکھتا ہوں۔ میرے گھر میں بجٹ والا ریڈیو، چلنے والائی وی اور میرے بچے اپنی بلند آواز سے دوسروں کا سکون خراب کرتے رہتے ہیں۔ میں نے آج تک نہیں سوچا کہ میں قدم قدم پر ملکی قوانین کی خلاف ورزی کرتا ہوں جس کے لیے مجھے اللہ کے حضور ایک روز Answerable ہونا ہے۔ میں صبح سے شام تک Law of Allah اور Law of the land کی خلاف ورزی کرتا رہتا ہوں، Pastime hobby کے طور پر ہر وقت غیبت میں مبتلا رہتا ہوں۔ یہ سب میرے نامہ اعمال پر گناہوں کی سیاتی پھیرتے چلے جا رہے ہیں جس کا احساس مجھے روز حساب ہوگا جب مجھے اپنے نامہ اعمال میں گناہوں کی سیاتی کے بغیر کچھ نظر نہ آئے گا۔

میرے علم کے مطابق جنت و جہنم کا فیصلہ کرتے وقت مجھ سے کہیں یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم علم حضوری اور علم حصولی کی تعریف جانتے ہو یا نہیں۔

اگر اللہ پاک مجھ پر رحم فرمادے اور میں ان معاملات کو ٹھیک کر لوں جن کی بنیاد پر سزا و جزا کا فیصلہ ہوتا ہے تو یہ زیادہ بہتر نہ یہ ہے۔

خوشامد بھی ایک ایسا ہی نہر ہے جو میری زندگی کو آلودہ کیے ہوئے ہے۔ میں بغیر یہ سوچے کہ یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے اور میرے گناہوں میں اضافہ کا سبب ہے، سب کی جی حضوری کرتا رہتا ہوں۔ اگر میں ان ساری باتوں کو سمجھ لوں اور اپنا طرز عمل صحیح معنوں میں درست کر لوں تو مجھے یقین ہے کہ میرا رب اور آپ سید المرسلین مجھ سے راضی ہو جائیں گے۔

سوال کیا محض دُعا کافی ہے؟

جواب: وہ کام یا معاملات جن کے لیے کوشش ضروری ہے وہ محض دُعا سے نہیں ہوتے۔ اسی طرح اعمال جن کی بنیاد پر سزا و جزا کا فیصلہ ہوتا ہے وہ بھی ہمیں بذریعہ کوشش ہی درست کرنے ہیں۔ آپ سارا قرآن پاک پڑھ لیں، داس میں جگہ جگہ بیجا ذکر کرنے کا کہ رب سننے والا ہے، رب سے مانگو وہ عطا کرے گا، لیکن یہ کہیں نہیں لکھا کہ انسان کو وہی کچھ ملے گا جس کے لیے وہ دُعا کرتا ہے۔ اس کے برعکس یہ فرمایا گیا کہ انسان کے لیے وہی کچھ ملے گا جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے۔

بدستغنی سے میں نے پرستش کا عمل دُعا و صبر ہے۔ بچے کی تربیت کرنا میری دُعا ہی ہے۔ اس کے لیے میں

اللہ کے حضور جواب دہ ہوں لیکن میں اس کی تربیت پر دھیان نہیں دیتا۔ جب وہ بچہ جاتا ہے تو میں صاحب دُعا کے پاس جا کر عرض کرتا ہوں کہ دُعا کریں میرا بیٹا سحر چاہے۔ حالانکہ اگر وہ بچہ کیا ہے تو اس کے سحر کے لیے مجھے خود کوشش کرنی ہے۔ اگر میں لٹراؤ نہیں پڑھتا تو یہ میری ذمہ داری ہے کہ وقت پر نماز ادا کروں لیکن میں آپ جیسے نیک آدمی کے پاس جا کر بیٹھ جاتا ہوں کہ دُعا کریں میں باقاعدگی سے نماز ادا کر لیا کروں۔ دوسری طرف یہ دُعا کرتا ہوں میرے ذہن میں یہ خیال آ رہا ہے کہ میں جلدی سے دُعا کر کر کیسے سچا ہوں۔ میں کیسے نوجوان بنے کے لیے کوشش جب کہ مسجد جانے کے لیے صرف دُعا کرتا ہوں۔

یہ جو رب تعالیٰ نے کام کی انہام دہی کو کوششوں کے ساتھ مشروط کر دیا اور سزا و جزا اعمال کے ساتھ منسوب ہو گئے تو ایسے میں دُعا کرنی چاہیے لیکن کوشش کے بعد۔ اور اگر کوشش سے پہلے دُعا کرنا چاہتے ہیں تو پھر یوں کہا جاسکتا ہے "یا اللہ! تو مجھے کوشش کرنے کی توفیق بخش دے۔"

لیکن یاد رکھیے کہ محض دُعا کام نہیں آئے گی، ساتھ کوشش بھی کرنا ہوگی۔

سوال: اسلام کا اکنامک سسٹم کیا ہے؟ ایک ماہر اقتصادیات کے مطابق اسلام کے اکنامک سسٹم میں سوشلزم اور Capitalism کی تمام اچھائیاں موجود ہیں۔

جواب: اسلام میں صرف اکنامک سسٹم ہی نہیں بلکہ تمام چیزوں کی بنیاد خوف خدا اور اللہ کے سامنے جواب دہی پر ہے۔ اسی لیے میں حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول دہرایا کرتا ہوں۔

"اہل علم اہل عقل ہیں جب کہ فقیر اہل عشق ہیں۔"

عقل Logic کا راستہ پکڑتی ہے۔ عشق صرف دل کا کہاں مانتا ہے۔ یہ جذبے کا نام ہے اور جذبے میں عقل کا کوئی کام نہیں۔ جو اہل عشق ہیں وہ تو یہ جانتے ہیں کہ اسلام کی بنیاد اللہ سے محبت پر ہے اور چونکہ انسان رب تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اس لیے اُس کے دل میں ہر وقت ڈر رہتا ہے کہ میرا رب میرا محبوب مجھ سے ناراض نہ ہو جائے۔ وہ محبوب کو راضی رکھنے کے لیے اُس کی ہر بات ماننا رہتا ہے۔ اسلام کی ساری اخلاقی اسی بات میں ہے۔ چونکہ اسلام میں ایک دوسرے کے کام آئے، دوسرے کی مدد کرنے، بھوکے کو کھانا کھلانے اور اپنی ضروریات پر دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دینے کی تلقین ہے اس لیے اسلام کا اکنامک سسٹم اللہ سے محبت اور اللہ کی ناراضی کے خوف پر مبنی ہے کہ اگر میرے پاس خالو پیسہ ہے تو مجھ پر لازم ہے کہ اپنے ایسے مسلمان بھائی کو قرض حسد کے طور پر ہی دے دوں جو تہی دامن ہے اور مدد لینے والے پر فرض ہے کہ جو تہی دامن کے حالات بہتر ہو جائیں وہ اُس رقم کو لوٹا دے۔ اگر وہ پانزرب پانزرب کرے تو میری دانت داری سے بڑھ کر پھلانے اور نفع و نقصان میں پانزرب کو شریک کرے۔

اس کے برعکس ماورن اکنامک سسٹم خواہ وہ سوشلزم ہو یا Capitalism، اس کی بنیاد خوف خدا پر نہیں بلکہ اس سوچ پر ہے کہ اکتفا حاصل کروں گا جتنا اپنی طرف کھینچ سکتا ہوں۔ میں جتنا کھینچ سکتا ہوں، اُدھیلوں۔

سوشلزم کی اچھائیوں غیر فطری ہیں۔ ہر شخص خواہ وہ جتنا عقل مند تعلیم یافتہ و تربیت یافتہ ہے اس کے لیے اس سسٹم میں Disregard ہے۔ ایک مزدور بھی وہی تنخواہ لے گا جو ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر۔ ایک مزدور بھی اسی سال میں رہے گا جس میں چار لاکھ کا ٹکسٹ۔ یہ فطرت کے منافی نظام ہے۔

اسلام یہ تو کہتا ہے کہ ہر نیت و نیک نیت ہوگی اور ہر شخص کو بنیادی سہولیات فراہم کر دی جائیں گی۔ لیکن اسلام کا اگناک سسٹم کسی شخص پر یہ پابندی نہیں لگاتا کہ وہ اپنی قابلیت، سمجھ اور عقل استعمال کر کے ایک حد سے آگے نہ کھائے۔ یہ سسٹم تو یہ کہتا ہے کہ وہ انسان جتنا چاہے کھالے۔ اس کے بعد انسان کے فرائض شروع ہو جائیں گے کہ رب تعالیٰ نے اگر اسے دافر رزق عطا فرمایا ہے تو اپنی ضروریات پوری کرنے کے بعد دولت و وسوسوں پر خرچ کر دے۔ حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ اس کی بہت بڑی مثال ہیں۔ سوشلزم میں تو ہر ایک کو ایک سا ملے گا۔ اونٹ کو بھی کھانے کو اتنا ہی ملے گا جتنا ایک بھیڑ کو ملتا ہے۔ Capitalism میں بے رحمی ہے۔ کوئی شخص کسی کو جتنا اُدھیر سکتا ہے اُدھیر لے۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام میں تو کاروبار میں سچائی اور دیانت پہلی شرط ہے۔

اسلام کا معاشی نظام سوشلزم اور Capitalism کی خوبیوں سے کہیں بلند تر ہے۔ اس میں نہ Capitalism والی بے رحمی ہے نہ سوشلزم والی نا انسانی۔ اس کے مطابق تو آپ کو خود کو Volunteer کرنا ہے کہ جو زائد دولت ہے رب کی خوشی اور رضا کے لیے اپنے اُن بھائیوں کو دے دیں جو Less fortunate ہیں اور پھر یہ بھی یاد رکھتے ہیں کہ جو دوسروں کے ساتھ نیکی کر کے جتاتے ہیں اُن کی نیکی اُن کے منہ پر مار دی جاتی ہے۔ دوسری طرف جس کے ساتھ نیکی کی جارہی ہوتی ہے اُس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے محسن کی نیکی کا بچہ چاکر کرے۔

اسلام کا معاشی نظام خوف خدا اور رب سے محبت پر Based ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ آپ دنیا کے سارے تہذیب اور Man-made systems کو Study کر لیں، ان سب میں اسلام کا Penal Code مختصر ترین ہے۔ جب کہ ہمارے معاشرے میں ہمیشہ اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ اور کچھ لاگو ہو یا نہ ہو لیکن اسلام کا پیشل کو ذہب سے پہلے لاگو ہو جائے۔ حالانکہ Penal Code تو بہت بعد میں نازل ہوا تھا، پہلے تو احکامات نازل ہوئے۔ اسلام کو اسی ترتیب سے لاگو کیا جانا چاہیے۔

تلاوت قرآن..... رب تعالیٰ سے ہم کلامی کا ذریعہ

آج 31 مارچ ہے۔ آج کے دن لاہور میں حضرت شاہ حسین رحمہ اللہ کی یاد میں میلہ لگایا جاتا ہے۔ شاہ حسین رحمہ اللہ شیر شاہ سوری کے دور میں پیدا ہوئے۔ اُن کا زمانہ 1538ء تا 1599ء ہے۔ شیر شاہ سوری کا زمانہ 1540-45ء تک ہے۔ 1545ء میں اکبر اعظم تخت نشین ہوئے۔ یوں شاہ حسین رحمہ اللہ نے شیر شاہ سوری اور اکبر اعظم دونوں کا زمانہ دیکھا۔

صوفیاء کرام میں ایک فرقہ ”ماتنی“ بھی کہلاتا ہے جس سے تعلق رکھنے والے درویش اپنے آپ کو بہت کم تر اور گمراہ انسان ظاہر کرتے ہیں اور خود کو ملامت کرنا اُن کا شیوہ ہوتا ہے۔ شاہ حسین رحمہ اللہ کا تعلق اُسی Segment of sufis سے ہے۔

شاہ حسین رحمہ اللہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انھوں نے صوفی شاعری میں ”کافی“ کے نام سے ایک نئی جہت متعارف کروائی۔ اس لیے انھیں ”کافی کا بانی“ بھی کہا جاتا ہے۔

شاہ حسین رحمہ اللہ کے جذب کی کیفیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک دہائی کے استوار سے تفسیر پڑھتے پڑھتے اچانک قہقہہ لگانے لگے اور سب کچھ چھوڑ کر وہاں سے چلے آئے۔ اس کے بعد ان پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ سرخ رنگ کا لباس پہننے اور رقص کیا کرتے۔ یہ کیفیت طویل عرصے تک اُن پر طاری رہی جس کی وجہ سے اُن کا حصول علم کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ جب اُن کے تفسیر کے استاد خود ان کے پاس آئے اور انھیں جہدِ دل عالم تفسیر کی طرف راغب کیا۔ یوں شاہ حسین رحمہ اللہ نے ایک بار پھر راتوں رات تلمذ کیا لیکن اس بار بھی وہی ہوا۔ قرآن پاک کی ایک آیت کا ترجمہ پڑھتے پڑھتے اُن کے قلب کی کیفیت بدل گئی اور وہ یکدم قہقہہ لگاتے ہوئے مسجد سے بھاگ گئے۔

حضرت شاہ حسین رحمہ اللہ کے والد شیخ محمد عثمان ہندو سے مسلمان ہوئے تھے۔ وہ حصولِ رزق کے لیے کپڑا بننے کا کام کرتے تھے۔ اسلام قبول کرنے والوں میں سے زیادہ لوگ ہندو ذات پات کی Working class (مخت کش) سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد کا تعلق بھی اُسی Working class سے تھا۔ ان کے اثرات شاہ حسین رحمہ اللہ میں بھی تھے جس کی وجہ سے وہ ایک برہمن لڑکے یا حصول کے عشق میں مبتلا ہو گئے۔ وہ بچہ بھی اُن کے عشق میں گرفتار ہو گیا حتیٰ کہ معاملہ یہاں تک پہنچا کہ وہ ان کے ایک حق نام سے نکاح سے

جائے تھے۔ ماحول حسین "۔ شالا مار میں گئے والا سیلا۔ بھی ماہول حسین کا میلا کہلاتا ہے۔ شاہ حسین جیسے شہزادے کے بیٹے، ماہول کا حرا بھی وہیں پر ہے۔ شاہ حسین جیسے شہزادے کو پہلے شاہدرہ میں دفن کیا گیا تھا لیکن اس کے تیرہ سو سال بعد انھیں وہاں سے نکال کر سو جوہ مقام پر دفن کر دیا گیا۔ اب وہ یہیں آرام فرما ہیں۔

سوال: آپ ﷺ سے ہم محبت کیسے پیدا کریں؟

جواب: آپ ﷺ سے کچی محبت پیدا کرنے کے لیے ہم آپ ﷺ کی عملی حیات طیبہ کو توجہ اور بار بار مکی سے پڑھیں۔ اس سے آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے بہت ہی خوب صورت پہلو ہمارے سامنے آنے لگیں گے۔ تب لاحالہ ہمارے دل میں آپ ﷺ کے لیے عقیدت اور محبت پیدا ہوگی۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم کثرت سے درود شریف پڑھیں۔ اس سے بھی آپ ﷺ سے محبت پیدا ہوگی۔

سوال: آپ نے ایک بار بتایا تھا کہ موماہل فقر جمعہ ابر اتوار کو صبح 9 سے 10 بجے کے درمیان دو نفل پڑھتے ہیں۔ ان کی فضیلت بیان فرمادیجئے۔

جواب: اتوار کے روزہ جوہ نفل پڑھے جاتے ہیں اُن میں ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد 70 بار سورۃ الاخلاص پڑھی جاتی ہے جب کہ جمعہ کے روز اُن دو نفل میں سورۃ الفاتحہ کے بعد 100 بار سورۃ الاخلاص پڑھی جاتی ہے۔ یہ نماز انسان کو اب تعالیٰ سے قریب لے جاتی ہے۔ میرے خیال میں تو یہی فضیلت سب سے بڑی ہے کہ یہ نماز قرب الہی کا ذریعہ ہے۔

سوال: کیا اپنے مرشد صاحب سے ملاقات کے بعد بھی آپ کو کسی پہنچے ہوئے فقیر کی تلاش رہی؟

جواب: الحمد للہ امیری تلاش تو اسی روز ختم ہو گئی تھی جب میری ملاقات مرشد صاحب سے ہوئی تھی۔ جب میری ملاقات مرشد صاحب سے ہوئی اس کے بعد میں کبھی کسی کی تلاش میں نہیں رہا۔ جب میں نے خود کو وہاں Surrender کر دیا تو پھر سوال ہی نہیں تھا کہ کسی اور کی طرف پلٹ کر دیکھوں۔ آج اس سارے بیٹے وقت پر لگا دوڑا تا ہوں تو احساس ہوتا ہے کہ قبیلہ سید یعقوب علی شاہ صاحب رحمہ اللہ جیسا مرشد ملنا محال ہے۔ شاید ہی کسی کو ایسا مرشد مل پائے۔ اس قدر مہربان و دانا اور Protective مرشد کم از کم میری نظر سے کبھی نہیں گزرتے۔ میرے مرشد صاحب نے کبھی اپنی زبان سے یہ نہیں کہا کہ میں تمہارے لیے یہ کرتا ہوں، دو کرتا ہوں، لیکن ان کے وصال سے ایک ماہ قبل میں اویلائے کرام کیلئے بعد و دیگرے مجھے ملے اور فرمایا کہ آپ کے مرشد بہت اچھے اور حکیم انسان تھے۔ ان کے جانے کا وقت آیا ہے تو سب کچھ آپ کے حوالے کر دیا اور خود خالی ہاتھ جا رہے ہیں۔ ذرا خود سوچئے کہ ایسے مرشد صاحب کے ہوتے ہوئے مجھے کسی اور پہنچے ہوئے فقیر کی تلاش کیا کیوں کر ہوگی؟

آج میرے مرشد صاحب کے احوال کو 27 برس ہو گئے لیکن ان 27 سالوں میں مجھے کبھی محسوس نہیں ہوا کہ وہ جتے گئے ہیں۔ مجھے بس یہی اُن سے Guidance (راہنمائی) درکار ہوتی ہے وہ مجھے خود بخود دیا کرتے ہیں۔

سوال: بنی طرز زندگی کو بہت میں ڈھالنے کے لیے تلاوت قرآن پاک کس طرح سونے کا باعث ہو سکتی ہے؟
جواب: یاد رکھیے! اگر زمین کا ایک ٹکڑا ہمیں میسر آ جائے اور ہم اس پر ٹھہر جانا چاہیں تو کھراڑا سالی کی کم کھوست میں کم Cost پر بن جائے گا لیکن اگر ہاتھ لگا کر لے کر آتے ہیں تو سب کے مطابق احوال کی کوشش کریں تو قہراً وقت اور مشقت زیادہ لگتی ہے۔

جب ہم ایک خاص طرز زندگی کے عادی ہو جائیں تو اسے چھوڑنے اور اللہ کی بتائی ہوئی راہ پر چلنے کے لیے بھی زیادہ محنت، وقت اور اخلاص درکار ہوتا ہے کیونکہ پرانی زندگی اور طرز حیات ہمیں اپنی طرف کھینچتا رہتا ہے۔

آپ ترتیب سے قرآن پاک کی بار بار تلاوت کیجیے۔ اس کے بعد آپ کو کبھی پہنچے ہوتے تھے یا نہ پہنچ کر کی ضرورت نہیں۔ بد قسمتی سے ہم قرآن پاک کو چھوڑ کر اور دوسرا مخالف برائمتوں اور جنوں کے پیچھے لگ گئے۔ ہمیں یہ یاد نہیں رہتا کہ ان سب کا Source قرآن پاک ہے۔ اس لیے اگر ہم قرآن پاک کی بات نہ کریں تو تلاوت کرتے رہیں بھلے ترجمہ نہ پڑھیں تو بھی اس کے اثرات ہماری Body language، ہمارے چہرے، ہمارے رویوں اور ہماری عادات سے ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

ایک ہی سورہ بار بار پڑھنے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ ہم قرآن پاک سورۃ الفاتحہ سے لے کر تکوین تک ترتیب سے پڑھیں۔ قرآن پاک مکمل ہونے کے بعد دعا کریں "یا اللہ! میں نے تیرا یہ کلام تلاوت کیا، تواس کا ثواب بطور ہدیہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دو۔" اس کے بعد ہم دوبارہ قرآن پاک کی سورۃ الفاتحہ سے تلاوت شروع کر دیں۔

ہم اکثر یہ غلطی کرتے ہیں کہ کسی بھی چیز کا ثواب پہنچانے کے لیے کہتے ہیں کہ "یا اللہ! اس کا ثواب آپ سے تمام کی زوج کو بخش دے۔" یہ درست طریقہ نہیں کیونکہ ہم آپ سے ہر چیز کی زوج مبارک کو کوئی بھی ثواب صرف بطور "تختہ و نذرانہ" ہی پیش کر سکتے ہیں۔

قرآن پاک کے بہت سے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ اس کی تلاوت کے اثرات انسانی ذات، Body language، چہرے، رویوں اور عادات پر مرتب ہوتے ہیں۔ تلاوت قرآن پاک اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا Shortcut ہے۔ اُس وقت بہت دُکھ ہوتا ہے جب کسی سے کہا جاتا ہے "بھئی آپ قرآن پاک پڑھ کر دُعا کیا کریں، اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے گا اور انشاء اللہ آپ کے تمام مسائل حل ہو جائیں گے۔" لیکن جواب آتا ہے "جناب ادھ تو ٹھیک ہے لیکن آپ یہ بتادیں کہ تبلیغ کون سی کیا کریں؟" تب وہ حلیقہ یاد آتا ہے کہ ایک صاحب ملتزم پم کھڑے پاکستان میں اپنے دوست کو فون کر رہے تھے "یار طہیوت خراب ہے۔ دُعا داتا صاحب جا کر دُعا تو کر دو کہ طہیوت ٹھیک ہو جائے۔" ملتزم پکڑے ہوئے یہ کہنا کہ داتا صاحب جا کر دُعا کر داتا صاحب جا کر دُعا تو کر دو کہ طہیوت ٹھیک ہو جائے۔ داتا صاحب دُعا کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔

دو ایسا ہی ہے کہ قرآن پاک آپ کے پاس ہے اور آپ ولی کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔
بھائی! آپ کسی پتہ پر تھے فقیر ابھی کی تلاش میں مت جائیے۔ قرآن پاک سب سے بڑا اور بہت قیمتی ہوا ہے۔

ہے۔ یہ آپ کو سیدھی راہ پر لے جائے گا، رب تعالیٰ سے ملاوٹے گا۔ قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہیے۔ رب تعالیٰ اپنے کلام کے معنی آپ کے مسائل بھی حل کر دے گا۔ آپ پر اپنی رشتیں بھی نازل کر دے گا۔ آپ کی Face, Body language آداب اور عادات سب اس بات کا منہ بولنا ثبوت بن جائیں گے کہ قرآن پاک کی تلاوت نے آپ پر اپنے اثرات ڈالنا شروع کر دیے ہیں۔

سوال: کیا ترجمہ کے بغیر قرآن پاک کی تلاوت کرنے سے بھی ہدایت مل سکتی ہے؟

جواب: ہم سب جانتے ہیں کہ تلاوت قرآن پاک سے تمثیلاً مراد رب تعالیٰ سے ہم کلام ہونا ہے اور قرآن پاک کتاب ہدایت ہے۔ لیکن اگر ہم قرآن پاک پڑھیں گے ہی نہیں تو پھر ہدایت کیسے ملے گی؟

جب ہم تلاوت کرتے ہیں تو رب تعالیٰ ہماری طرف متوجہ ہوتا ہے اور جب وہ ہماری طرف متوجہ ہوتا ہے تو ہم پر اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے۔

قرآن پاک کے بہت سے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ اگر کوئی عجمی بھی قرآن پاک بار بار بغیر ترجمہ کے بھی پڑھتا رہے تو اس کے معنی خود بخود اس کی سمجھ میں آنے لگتے ہیں۔ اگر قرآن پاک کی تلاوت کے ساتھ ساتھ ترجمہ بھی پڑھا جائے تو تلاوت میں تسلسل نہیں رہتا۔ اس کا حل یہ ہے کہ ہم ایک بار قرآن پاک کی تلاوت کر لیں پھر چھٹی سورتوں کی تلاوت کی ان کی دوبارہ تلاوت کرتے جائیں اور ساتھ ساتھ ترجمہ پڑھتے جائیں۔

رب سے ہم کلام ہونے کی Feelings اس وقت پیدا ہوتی ہیں جب ہم تسلسل سے تلاوت کر رہے ہوتے ہیں۔ جب وہ ان تلاوت انسان کلام الہی کے بحر میں ڈوبتا چلا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے مجھے ہی ایسا محسوس ہوتا ہو لیکن بھرا تجربہ یہی ہے کہ جب میں روانی و تسلسل کے ساتھ قرآن پاک پڑھتا ہوں تو اس وقت مجھ پر جو کیفیت طاری ہوتی ہے وہ بڑگ بڑگ کر تلاوت کرنے سے طاری نہیں ہوتی۔ روانی و تسلسل سے تلاوت کرتے ہوئے وہ جلد طاری ہونے لگتا ہے تو ترجمہ ساتھ پڑھتے ہوئے طاری نہیں ہوتا۔ اس لیے میرا مشورہ یہی ہے کہ پہلے تلاوت، پھر تلاوت و ترجمہ اور اس کے بعد حاشیے میں دی گئی تفصیل پڑھ لیجیے۔ اس طرح دونوں مقاصد حاصل ہو جائیں گے۔ ترجمے سے قرآن پاک سمجھا جائے گا اور ہدایت مل جائے گی جب کہ روانی و تسلسل سے تلاوت قرآن پاک کرنے سے خود پر طاری ہونے والے وجد کا تجربہ بھی ہو جائے گا۔

سوال: توجہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: وجد اس کیفیت کا نام ہے جب انسان رب تعالیٰ کے حضور تنہا ہو جاتا ہے۔ اس کا رابطہ ارد گرد کی دنیا سے کٹ جاتا ہے، ارد گرد کی چیزیں پر نگاہیں رب تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتی ہیں۔ ایسے میں نفس کی سی جو کیفیت طاری ہوتی ہے اسے وجد کہا جاتا ہے۔

سوال: مجھے قرآن پاک پڑھنے میں اتنا سرور حاصل نہیں ہوتا جتنا سننے میں۔

جواب: آپ قرآن پاک ضرور سنیں لیکن قرآن پاک پڑھنا زیادہ افضل ہے۔ کوشش کیجیے کہ قرآن پاک دان

میں کم از کم تین بار پڑھ لیا کریں۔ پھر عصر اور عشاء کی نماز کے بعد کلمات سے قرآن پاک پڑھنے سے اس سے معافی سمجھانے لگتے ہیں اور اللہ کی بے تحاشا رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ عصر کی نماز کے بعد قرآن پاک پڑھنے کے بے پناہ فضائل ہیں۔ اللہ کی خاص رحمتیں انسان پر نازل ہوتی ہیں۔ قرآن پاک سننے کا سرور حاصل کر کے لیے یہ کر لیں کہ ذرا عین صبح کے وقت سی ڈی پیسہ قرآن کر لیا کریں۔ لیکن یہ احتیاط کر لیں کہ جب آپ قرآن پاک سن رہے ہوں تو کسی اور کام میں مشغول مت ہوں۔ نہ کسی سے گفتگو کریں نہ کسی دینی دیکسی بلکہ خاموشی سے تلاوت کلام پاک سنیں تاکہ اس کی بھرپور برکات حاصل ہو سکیں کیونکہ خاموشی اور تہجد سے قرآن پاک سننے والوں پر اللہ تعالیٰ رحم فرماتا ہے۔

سوال: کیا وجہ ہے کہ کوشش اور عبادت کے باوجود ہماری زندگی تبدیل نہیں ہوتی؟

جواب: کوششیں کبھی رازگاری نہیں جاتیں۔ اللہ تعالیٰ کبھی کسی کی کوشش اپنے ذمہ نہیں رکھتا اس کا احکام صلا اور اجر اللہ تعالیٰ لازمی عطا فرماتا ہے لیکن جب ہم عبادت میں غرض لے آتے ہیں خواہ وہ ثواب ہی کی غرض کیوں نہ ہو تو اس کے اثرات ویسے نہیں ملتے جیسے ملنے چاہئیں۔ اس کے برعکس جب انسان اپنے رب کو بے غرض ہو کر پکارتا ہے، اسے لائق عبادت سمجھ کر اس کی پرستش کرتا ہے تو پھر ایسی عبادت کے بے پناہ انعامات حاصل ہوتے ہیں حتیٰ کہ Towards life ہمارے رویے تک تبدیل ہو جاتے ہیں۔

بدون عشق الہی مشاہدہ حق ممکن نیست

جناب قبلہ بابا فرید الدین گنج شکر رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ چار طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔

- 1۔ جن کا ظاہر بڑا اجلا اور باطن بڑا خستہ ہوتا ہے۔
- 2۔ جن کا ظاہر بڑا خستہ لیکن باطن بڑا اجلا ہوتا ہے۔
- 3۔ جن کا ظاہر بھی خستہ اور باطن بھی خستہ ہوتا ہے۔
- 4۔ جن کا ظاہر بھی اجلا اور باطن بھی اجلا ہوتا ہے۔

جن لوگوں کا ظاہر خستہ اور باطن اجلا ہوتا ہے وہ مجذوبین ہیں، صاحبان جنون و عشق ہیں۔ اُن کی رب تعالیٰ سے محبت اس مقام کو پہنچتی ہوتی ہے کہ جہاں انھیں رب تعالیٰ کی تجلیات کے مشاہدے ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ انھیں اتنا ہوش ہی نہیں رہتا کہ وہ اپنے ظاہر پر توجہ دے سکیں۔ اپنے ظاہر پر توجہ نہ دینے کے نتیجے میں اُن کا ظاہر خستہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

وہ لوگ جن کے ظاہر اُبلے لیکن باطن خستہ ہیں (اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس حال سے معاف رکھے) اُن کی عبادات میں بھی ریاکاری ہے۔ اُن کا ظاہر بھی دکھاوا ہے، جنون عشق بھی دکھاوا ہے۔ رب تعالیٰ ایسے لوگوں کی عبادات اُن کے منہ پر دے دیتا ہے۔ بقول بابا فرید الدین گنج شکر رحمہ اللہ: جن کا ظاہر بھی خستہ اور باطن بھی خستہ ہے یہ عام دنیا دار لوگ ہیں، جب کہ وہ جن کے ظاہر و باطن دونوں اُبلے ہیں یہ اصل میں مشائخ ہیں۔ رب تعالیٰ کی اُن پر اتنی رحمت ہے کہ یہ سب سے شام تک اسرار الہی کو انجوائے کرتے رہتے ہیں، اُن کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ اسرار الہی کے پیالے بھر بھر کر پیتے ہیں لیکن ایسی خوب صورتی سے کہ کبھی چھلکتے نہیں۔ انہی لوگوں کے پاس میں گہا جاتا ہے کہ جب انھیں تجلیات اور اسرار الہی کا مشاہدہ ہوتا ہے تو یہ بڑی خوب صورتی سے Absorb کر جاتے ہیں اور ظاہر نہیں ہونے دیتے، اُس کا عیہ نہیں کھولتے۔ بال البتہ جب یہ ایک ایسے مقام پر پہنچتے ہیں جہاں ان کا دل اور باطن اسرار الہی سے یوں لبریز ہو جاتا ہے کہ مزید اسرار الہی جذب کرنا ممکن نہیں رہتا تو پھر پیالے کا اعتبار شروع کر دیتے ہیں۔

ابتداء میں جب اسرار الہی کا مشاہدہ ہو اور انسان اس عیہ کو ظاہر کر دے تو اس کی سزا بہت کڑی ہے۔

مشاہدے کا وہ سلسلہ وہیں رک جائے گا لیکن اگر ایک خاص مقام پر پہنچنے کے بعد (جہاں دل اسرار الہی اور تجلیات سے پوری طرح لبریز ہو جاتا ہے) اگر اُسے ظاہر کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ یہ جہاں ہے کیونکہ اس سے لوگ Inspire بھی ہوں گے اور Aspire (آرزو یا تمنا) بھی کریں گے۔

منصور حلاج کا نام آپ نے سنا ہوگا۔ اُن کی بشیر و مشائخ میں سے ہیں۔ وہ روزانہ رات کو جنگل میں جا کر تنہائی میں عبادت کیا کرتے تھے۔ صبح جب واپس گھر آتے گتیں تو دب کا ایک فرشتہ انھیں اسرار الہی کا مشاہدہ کراتا۔ یہ اسرار الہی مشروب کے ایک پیالے کی صورت ہوتا۔ منصور حلاج جنہیں تھے کہ میری بشیر و روزانہ رات کو کہاں جاتی ہیں۔ ایک رات وہ اُن کا پیچھا کرتے کرتے جنگل میں جا پہنچے اور رات بھر انھیں رب کی عبادت کرتے دیکھتے رہے۔ صبح جب اُن کی خدمت میں پیالہ پیش کیا گیا اور وہ مشروب پینے لگیں تو منصور حلاج بھاگ کر اُن کے پاس گئے اور درخواست کی "میرے لیے بھی ایسا کچھ جو تیرا پیالہ ہے" پھر انھوں نے پیالہ پکڑا اور مشروب پی لیا۔ مشروب پیتے ہی اُن پر ایک عجیب جذب کی کیفیت طاری ہو گئی اور انھوں نے غور لگایا "انہ الحق"۔ اس کے بعد اُن کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ آپ کے سامنے ہے۔ جب باوجود وقت کے علم پر انھیں قتل کیا گیا تو بشیرہ نے کہا "افسوس! منصور حلاج نے اسرار الہی کو پی تو لیا لیکن اُسے برداشت نہ کر سکے۔ مجھے بھی رسوا کیا اور خود بھی رسوا ہوئے۔"

Early stage پر اسرار الہی کو افشا کرنے کی سزا بہت سے اولیاء نے موت کی صورت چھلی ہے۔ ابتدا میں تجلیات اور اسرار کو اپنے اندر Absorb کر لینا چاہیے۔ بیان نہیں کرنا چاہیے کہ میں نے کیا دیکھا کیا پیش آیا؟ میرے دل کی کیفیات کیا ہیں؟

اسرار الہی کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی عرض کر دوں کہ جس طرح 70 ہزار جہان ہیں اُسی طرح اسرار الہی کی تعداد بھی 70 ہزار ہے۔ مردان حق اسرار الہی اور تجلیات کا مشاہدہ کرتے ہیں مگر ان کی سماعت میں کوئی برابر فرق نہیں آتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مردان حق / صاحبان علم / صاحبان باطن کے سفر کی ابتدا بہت سخت محنت، مشقت اور ریاضت سے ہوتی ہے۔ یہ بہت کڑے مجاہدے کرتے ہیں۔ اتنے سخت مجاہدے کرنے کے بعد یہ مجاہدے سے مشاہدے تک کا سفر طے کرتے ہیں لیکن مجاہدے سے مشاہدے تک کا یہ سفر عشق الہی کے زور پر طے ہوتا ہے۔ اس سفر میں Carrier عشق الہی اور رب تعالیٰ سے محبت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مردان حق اور مردان علم و عقل ابتدا ہی سے اسرار و تجلیات کی ابتدائی شکل کو رفتہ رفتہ Absorb کرتے کرتے اس کے Higher level تک سفر کرتے رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر سانپ کے کانٹے کا جو اثر بقیہ بتایا جاتا ہے اُس کے لیے گھوڑے کا خون استعمال ہوتا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ جس گھوڑے کے خون سے تریاق بنایا جاتا ہے اُس گھوڑے کو اُس کی پیدائش کے فوراً بعد سے زہری معمولی مقدار Regular intervals کے بعد Inject کی جاتی ہے۔ رفتہ رفتہ زہری کی یہ مقدار بڑھاتے چلے جاتے ہیں حتیٰ کہ وہ گھوڑا زہری کی بڑی مقدار کو بہت Comfortably برداشت کرنے لگتا ہے اور اُس کے لیے یہ روغن کا معاملہ بن جاتا ہے۔ جب اُس

کے خون سے ترقیق ملایا جاتا ہے اور جس کو سانپ کاٹ لے اسے اس ترقیق کا انجکشن دے کر بچایا جاتا ہے۔ اسی طرح جو فقیر اور درویش اللہ کی راہ پر چلتے ہیں ان کے سفر کی ابتدا فراغ کی ادائیگی سے ہوتی ہے اور وہ نقل کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ جس طرح ہائیڈروجن کے دو حصے اور آکسیجن کے ایک حصہ کو Controlled environment میں Blend کریں تو وہ H_2O , Blend یعنی پانی بن جاتا ہے۔ اسی طرح فقیر میں انسان ایک Blend تیار کرتا ہے۔ وہ Blend ہے عبادات، ذکر الہی اور نیکی کا۔

ہم مذہبی میں جھلا جاتے ہیں کہ عبادت گزار لوگوں کو نیک اور نیکو کاروں کو بھلا آدمی کہتے ہیں۔ عبادت اور نیک میں فرق ہے۔ عبادت سے انسان کو صرف پارسانی ملتی ہے لیکن جب انسان نیک اور پارسانی کا Blend بن کر ملتا ہے تو پھر اس کے نتیجے میں انسان کو رب ملتا ہے۔

یہ جوتج کے دور میں فیشن چل رہا ہے کہ کوئی مرد موسن مجھ پر نگاہ ڈال دے اور میں نیک ہو جاؤں، مجھے رپل جائے۔ اور مجھے یہ بھی پختہ یقین ہے کہ صرف تسبیح پھیرنے سے ہی مجھے رب ملے گا۔ رب تسبیح کے دانے پھیرنے سے نہیں ملتا۔ رب کو پانے کا آمان نیک ہی ہے کہ انسان اپنے اندر پار سائی اور نیکی کو یک جا کر لے۔ پھر رب اس کا ہے۔

سوال: کیا فرض عبادات اور بنیادی عقائد کی اصلاح کے بغیر محض نیکی سے رب کو پایا جاسکتا ہے؟

جواب: عبادت پہلے اور نیکی بعد میں ہے۔ ہم مسلمان ہو ہی نہیں سکتے جب تک ہم تو حید پر ایمان نہ لائیں اور پھر آپ ﷺ کو گناہ رسول اور نبی آخر الزماں نہ مانیں۔ قرآن پاک کو آخری الہامی کتاب نہ مانیں۔ آپ ﷺ سے پہلے آنے والے تمام انبیاء اور رسولوں پر ایمان نہ لائیں اور قرآن پاک سے پہلے نازل شدہ تمام الہامی کتب پر ایمان نہ لائیں۔

مسلمان ہونے کی ابتدا ہوتی ہے رب کی اطاعت سے۔ اور یہ اطاعت ہمیں بندگی کی طرف لے جائے گی۔ بندگی اطاعت کی اگلی منزل اور Superior form ہے۔ جہاں انسان بندگی کے مقام پر آئے گا اُس میں پارہ سانی پیدا ہو جائے گی۔ اُس پارہ سانی کو جب ہم نیکی کے ساتھ ملا لیں گے تو ہمیں رب مل جائے گا۔

نیکی کیا ہے؟ زندگی گزارنے کا وہ فنک جو آپ کو خدا ماننے اپنی عمل زندگی کی صورت بطور عمو نہ ہمارے لیے چھوڑ دے۔

جب ہماری زندگی آپ سید محمد علیؒ کی اتباع میں گزرنے لگے، ہمارے رویے سنت کے مطابق ہو جائیں، جب ہم قونان کی عیسیٰ آپ سید محمد علیؒ کی سنت کے مطابق کرنے لگیں، جب ہمارے دل سے دنیا کی محبت نکل جائے اور ہمارے اندر قوت اور قہر پیدا ہو جائے تو وہ عیسیٰ کی راہ ہے۔ پہلے ہم اللہ کی بندگی کر لیں اور پھر اپنی زندگی آپ سید محمد علیؒ کی سنت کے مطابق گزار لیں۔ اس زندگی اور اتباع کے بعد ہمیں رب کا قرب اور دوستی ملنا ہو جائے گی۔

آئیں ب کی محبت، اور اگر لاکھ مارو دغا کف اس لالی سے کریں کہ ہمارا لٹاس کام ہو جائے گا تو رہ اس کا

جی ثواب و عطا فرماتا ہے کیونکہ وہ انتہائی رحیم و کریم ہے لیکن یہ عبادت کم تر درجے کی ہے۔ اگر ہم یہ سوچیں کہ عبادت کریں کہ ہمیں جنہم سے نجات مل جائے گی اور رب تعالیٰ ہمیں جنت میں داخل کر دے گا تو وہ اب اس عبادت کو بھی قبول کر لیتا ہے کیونکہ وہ انتہائی مہربان ہے لیکن یہ عبادت بھی کم تر درجے کی ہے۔ اگر یہ پہلی قسم کی عبادت سے بہتر ہے۔ اگر ہم رب تعالیٰ کی عبادت اس نیت سے کریں کہ یہ رب تعالیٰ کا حکم ہے تو یہ عبادت قبول ہو جائے گی اور اس کا اجر وہ ثواب بھی مل جائے گا۔ یہ عبادت اگرچہ پہلی درجہ کی عبادت سے بہتر ہے لیکن پھر بھی کم تر درجے کی ہے۔ اگر ہم نے رب تعالیٰ کی عبادت صرف اور صرف یہ سوچ کر کی کہ رب اعلیٰ عظیم اور ہمارا اتنا بڑا محسن ہے کہ وہ لائق عبادت ہے۔ جب انسان رب تعالیٰ کو لائق عبادت سمجھ کر اس کی پرستش کرتا ہے تو پھر یہ نہیں سوچتا کہ اس عبادت و اطاعت اور بندگی کے نتیجے میں وہ وہاں سے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ یہ اُس کی اپنی صوابدید ہے کیونکہ وہ آقا و مالک ہے اور آقا و مالک کے کسی کام پر کبھی اننگی نہیں اٹھائی جاسکتی۔ یہ اعلیٰ ترین درجے کی عبادت ہے جس کے نتیجے میں انسان کو بارگاہی ملتی ہے۔ ان بارگاہی عطاات سے گزرے بغیر انسان اُس مقام پر آ ہی نہیں سکتا جہاں اُسے رب مل جائے۔

میری زندگی کی پہلی جاب 22 سال کی عمر میں محکمہ کوئی گیس میں ہوئی۔ تب یہ پیش بھی تھا۔ کچھ عرصہ بعد جب اس معاہدے کی مدت پوری ہوئی جو حکومت پاکستان نے برٹش کیمنی کے ساتھ کیا تھا کہ آپ باپ اٹن بچھا دیں اس کے صلے میں آپ دس سال تک Free of cost گیس حاصل کر سکتے ہیں اور اسے سچے سچے لیتے ہیں۔ Agreement period پورا ہونے کے بعد اسے گورنمنٹ آف پاکستان نے Take over کر لیا اور اس کے ساتھ ہی اس پر گورنمنٹ سروس روٹر Applicable ہو گئے جن کے تحت 52 سال سے زائد عمر کے تمام افراد کو ملازمت سے فارغ کر دیا گیا۔ تب میرے ایک سلیئر Colleague نے کیا کہ میری ریٹائرمنٹ کا وقت آ گیا ہے۔ میرے ایک بیٹے نے انگریزی میں ماسٹر کیا ہوا ہے۔ CSS کا تحریری امتحان بھی Clear کیا لیکن Viva پاس نہ کر سکا۔ اگر آپ اسے بطور Trainee لے لیں تو میری ریٹائرمنٹ سے پیدا ہونے والے گھریلو مسائل حل ہو جائیں گے۔ "میں نے کہا "آپ اسے لے آئیے۔" اگلے روز جب وہ اپنے بیٹے کو ہمراہ لائے اور تعارف کرایا کہ یہ صندرمحمود انصاری ہے تو بے اختیار میرے سر سے ٹکڑا اٹا ابا۔ "کیونکہ وہ صاحبِ شکل سے اپنے باپ سے بھی بڑے دکھائی دے رہے تھے۔ میری زبان سے ٹکڑا "ابا" کا یہ ٹائٹل اتنا مشہور ہوا کہ بعد ازاں پورے آفس میں صندرمحمود انصاری کو ان کی ریٹائرمنٹ تک ای کام ابا" کا یہ ٹائٹل اتنا مشہور ہوا کہ بعد ازاں پورے آفس میں صندرمحمود انصاری کی ریٹائرمنٹ تک ای کام سے پکارا جاتا رہا۔ اُن کے چہرے پر عجب سا تاثر تھا جس کی پہچان نہیں آتی تھی۔ اُن کا چہرہ Deformed لگتا تھا۔ جلد بھی عجیب و غریب تھی اُس پر یوں Flakes (دھبے) دکھائی دیتے جیسے مچھلی کے جسم پر نظر آتے ہیں۔ جن دنوں میں اُن کی ٹریڈنگ کر رہا تھا تو وہ سارا دن خاموش بیٹھتے رہتے۔ مجھے اب وہ آتے تو اُن کے بیٹے ہوں تو سے اندازہ ہوتا کہ انھوں نے سلام کیا ہے کیونکہ اُن کی آواز نہیں نکلتی تھی۔ سارا دن وہ سیر کر رہے تھے اور کب سے اُن کے رہتے یا کچھ لکھتے رہتے۔ ایک دوڑا نہیں چھوڑا Figure work کرتے دیکھ کر میں نے پوچھا تھا

ایسا کیا کر رہے ہیں؟" میں اُس وقت 22 سال کا تھا اور دفتر میں اُلٹی سیدھی حرکتیں کرتا رہتا تھا اس لیے کسی کو اندازہ نہ ہوئی تھیں سکتا تھا کہ میں رب کے نام سے بھی واقف ہوں یا اللہ کا ذکر بھی کرتا ہوں۔ یہ وہی زمانہ تھا جب میں چھپ کر شیخ نام 40, 82 وظائف کیا کرتا تھا۔ میرے اس سوال پر کہ بتایا ابا کیا کر رہے ہیں؟ انھوں نے جھٹ سے جواب دیا "سرا آپ بھی بہت عبادت کرتے ہیں۔ اللہ کو پکارتے ہیں۔ کبھی میں بھی اللہ کو ایسے ہی پکارا کرتا تھا۔ مجھے ولی اللہ بننے کا بہت شوق تھا اور میں کافی حد تک آگے چلا گیا تھا۔ فقر اور ولایت کے ابتدائی مرحلے میں انسان کو جنات دکھائی دیتے لگتے ہیں۔ وہ اُن سے گفتگو بھی کرنے لگتا ہے۔ بہت سے لوگ اس ابتدائی مرحلے کو منزل سمجھ کر یہیں رک جاتے ہیں۔ میں بھی اس مرحلے تک آن پہنچا تھا۔ جب مجھے لگتا تھا کہ میں جلد صاحب کشف ہو جاؤں گا لیکن بد قسمتی سے ایک روز یہ شیطانی خیال آگیا کہ جب مجھے کشف حاصل ہو جائے گا تو میں زمین میں چھپے خزانے دیکھ لوں گا اور انھیں نکال لیا کروں گا۔ ریس میں جیتنے والے گھوڑوں کے نمبر کشف میں دیکھ کر اُن پر شرط لگا کر امیر ہو جاؤں گا۔ یہ خیال آیا تو اُس کے ایک ہی ہفتے کے اندر میری شکل بدل گئی۔ سب کچھ چھن گیا اور سزا کے طور پر میری شکل اتنی Deform ہو گئی کہ پہلی نظر مجھ پر پڑنے کے بعد آپ بھی بے اختیار کہنا لگے "بتایا یا۔"

یہ سارا قصہ سنائے کا مقصد یہی تھا کہ اگر خدا خواستہ عبادات، تسبیحات اور ذکر کا رکا کا رکا سطح نظر کسی ذیادتی مقصد کا حصول یا دنیاوی لالچ ہو تو پھر بتایا ابا جیسا انجام ہوتا ہے۔ بہت مار پڑتی ہے۔ انسان اس راہِ فقر پر صرف اُسی صورت چل سکتا ہے اگر اخلاص اور لگن قائم رہے۔ مجاہدے سے مشاہدے تک کا سفر صرف اُسی صورت میں طے ہو سکتا ہے جب دل میں عشق الہی بسا ہو ورنہ انسان ریاضت میں ہی کھویا رہتا ہے۔ آگے کا سفر طے ہی نہیں ہوتا اور انسان مشاہدہ تک پہنچ ہی نہیں پاتا۔

سوال: کیا یہ کچھ نہیں کہ نیکی اور عبادت کا Blend معلوم کیے بغیر ہی ہم نیکی کی راہ پر چل پڑیں؟

جواب: جب سے انسان کی تخلیق ہوئی ہے اس کی Basic requirements کبھی تبدیل نہیں ہوتیں۔ صرف انسان کی جب سوچ بدلتی ہے تو اُس کی خواہشات بدل جاتی ہیں۔ Requirements وہی رہتی ہیں۔ جب ہم اپنی ضروریات Barest minimum پر رکھتے اور خواہشات کو قابو میں کر لیتے ہیں تو پھر ہماری ضروریات بھی کم ہو جاتی ہیں اور ہم تھوڑے میں بھی مطمئن ہو جاتے ہیں۔ جیسے خج کی تعریف یہ ہے کہ جب وہ کسی کو کھدے تو بہت بھی تھوڑا لگتا اور جب کسی سے کچھ لے تو تھوڑا بھی بہت لگے۔

جب انسان کے دل میں غنا پیدا ہو جاتا ہے تو وہ تھوڑے میں راضی ہو جاتا ہے کیونکہ اُس کی خواہشات قنم ہو جاتی ہیں۔ آج سے آٹھ سو سال پہلے بھی انسان کی ضروریات یہی تھیں اور خواہشات اسی طرح بدلتی رہیں۔

جب تک ہم اپنی طرف سے Convince نہیں ہوتے کہ نیکی کیا ہے اور یہ ہمیں کس طرف لے جائے گی۔ اس کا حاصل کیا ہوگا جب تک ہم نیکی اختیار نہیں کر سکتے۔ جب تک ہمیں معلوم نہ ہو کہ عبادت کیا ہے اور اسے

کرنے سے ہمیں کیا حاصل ہوگا تب تک ہم عبادت کی راہ پر چل ہی نہیں سکیں گے۔

آپ نے بالکل بجا فرمایا کہ محض یہ جاننے کے بجائے کہ نیکی کیا ہے، نیکی کی راہ پر چل کیوں نہ کر لیا جائے۔

یہ حقیقت ہے کہ نتائج تصوری جاننے سے نہیں مل سکتے ہیں لیکن ہم ان تک پہنچنے کے لیے Inspiration ضروری ہے۔ جب تک بندہ Inspire نہیں Aspire وہ نہیں کر سکتا۔ اور Inspiration اُسی وقت آئے گی جب ہمیں یہ پتا چلے گا کہ عبادت یا نیکی کیا ہوتی ہے اور عبادت یا نیکی کی راہ پر چلنے سے حاصل کیا ہوگا۔ نیکی یا عبادت کیا ہوتی ہے؟ یہ جاننا ہمیں ملنے کے لیے Inspire کرنے کا اور یہ جاننا کہ عبادت یا نیکی کے نتیجے میں ہمیں حاصل کیا ہوگا، ہمارے اندر Aspiration پیدا کرے گا۔

عبادت اور نیکی دونوں کے حاصل وصول کا Blend کیا ہوگا اور اس Blend کا حاصل وصول کیا ہوگا؟ یہ جاننا اس لیے ضروری ہے کہ شاید اس طرح اللہ میرے دل میں یہ شوق پیدا کر دے کہ میں رب تعالیٰ سے دوستی کروں۔

بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ یا کسی بھی ولی اللہ کی Quotation دینے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ہم اُن کی تعلیمات اور اُن واقعات سے Inspire ہو کر اُن کی راہ پر چل پڑیں کیونکہ وہ نیکی کی راہ تھی۔

سوال: آج کل فی شرٹس پر جان داروں کی تصویریں یا پولو کا Logo کندہ (Emboss) ہوتا ہے۔ کیا ایسی قمیص پہن کر نماز ہو جاتی ہے؟

جواب: حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ ہر وہ معاملہ یا چیز جس کے بارے میں دل میں شک آجائے اسے ترک کر دیجئے۔ اگر ہمارے دل میں شک آتا ہے کہ ایسی فی شرٹ جس پر Polo کا Insignia (نشان) Emboss ہوا ہو پہن کر نماز نہیں ہوگی تو ایسی شرٹ پہن کر نماز ادا نہ کی جائے۔

ویسے بھی نماز کے آداب کا تقاضا ہے کہ ہم پولو فی شرٹ کے بجائے پوری آستین کی شرٹ پہنیں تاکہ کہنیاں ڈھک جائیں یا ایسی چادر لپیٹ کر نماز ادا کر لیں جس سے کہنیاں بھی ڈھک جائیں اور پولو شرٹ پر Embossed logo بھی چھپ جائے یوں دل کا وہم اور شک بھی نکل جائے گا۔

سوال: کچھ گھروں میں بزرگوں کی تصاویر لگی ہوتی ہیں۔ کیا ایسے کروں میں نماز پڑھی جاسکتی ہے؟

جواب: بکرے میں تصویر لگی ہو تو اسے وہاں سے ہٹا دیں یا الٹ دیں پھر نماز ادا کریں۔ تصویر کے سامنے نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔

سوال: کیا Aspiration سے پہلے Inspiration level کو Sustain کرنے کا کوئی طریقہ ہے؟

جواب: آپ نو جوان ہیں۔ اسی دنیا میں رہتے ہیں کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی رنگ میں ملحق مجاہد میں مبتلا ہوتے ہوں گے۔ اس کیفیت میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ اس شخص کا خیال آپ کے ذہن سے نہیں نکلتا جس سے آپ کی فانی اور فانی قربت ہو۔

Inspiration کو Sustain کرنے کا بڑا آسان نسخہ ہے۔ وہ چیزیں جو ہمیں Inspire کر رہی ہیں ہم فرصت کے لمحات میں روزانہ انہیں دل میں دہرائیں تو وہ Inspiration دل میں گھر بنا لیتی ہے۔ لیکن اگر حقیقی طور پر ہم کسی چیز سے متاثر یا Inspire ہو جائیں اور پھر رفتہ رفتہ وہ باتیں ذہن سے محو ہونے لگیں تو Inspiration ختم ہو جاتی ہے۔ اگر ہم اخلاص سے اللہ کی راہ پر چلنے کے متمنی ہیں تو جیسے ہی محسوس کریں کہ Detrack ہونے لگے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف مائل کرنے والی باتوں کو دہرائنا شروع کر دیں۔ اس سے انہیں سustain رہنے لگیں۔

سوال: راہِ سلوک میں سالک کو بہت سے مشاہدات حاصل ہوتے ہیں لیکن ماہرین نفسیات مشاہدہ اور اسرارِ تجلیات کو ذہنی بیماری قرار دیتے ہیں۔ مشاہدات اور اسرارِ تجلیات کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: سائنس کے مطابق سب کھیل ہمارے دماغ کا ہے۔ سائنسی تو جیہ کہے کے مطابق ہمارے دماغ کے بہت سے Cells عام طور پر Activate نہیں ہوتے۔ Genius لوگ بھی اپنے دماغ کا محض 30 سے 40 فی صد حصہ استعمال کرتے ہیں۔ سائنس سے 70 فی صد Idle (بے کار) پڑا رہتا ہے۔ اس میں کیا کیا امرا چھپے ہیں ابھی سائنس Gradually (تدریجاً) انہیں Discover (دریافت) کر رہی ہے۔ مثال کے طور پر HRM کے ماہرین کی تحقیق کے مطابق سخت حالات کار میں کام کرنے والے افراد اپنے اوپر ہائی ڈگری Fever طاری کر لیتے ہیں تاکہ انہیں پھشیل سکے۔ تحقیق سے یہ بھی پتا چلا کہ جب انسان مسلسل ہائی ڈگری Fever کے بارے میں سوچتا رہتا ہے تو دماغ میں موجود کچھ خاص Cells (خلیات) Activate (متحرک) ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح آپ نے یہ تحقیق بھی پڑھی ہوگی کہ مختلف افراد مختلف Objects جیسے میز، کرسی وغیرہ پر چوں نظر جمالیتے ہیں کہ وہ چیز غور، غور و غور دماغ میں Lift کر جاتی ہے۔ یہ دراصل Concentration of mind سے ہوتا ہے۔ اسے سائنسی زبان میں Brain power کہتے ہیں۔ جب کہ رُوحانیت کہتی ہے کہ یہ ہے تو Brain power ہی لیکن اس پاور کو Develop کرنے کے لیے Positive thinking (مثبت سوچ) چاہیے جو ذہنی یک سوئی کی بنیاد ہے۔ Concentration span (یک سوئی کا دورانیہ) اُتنا ہی Broad ہوگا جتنی آپ کی سوچ مثبت ہوگی۔ مثلی سوچ کے حامل افراد کا Concentration span بڑا Broad ہے۔ جس انسان کا Concentration span بڑا ہوگا وہ سوچ اور زیادہ ہوتا ہے وہ اُسی قدر اپنے دماغ سے بہتر کام لے سکتا ہے۔ Concentration of mind کو Broad کرنے کے لیے جس مثبت سوچ کی ضرورت ہوتی ہے، روحانیت اس کو Develop کرتی ہے۔

جب انسان کسی سے شک و شبہ نہیں کرتا، کسی کی عیب جوئی نہیں کرتا، زیادتی کرنے والے کو بغیر اس کے معافی مانگے معاف کر دیتا ہے، خود کو گناہ گرد و ملوث کو گناہ کا گھلاٹا اور اپنی ضرورت روک کر دوسروں کی خدمت کرتا ہے، اس جیسی کو سائنس Positive thinking (مثبت سوچ) کہتی ہے جب کہ رُوحانیت میں ہم کہتے ہیں کہ جب آپ جیسی کی راہ اختیار کریں گے تو آپ کے مختلف Brain cells متحرک ہو جائیں گے۔

بات کو مزید سمجھنے کے لیے ہمیں ذرا پیچھے جانا پڑے گا۔ قرآن کے مہیہم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو علم الہام سکھایا۔ وہ علم Genetically (جینیاتی طور پر) ہمارے اندر رُخسفر ہوا ہے۔ ہم اس علم کو نیکی کی راہ اختیار کر کے Develop کر سکتے ہیں۔ آپ اسے نیکی نہ کیے سائنس کی زبان میں یوں کہہ لیجئے کہ Genetically ہمارے اندر جو علم موجود ہے، اسے Positive thinking (مثبت سوچ) اور Positive attitude (مثبت رویے) سے Develop کر کے ہم اس دنیا میں داخل ہو سکتے ہیں جسے ہم غیب کی دنیا کہتے ہیں۔ غیب کیا ہے؟ جو ہماری نظروں سے اوجھل ہے وہ غیب ہے۔ عالم ارواح سے ہماری توجہ آتی وہ غیب ہے۔ مرنے کے بعد ہماری رُوح عالمِ برزخ میں چلی جائے گی۔ یہ غیب ہے۔ سو ہر روز زندگی میں آنے والا ہر لمحہ غیب ہے کیونکہ ہمیں معلوم نہیں کہ اگلے لمحے میں کیا ہونے والا ہے۔ ہم غیب میں رہتے اور غیب میں چلے جاتے ہیں۔ اس Aspect کے بارے میں رب تعالیٰ نے کہا کہ میں نے یہ سب تمہارے سینوں (قلب) میں رکھا۔ رُوحانیت میں ہم اسے قلب جب کہ سائنس اسے Brain کہتی ہے۔ سائنس کی رُوح سے یہ سارا قصہ Positive thinking کا ہے جب کہ رُوحانیت اسے نیکی کا نام دیتی ہے۔ اسی نیکی یا Positive thinking (مثبت سوچ) سے Concentration of mind اور Brain power (ذہنی قوت) Develop ہوگی۔

آپ مذہب کو Quote نہ کرنا چاہیں تو سائنسی زبان میں یوں کہہ لیجئے کہ Brain Power پیدا ہونے سے دماغ کے کچھ حصے (Cells) متحرک (Activate) ہو جائیں گے جس سے آپ اس غیب کے حصے بھی دیکھ پائیں گے جہاں سے ہم آئے ہیں۔ امریکہ میں ایک نئے موضوع Distant viewing پر گزشتہ اٹھارہ سال سے کام ہو رہا تھا کہ نیویارک میں بیٹا ایک شخص دریائے ایسٹون کے کنارے بے قبیلہ کی خیر کیسے مچا ہے۔ پھر انھیں اس کی سمجھ آگئی اور انھوں نے اسے سائنس کی زبان میں Distant viewing کا نام دیا جب کہ رُوحانیت اس کے لیے کشف کی اصطلاح استعمال کرتی ہے۔

بات ایک ہی ہے صرف Terminology کا فرق ہے۔ راہِ ایک ہی اختیار کرنا پڑے گی۔ سائنس کے راستے سے جائیں تو Positive thinking جب کہ رُوحانیت کی زبان میں نیکی کی راہ اختیار کرنا ہوگی۔ مثبت سوچ اور نیکی ایک ہی بات ہے۔

توکل علی اللہ

یہ دیکھ کر بہت خوش ہوتی ہے کہ لوگوں میں روحانیت کے حصول کا شوق بہت فرواں ہے۔ اس شوق کے پیچھے ہمارے مقاصد اور Deep down ہمارے Subconscious میں کیا ہے اور ہم روحانیت سے حاصل حاصل کیا کرنا چاہتے ہیں، یہ ایک علیحدہ موضوع ہے۔ ہمارے ہاں بنیادی Problem یہ ہے کہ ہم نے اولیائے کرام کے بارے میں وہ کتابیں پڑھیں جو مریدوں کی لکھی ہوئی تھیں اور جن میں زیادہ زور کرامات پر دیا گیا تھا۔ ان کرامات سے متاثر ہو کر ہمارے اندر بھی ان قوتوں کے حصول کا شوق پیدا ہوا۔ حالانکہ اگر ہم اولیاء اللہ کی اپنی لکھی ہوئی کتب پڑھیں اور ان کی زندگی کو Study کریں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نہ تو ان کے دہن و تدبیر میں کرامات کا ذکر ہے اور نہ ان کے Objectives میں۔ اگر ان اولیاء اللہ نے ان کرامات کا ذکر کیا بھی ہے تو انہیں Condemn کیا ہے، اچھا نہیں گردانا۔

روحانیت کی راہ اور حقیقت اس وقت زیادہ مشکل ہو جاتی ہے جب ہمارا Aim and objective کرامات کا حصول ہو۔ جب ہم یہ حاصل نہیں کر پاتے تو ہمیں بڑی مشکل ہوتی ہے۔ اولیائے کرام کے مطابق اس راہ کا پہلو یہ ہے کہ انسان کو نہ تو اپنے دل کی فکر ہو نہ اپنے رزق کی۔ جس انسان کو اپنے دل کے رزق کی فکر لاحق ہوگئی وہ درویش نہیں۔ اگر خائفہ پر کوئی ایسا آدمی نوٹس ہو جاتا جس نے اپنے آنے والے دل کے لیے رزق سنجال رکھا ہو تو اسے بد بخت سمجھا جاتا۔

بلکل وہی کہاں سے لے گی اس کی پائیں؟ ایسی فکر کرنے والے آدمی کو اولیائے کرام اپنی خائفہ سے رخصت کر دیتے۔

پانچویں صدی میں شیخ رحمہ اللہ نے ایک ایسے درویش کا ذکر کیا ہے جو جنگل میں رہتا تھا۔ ایک شخص اس درویش کے پاس گیا اور اس سوچ میں گم تھا کہ ہادی سے دور اس جنگل میں کھانے پینے کے اسباب نہ جانے کیسے دستیاب ہوں گے۔ جب کھانے کا وقت ہوا تو درویش نے آسمان کی طرف دیکھا، کھانا پیش ہو گیا۔ وہ شخص یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ جب درویش کو پتہ چلا کہ اس نے زمین پر پاؤں مارا، چشمہ جاری ہو گیا۔ وہ شخص ایک باد چمچے سے اودھو لے آیا۔ رخصت ہوتے وقت اس نے دیکھا کہ درویش کا سیدھا کھانا کھا رہا تھا۔ وہ درویش نے یہ معلوم ہوا کہ وہ درویش بہت سال پہلے بپ کو یاد کرنے کے لیے جنگل کے کنارے میں مقیم ہو

رہتا تھا۔ ایک روز اس نے ایک دیوار ہاں پر اوٹھنا تو اسے گمان ہوا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے وہ درویش بطور رزق اس کے لیے رکھا ہے جیسے ہی اس نے اسے اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھا دیے تو خدا تعالیٰ کی قسم سے وہ دیوار غائب کی۔ یہاں غار میں اس توکل کی بنیاد پر مقیم ہوئے تھے کہ میرے سوا کسی پر رزق کے لیے توکل نہ کر سکے۔ جب شرمندگی کے مارے درویش نے تلوار سے اپنا وہ ہاتھ ہی کاٹ ڈالا جو دیوار اٹھانے کے لیے بڑھا تھا کیونکہ اس ہاتھ نے اللہ پر توکل میں خلل ڈالا تھا۔

ہم جن بزرگوں سے Inspire ہوتے اور جنہیں Idealise کرتے ہیں وہ کل کی فکر سے آزاد ہوتے ہیں۔ جب انسان رب تعالیٰ پر بھروسہ کرنے لگتا ہے اور دنیاوی مال و زر سے منہ موڑ لیتا ہے، دنیا سے توجہ ہٹا دیتا ہے تو ایک عجیب قانون فطرت دیکھنے میں آتا ہے کہ جو شخص بھی دنیا سے دور لپکا گا، دنیا اس کے پیچھے بھاگے گی اور جو دنیا کی طرف بھاگا، دنیا اس سے آگے بھاگے گی۔ جو دنیاوی مال و زر کا تعاقب کرتا رہا، مال و زر اس سے آگے بھاگتا رہا۔

ہم اگر اپنی زندگی پر نظر دوڑائیں تو عجیب و غریب Phenomenon نظر آتا ہے کہ جب کام کے لیے شدت سے خواہش کی کہ ہو جائے اور شدت سے دعا کی کہ یہ عاقبول ہو جائے تو وہ کام کسی شخص ہوا۔ وہ دنیا قبولیت کی سند نہ پاسکی۔ اس کے برعکس کسی کام کے لیے ایک لمحہ کو سوچا اور پھر کہا کہ جیسے اللہ کو منظور۔ کام ہو رہا تو ہو جائے گا۔ جس کام پر توجہ کر کے بنادی، جس خواہش کو رب کے سپرد کر دیا اور بھول گئے۔ وہ کام بہت جلدی ہو گیا اور خواہش بڑی جلدی پوری ہوگئی۔ وہ چیز حاصل ہوگئی۔

انسانی زندگی بڑی مزے کی چیز ہے۔ اگر ہم چھوٹے چھوٹے واقعات کو Analyse کرتے رہیں تو بہت Interesting حقائق سے آگاہی ہوتی ہے مثلاً ہمارے کام انکے ہوں تو ہم دفتر نہیں جاتے اور کسی صاحب کی تلاش میں رہتے ہیں کہ جو دعا کریں اور ہمارے سارے کام ٹھیک ہو جائیں۔ ہم یہاں کا دروازہ چھوڑتے ہی نہیں۔ میں بھی ایسا ہی کیا کرتا تھا۔ آفس جانے سے پہلے مرشد صاحب کے پاس حاضر ہوتا تھا، پھر ایک جگہ فٹ پاتھ کے کنارے تھڑے (چبوترے) پر بیٹھ کر ڈیوٹی دیتا اور اس کے بعد آفس روانہ ہو جاتا۔ صبح سات بجے گھر سے نکلتا تھا۔ ان دنوں پونے سات بجے ایک صاحب گھنٹی بجاتے۔ دروازے پر جاتا تو ایک ہی ٹکرا رہوٹی "شاہ صاحب! دعا کرو دیجیے کہ کہیں میری معافی نہ ٹوٹ جائے۔" جب میں دفتر جانے کے لیے گھر سے نکلتا اور گاڑی میں بیٹھنے لگتا تو وہ صاحب بھاگے بھاگے میرے پاس آتے اور کہتے "دعا کرو دیجیے کہ میری معافی نہ ٹوٹے۔" جب میں سنگل پر رکتا تو وہ صاحب وہاں بھی موجود ہوتے تھے کہ جب تک میں میانی صاحب قبرستان نہ پہنچ جاتا وہ یہی گردان کرتے رہتے "شاہ صاحب! دعا کرو دیجیے کہ میری معافی نہ ٹوٹے۔"

پانچویں صدی میں روز میری زبان سے نکل گیا "یار آپ کو معافی کی اتنی فکر ہے تو دعا کرو جی بھول کر آپ کی شادی جو ایک سال میں ہوئی ہے وہ اگلے چند دن کے اندر ہو جائے۔" یہ اتفاق کی بات ہے اس میں میری کوئی دخل نہیں کہ ایک ہفتے بعد ان کی شادی کا کارڈ آگیا کہ چند ہفتے شادی ہے۔ شادی کے چند دن بعد وہ اپنے معنی

جی۔ اور ازلہ کھولا تو وہی صاحب تھے کہ "اگر مکرہ پیچھے کی بڑی سے میری جان چھوٹ جائے۔"
جب بندہ اتنا اسرار کرتا ہے تو رب تعالیٰ کلمے میں پھنسا ڈال دیتا ہے۔ اگر ہم اپنی دعاؤں میں محتاط ہو جائیں اور اپنے معاملات رب تعالیٰ پر چھوڑ دیں تو عام طور پر فائدہ میں رہتے ہیں۔

سوال: کیا موسیقی اسلام میں جائز ہے؟

جواب: ہم اکثر اسلام کے بارے میں بہت شدت پسند ہو جاتے ہیں۔ مولانا مودودی صاحب سے کسی نے داڑھی کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے جواب دیا "اسلام میں داڑھی ہے، داڑھی میں اسلام نہیں ہے۔" اسی طرح جن لوگوں کے نزدیک موسیقی اسلام میں منع ہے، ان کی سوچ میں شدت پائی جاتی ہے حالانکہ آپ سیدھے جب مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو مدینہ کی بچیاں دف پر Welcome کے شعر گارہی تھیں۔ جب ایک صحابی نے بچوں کو منع فرمانے کی کوشش کی تو آپ سیدھے غلغلے فرمایا کہ "انھیں کہنے دو۔"

دف میوزیکل Instrument ہے اور عرب میں بہت Popular ہے۔ اسی طرح بہت سے اولیائے کرام کے مطابق سماع و صرف جائز ہے بلکہ ان کے یہاں بڑی پابندی سے غفلت سماع کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ اگر موسیقی رب کی طرف متوجہ کر دے تو یہ جائز ہے اور اگر رب تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دے تو ناجائز۔

سوال: کیا ہمارے سات میں سے پانچ لطائف مختلف پیغمبروں سے روشنی لیتے ہیں؟

جواب: یہ میرے علم میں نہیں کہ ہمارے سات میں سے پانچ لطائف مختلف پیغمبروں سے روشنی (Light) لیتے ہیں البتہ یہ ضرور جانتا ہوں کہ ساتوں لطائف اُس وقت Activate ہوتے ہیں جب ہم اپنی ذات کے اندر نیکی اور پارسائی کا Combination (امتزاج) Develop کر لیتے ہیں۔

عبادات، انوکھا اور نیک سوچ سے ہماری ذات میں پارسائی آ جاتی ہے جب کہ نیکی کے حصول کے لیے ہم اپنے نفس کی مخالفت کر کے آپ سیدھے ہم کی بتائی ہوئی راہ پر چلتے اور آپ سیدھے ہم کی حیات طیبہ کی اتباع کرتے ہیں۔ پارسائی اور نیکی کے اس Combination سے سات لطائف تو درکنار پوری روح لطیف اور بالیدہ ہونے لگتی ہے۔

جو صاحبان سات لطائف کو Activate کرنا چاہتے ہیں وہ مختلف قسم کے ذکر اذکار کرتے ہیں لیکن عام طور پر دیکھا یہ گیا ہے کہ ایسے صاحبان بتدریج عملیات کی طرف راغب ہونے لگتے ہیں۔ اگر Ultimate Objective رب کے قرب اور دوستی کا حصول ہے تو پھر ہمیں روح کی پالیہ کی پرزور دینا ہوگا۔ اس سے لطائف خود بخود Activate ہو جائیں گے۔ لیکن اگر ہمارے Objectives کچھ اور ہوں تو ہم مختلف مشقوں کے ذریعے لطائف کو اجاگر کر سکتے ہیں۔ مثلاً ایک نوزل ایک Nostril (نچھٹے) سے سانس لیں اور دوسرے سے Nostril سے Exhale کر دیں۔ دوسرے دن دوسرے Nostril سے Smoothly inhale کریں جب کہ پہلے سے بھٹکے سے نوب لگا کر Exhale کر دیں۔ تیسرے دن یہ مشق کرتے ہوئے ساتھ ذکر بھی کریں۔ اس قسم کی مشقوں سے لطائف تو Activate ہو جائیں گے لیکن رب تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہو

پائے گا۔ کیونکہ یہی ایک سرسبز و پھلکشا، ساہو، Saints وغیرہ بھی کرتے ہیں۔ ان کی تو تیس بیجا ربوتی ہیں اور انھیں استدرانج حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر کسی مسلمان سے خلاف فطرت کوئی عمل سرزد ہوتا ہے تو وہ کرامت، جب کہ غیر مسلم سے سرزد ہونے والا خلاف فطرت فعل "استدرانج" کہلاتا ہے۔ استدرانج Through exercise برآمدہ میں حاصل ہو جاتا ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ ہم Ultimately کہاں پہنچنا چاہتے ہیں۔ اگر جرات کو کاہل کرنا ہے تو مختلف عملیات اور ذکر اذکار سے یہ ممکن ہے۔ ہم کسی روح کے حامل بننا چاہتے ہیں تو تین دن کے معمولی عمل سے یہ ممکن ہے۔ اگر ہم کوئی اور کرامت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو مختلف ذکر اذکار سے لطائف Activate کر کے کرامت دکھا سکتے ہیں لیکن ہمیں Clear ہونا چاہیے کہ دراصل ہمارا صحیح مقصد کیا ہے۔

مسلمان کا منہ جائے مقصود تو رب تعالیٰ کا قرب اور دوستی ہے۔ مجلس لطائف کو اجاگر کرنے سے رب کی دوستی نہیں ملتی۔ رب کی دوستی پانے کے لیے ضروری ہے کہ پارسائی اختیار کی جائے اور تمام معاملات میں آپ سیدھے ہم کی حیات طیبہ کی پیروی کی جائے تاکہ ہم نیکی کی راہ پر گامزن ہو سکیں۔ پارسائی اور نیکی کا Blend ہمیں رب تعالیٰ سے قریب کر دے گا۔

سوال: کیا سورۃ التفاہین پڑھنے سے یہ نشان دہی ہو جاتی ہے کہ کسی انسان کا راجہ تصوف میں مرشد یا کامیاب کون ہے؟

جواب: ہمیں ان تصورات سے باہر آ جانا چاہیے۔ یہ عجیب و غریب تصور ہے کہ مرشد نہیں ہو گا تو شاید رب تعالیٰ نہیں ملے گا۔ رب تو ہر دل میں مل جاتا ہے۔ اگر ہم مرشد کی تلاش میں گزارنے والا وقت رب تعالیٰ کے ذکر، یاد اور نیکی کی راہ پر چلنے میں گزار دیں تو رب تعالیٰ کے انعامات کی بارش ہم پر ہو جائے گی۔ رب کا نظام ایسا ہے کہ ہر شے اور کام کا ایک وقت متعین ہے۔ جب مرشد سے آپ کے ملنے کا وقت آئے گا تو رب تعالیٰ از خود کوئی نہ کوئی بندوبست کر دے گا اور مرشد صاحب آپ کی تربیت فرمادیں گے۔ آپ اس بات پر پریشان نہ ہوں۔

آپ سورۃ التفاہین اس لیے نہ پڑھیے کہ اس سے مرشد صاحب مل جائیں گے اس طرح آپ سورۃ التفاہین کے انعامات کو ایک بہت چھوٹے مقصد تک محدود کر لیں گے۔ سورۃ التفاہین کی تلاوت کے وقت آپ کے پیش نظر یہ مقصد ہونا چاہیے کہ ہم سے جو روحانی کوتاہیاں سرزد ہو گئی ہیں، مختلف پڑھائیوں میں جو غلطیاں ہوئیں یہ تلاوت اُن کا مداوا کر دے گی اور ہماری روح کی تربیت اس طرح کر دے گی کہ ہم اللہ کی راہ پر چل سکیں گے۔ یہ بہت بڑا فائدہ ہے۔

سوال: غصہ کے عنصر کو اپنی ذات سے کیسے نکالا جاسکتا ہے؟

جواب: غصہ ہماری فطرت کا حصہ ہے اور ہماری حفاظت کے لیے بہت ضروری ہے لیکن ہم غصے کے ٹھوکرے نہ بے لگام نہ ہونے دیں۔ اس کی لگام میں اور کنٹرول اپنے ہاتھ میں رکھیں۔ جب کبھی غصے سے بے حال ہونے لگیں تو سوچ لیں کہ آپ سیدھے ہم کی حیات طیبہ کی پیروی کرتے ہیں۔ اس سنت پر عمل کرتے ہوئے ہم کبھی غصہ لی لوں۔ اس سوچ سے انسان غصہ پر قابو پالیتا ہے۔

سوال: کیا ایسا ممکن ہے کہ انسان رُوحانیت کے سفر کی ابتدا میں ہی اسرار الہی کی جھلک دیکھ لے تاکہ باقی رُوحانی سفر کا بت قدی سے ملے ہو سکے؟

جواب: رُوحانی راہ عقل اور Logic سے بالاتر ہے۔ ہم عقل اور Logic سے اُس کے کسی مقام پر نہیں پہنچ سکتے۔ جس انسان کو یہ سچ چینی رہی کہ مجھے کچھ ملایا نہیں، جو ہر نماز کے بعد اپنے آپ کو کھنگالتا رہا کہ میں آگے بڑھ گیا نہیں، وہ خالی ہاتھ رہا۔ وہیں کھڑا ہالیکین جس نے ان سوچوں سے بالاتر ہو کر رب کو لائق عبادت سمجھ کر پکارا اُسے سب کچھ مل گیا اور بڑی جلدی مل گیا۔

دیکھ کر تو سبھی ایمان لاتے ہیں۔ جو بن دیکھے رب پر ایمان لائے۔ اُس کی تو قوتوں پر ایمان لائے۔ وہ ایمان کے افضل اور اعلیٰ تر درجے پر ہے۔ اگر ہم کچھ دیکھ کر رب تعالیٰ پر ایمان لائے تو یہ ایمان کا Lower درجہ ہے۔ اس لیے ہم غیب پر ایمان لائیں جو ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے۔

اس تاہنگ میں نہ رہیے کہ مجھے کچھ ملایا نہیں۔ اس طرح کچھ نہیں ملے گا۔ یہ بھی نہ سوچیے کہ میں رب کو دیکھوں، اُس کی قدرت اور اسرار کا مشاہدہ کروں تو رب پر میرا ایمان پختہ ہوگا۔ اس طرح کی خواہشات رُوحانیت کی راہ میں ناکامی کا آسان نسخہ ہیں۔

سوال: خیال کی اصلاح کیسے ممکن ہے؟

جواب: ہر عمل کی ابتدا سوچ سے ہے۔ جب سوچ کی اصلاح ہو جائے تو عمل خود بخود بہتر ہو جاتا ہے۔ جب ذہن میں کوئی سوچ آئے تو اُسے ہم آپ سٹیٹمنٹ کی حیات طیبہ کی کسوٹی پر پرکھ لیں کہ کیا آپ سٹیٹمنٹ کی حیات طیبہ میں ایسی کوئی نظیر ہے؟ اگر نظیر مل جائے تو اس سوچ پر عمل کر لیا جائے۔ یوں سوچ کی اصلاح خود بخود ہونے لگتی ہے۔

سوال: میں رُوحانیت کی راہ پر ہر طرح کی آزمائش اور مشکلات کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن چاہتا ہوں کہ میری فیملی کو مالی تنگی کا شکار نہ ہوتا پڑے۔

جواب: اسلام بزرگ دنیا اور دُنیائیت کی مخالفت کرتا ہے۔ ہم رُوحانیت کی راہ پر دنیا ترک کیے بغیر بھی چل سکتے ہیں۔ آپ سٹیٹمنٹ کی حیات طیبہ سے ہم سبق سیکھیں کہ آپ سٹیٹمنٹ نے دنیا، دنیا داروں سے زیادہ اور دین، دین داروں سے زیادہ اُٹھایا۔ آپ سٹیٹمنٹ زندگی کے ہر معاملے اور شعبے میں Excel کیے ہوئے ہیں۔ آپ سٹیٹمنٹ سے پھر انسان آج تک دنیا میں نہیں آیا اور نہ آئے گا۔

ہم مالی وسائل کی تنگی اپنی ذات پر سہ لیں اور اپنے Dependents کو حتی المقدور اُس تنگی کا شکار نہ ہونے دیں۔ لیکن اگر کوئی چیز مادے اختیار سے باہر ہو جائے تو اللہ کے حضور اُس پر جواب دی نہیں ہے۔ میں نے آرام سے یہ بات ملے ہو جائے گی۔

فیملی کی طرف سے شدید مخالفت کا آنا بھی رُوحانی راہ پر چلنے کا ایک Test ہے کیونکہ جب اپنوں کی طرف

سے دُکھ ملنے ہیں تو دل گداز ہوتا ہے۔ جب دُکھ انسانی پلٹ کر جواب میں دُکھ دہم لگا کر باقی بشت رہتا ہے تو رُوحانی ترقی تیزی سے ہوتی ہے۔

ایک بار پھر زور دینا چاہوں گا کہ رُوحانیت کی راہ میں ہمیشہ اپنے Objectives (مقاصد) کے بارے میں Clear رہیں۔ کیونکہ Track سے ہٹنے کا خدشہ بہت ہوتا ہے۔ نظر اُسی Objective پر ہو کہ مجھے میرا رب چاہیے۔ مجھے نہ میرا چاہیے نہ کشف و کرامات۔ مجھے تو صرف اور صرف میرا رب چاہیے۔ اسی منزل پر نظر جما کے رکھیے۔ رب آپ کو مل جائے گا۔ Distractions بہت آنکھیں کی لیکن آپ اپنا Objective واضح رکھیں۔

ذوقِ مناجات سے شوقِ ملاقات تک

سوال: سورہ یس کے فضائل بیان فرمادیجیے۔

جواب: حضرت انسؓ آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ہر چیز کا ایک دل ہوتا ہے۔ قرآن کا دل سورہ یس ہے۔ جو یس شریف پڑھے گا اُسے اُس کی قرأت کی وجہ سے دس بار قرآن مجید پڑھنے کا ثواب ملے گا۔ سورہ یس کی ہے۔ اس میں پانچ رکوع اور 83 آیات ہیں۔ اس کی ابتدا جس لفظ سے ہوئی وہی اس سورہ کا نام ہے "یس"۔ علامہ ابن عباسؓ اس لفظ کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ دراصل ہے کیا لیکن جو لوگ حروف مقطعات کا علم رکھتے ہیں، جن پر اللہ نے رحمت کی اور انھیں علم عطا کیا، وہ جانتے ہیں کہ یہ لفظ اُن 72 القابات میں سے ایک ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وہب معراج مخاطب فرمایا۔ "یس" اور حقیقت "یا سید البشر" ہے جو کہ آپ ﷺ کا لقب ہے۔ سورہ یس کی سب سے بڑی فضیلت اس کا قرآن پاک کا قلب ہونا ہے۔ اس کی مزید اہمیت کا اندازہ اس حدیث مبارکہ سے لگایا جاسکتا ہے۔

"حضرت معقل بن یسارؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا یس کو اپنے موتوں پر پڑھا کرو۔ (ابوداؤد، حدیث 3121)

سورہ یس اموات کے قریب تلاوت کرنے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ مرنے والا حالتِ نزع سے آسانی سے گزر جائے اور جاں بحق کی تکلیف سے اسے راحت مل جائے۔

"حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری یہ تمنا ہے کہ یہ سورہ یس ہر آنسو کے دل میں ہوتی۔" (تفسیر ابن کثیر)

اگر شیعہ مشکلات میں اس سورہ کی کثرت سے تلاوت کی جائے تو یہ وہ شکل اور مصیبت مل جاتی ہے یا پھر انسان اس سے آسانی سے گزر جاتا ہے۔

سوال: سورہ الملک کی فضیلت بیان فرمادیجیے۔

جواب: زیادہ تر ممالک کے نزدیک یہ سورہ سنی ہے اور آپ ﷺ کے نبوت کے ابتدائی ایام میں نازل ہوئی۔ اس کی 30 آیات اور دو رکوع ہیں۔

"حضرت مالکؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ سورہ السجدہ اور سورہ الملک پر رات پڑھتے اور سترہ ہفتے میں بھی ترک نہ فرماتے۔" (ترمذی، 892)

"جو چاند دیکھ کر اسے پڑھے گا وہ صبح کے 30 دنوں تک قتل سے محفوظ رہے گا۔ اس لیے کہ یہ 30 آیات ہیں اور 30 دن کے لیے کافی ہیں۔" (روح المعانی)

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "قرآن مجید میں ایک سورہ 30 آیتوں والی ہے۔ اس نے میری امت کے ایک شخص کی سعادتمندی اور اللہ نے اس کی مغفرت فرمادی۔ یہ سورہ تبارک ہے۔" (ابوداؤد، نسائی)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ بعض صحابہؓ نے ایک جگہ خبر لگا دی۔ وہاں ایک قبر تھی جس کا انھیں علم نہ تھا۔ انھوں نے اُس قبر میں ایک شخص کو سورہ الملک پڑھتے ہوئے سنا یہاں تک کہ اُس نے پوری سورہ ختم کر ڈالی۔ صحابہؓ نے آکر آپ ﷺ سے یہ ماجرا بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ سورہ مائدہ (عذاب الہی روکنے والی) ہے۔ یہ نجات دہی ہے جو عذابِ قبر سے نجات دیتی ہے۔ (ترمذی)

حضرت ابن عباسؓ نے ایک شخص سے فرمایا کہ "کیا میں تم کو ایسا تختہ نہ دوں جس سے تم خوش ہو جاؤ۔" اُس نے عرض کی "بڑی مہربانی۔" آپ نے فرمایا "تبارک الذی بیدہ الملک پڑھا کرو۔ اپنی بیوی کو بھی سکھاؤ۔ اپنی ساری اولاد اپنے گھر کے بچوں اور اپنے پڑوسیوں کو سکھاؤ کیونکہ یہ نجات دینے والی ہے، قیامت میں نجات دہی دینے والی ہے۔" (روح المعانی، درمنثور، تفسیر ابن کثیر)

اگر ہم صبح و شام سورہ الملک کی تلاوت کریں تو اللہ کے کرم سے یہی امید ہے کہ ہم بخش دیے جائیں گے۔

سوال: میں نے فٹنی ورزش کے طور پر مراقبہ شروع کیا۔ اس سے دل میں سکون کے ساتھ ساتھ جسم میں کڑھت بھی محسوس ہوتا ہے۔ اس میں مزید بہتری کیسے لائی جائے؟

جواب: مراقبہ اسی لیے کیا جاتا ہے تاکہ انسان کا تعلق کچھ وقت کے لیے اپنے Environment سے کن جائے۔ مراقبہ میں Concentration کی وجہ سے انسان ارد گرد کے ماحول سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ بے سکونی ہے ہی ارد گرد کے ماحول کی۔

ان چیزوں میں بہتری کا کوئی Shortcut، نہیں۔ صرف ایک ہی حل ہے کہ مسلسل صبر اور پریکٹس کی جائے جس کے نتیجے میں Perfection آجائے گی لیکن یہ پریکٹس اس عرب شہادت کی پریکٹس کی نہ ہوتی ہو جس نے اوکسفرڈ یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ اوکسفرڈ یونیورسٹی الفارسی کی ذرا سی بات بھی تلفظ اور لہجہ میں بہت Particular ہے۔ عربی حروف عربی میں چوتھے "پ" نہیں ہے اس لیے عرب

جب کوئی تھکے کرتے ہیں تو چونکہ تھکے قول کرنا سنت ہے اس لیے میں شکر یہ کہ ساتھ وہ لے تو لیتا ہوں لیکن جب کوئی بندہ میرے پاس آتا ہے اور دل سے آواز آتی ہے کہ وہ تھکے اُسے دے دو تو میں وہ چیز اُسے دے دیتا ہوں۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ کوئی مجھ سے زیادہ قریب ہے تو اس لیے وہ چیز دی۔ کوئی بدترین دشمن بھی اگر میرے پاس تشریف لے آئے تو میرے پاس جو ہو گا وہ انھیں دے دوں گا۔ کیونکہ آپ ﷺ کا علم ہدیے اور تحائف قبول فرماتے لیکن مگر جانے سے پہلے انھیں سب میں تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔

سوال: آپ دعا کرو دیجیے کہ میں اپنے ذمہ واجب الادا تمام قرض ادا کروں اور پھر اللہ مجھے موت دے دے۔
جواب: بھائی آپ ﷺ نے مرنے کی دعا مانگنے سے منع فرمایا ہے۔ قرض رب تعالیٰ ادا کر دیا کرتا ہے صرف نہیں اس طرح کوشش کرنی چاہیے جس طرح ہم پر فرض ہے۔ آپ پوری قوت سے محنت کیجیے اور ساتھ رب تعالیٰ سے دعا بھی کرتے رہیے "یا اللہ! مجھ پر رزق وسیع فرما دے تاکہ میں قرض ادا کر سکوں۔ میں قرض کے ساتھ مرنا نہیں چاہتا۔" رب تعالیٰ رحیم و کریم ہے، وہ ضرور آپ کی دعا سنے گا اور آپ کا قرض اتر جائے گا۔
سوال: ایسا کیا کام کروں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور سرخرو ہو جاؤں۔

جواب: آپ میں مٹنی ہمت اور سکت ہے اُس کے مطابق اخلاص کے ساتھ اللہ کے بندوں کی خدمت کر لیجیے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا اور اُس کے صدقے آپ کی مشکلات آسان ہو جائیں گی۔
حضرت علیؓ نے فرمایا تھا کہ مصیبت کا مقابلہ صدقہ و خیرات سے کیا کرو۔ آپ کوشش کر کے تین کام کریں۔

1- کسی جوئے کو کھانا کھلا دیا کریں۔

2- کسی قیدی کو آزاد کرادیں یا اُس کا جرمانہ ادا کریں۔

3- کسی مقررہ قرض کا قرض ادا کریں۔

اللہ تعالیٰ کو یہ تینوں عمل بہت پسند ہیں۔

سوال: مجھے اپنے اعمال کی وجہ سے حج و عمرہ پر جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔

جواب: اگر انسان کے عند رب تعالیٰ کے حضور جواب دہی کا احساس اتنا مضبوط ہو جائے کہ وہ واقعہ شرم و حیا کے بارے میں رب تعالیٰ اور آپ ﷺ کے سامنے نہ جانا چاہے تو یہ احساس بہت مبارک ہے کیونکہ جب انسان کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے تو سمجھ لیجیے کہ وہ غلطی 50 فی صد ٹھیک ہو گئی۔ باقی 50 فی صد Effort کرنے سے ٹھیک ہو جائے گی۔

اگر وہاں بہت دیر تک قرض ہے آپ یہ فرض ادا کر لیجیے اور دعا بھی کرتے رہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے آپ کو تین عطا فرمائے کہ آپ اُس کے تھکے ہوئے راستے پر چل سکیں۔

سوال: جب مرنے کے بعد رب تعالیٰ کی طرف ہی لوٹ جاتا ہے تو پھر پریشانی کس بات کی؟

جواب: قرآن پاک میں ہے کہ ہر شے کو اپنے اصل کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ لہذا اللہ والہا اللہ والہ جمعوں کا نہیں۔ مطلب ہے۔ ہم سب عالم ارواح سے آئے تھے اور ہمیں لوٹ کر رب ہی کی طرف جانا ہے۔

آپ کا یہ کہنا کہ جب رب تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ جاتا ہے تو پھر پریشانی کس بات کی بھائی پریشانی لوٹ جانے کی نہیں، حساب کتاب کی ہے جو بدلے کو دہرا حساب دینا چاہئے۔ فقیر موت کے منتظر ہوتا ہے۔ رب سے ملاقات کے خواہش مند رہتا ہے لیکن حساب کتاب کا سوچ کر کانپتے رہتے ہیں کہ میں کس منہ سے رب کے حضور حاضر ہوں گا کیونکہ تمام اعمال میں تو سیاہی بھری ہے۔

تمام اعمال کی سیاہی سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ گناہوں سے بچنے کی کوشش کی جائے تو راستہ کو اپنا معمول بنا لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ غفور الرحیم اور کریم ہے وہ یقیناً معاف کر دے گا۔ میں نے اُسے اتنا مہربان پایا کہ اُس نے کبھی رحم کی درخواست رد نہیں کی بشرطیکہ وہ درخواست بچے دل سے اٹھی ہو۔

سوال: کہا جاتا ہے کہ ہمارے ارد گرد کے لوگ ہماری آزمائش کے لیے بنائے گئے ہیں۔ جب آزمائش اسی طرح ہو جاتی ہے تو پھر سزا و جزا کا معاملہ کیوں؟

جواب: ہمارے ارد گرد کے لوگ آزمائش کے لیے بنائے گئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں سے ہم پیار کرتے ہیں کہیں اُن کی محبت ہمیں اللہ کی راہ سے بھٹکا تو نہیں دیتی۔ اسی طرح کسی کے ساتھ ہماری دشمنی ہمیں حدود پار کرنے پر مجبور تو نہیں کر دیتی۔ یوں ٹیسٹ لوگ نہیں بلکہ یہ ہے کہ کسی کی محبت یا دشمنی میں ہم اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز تو نہیں کر جاتے اور ہمارے رویے رب تعالیٰ کے پسندیدہ رویوں سے مختلف تو نہیں ہو جاتے۔ سزا و جزا کا معاملہ اس لیے ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے ہمیں مجبور محض نہیں بنایا بلکہ ہمیں بہت سے اختیارات دیے۔ ہم جو چاہیں سوچیں..... اچھا یا بُرا سوچنے کی ہمیں مکمل آزادی ہے۔ پھر ہم نے جو سوچا ہو اُس کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کی بھی ہمیں مکمل آزادی اور اختیار حاصل ہے۔ پھر اُس فیصلے پر عمل کرتے یا نہ کرنے کی بھی ہمیں آزادی ہے۔

جواب طلبی اس بات کی ہے کہ میں نے رب تعالیٰ کے عطا کردہ اختیار کا استعمال کیسے کیا۔ سزا و جزا کی بنیاد بھی اختیار کے استعمال کے طریقے پر ہے۔ اگر میں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی خلاف ورزی کی ہوگی تو سزا جب کہ پیر وی کی صورت میں جرائل جائے گی۔

ہم غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ مجھ سے کوئی نہ دے دے یا عمل کی وجہ سے مجھے تو میں ایک دم کہوں گا اُس نے بھی تو میرے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔ Justification دیتے وقت مجھے یہ خیال نہیں آئے گا کہ مجھے اپنے اعمال کا جواب دینا ہے۔ جس نے میرے ساتھ غلط سلوک کیا وہ اپنے اعمال کا جواب دے گا۔ میں رب تعالیٰ کے حضور یہ نہیں کہہ پاؤں گا کہ چونکہ فلاں شخص نے میرے گھر پر دی کی قمی اس لیے میں نے دوسرے آدمی کے

مگر چوری کر لی۔ میرا یہ عمل Lustily نہیں ہوگا۔ میری چوری پھر بھی چوری ہی رہے گی۔ اس لیے دوسروں کا سلوک دیکھتے بغیر ہم اپنا سلوک بہتر کر لیں اور وہ کام کریں جو رب تعالیٰ نے ہم پر فرض کیا ہے۔

سوال: کیا ایک لاکھ بار اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے حضرت داتا گنج بخش رضی اللہ عنہ کے مرتبے کو پہنچا جاسکتا ہے؟
جواب: نہیں۔ بالکل نہیں۔ جناب! داتا گنج بخش رضی اللہ عنہ کا مرتبہ اتنا بلند اس لیے ہے کیونکہ وہ محض اللہ کا نام نہیں پیتے تھے بلکہ انھوں نے اپنی زندگی مکمل طور پر اللہ کے بتائے ہوئے احکامات کے مطابق ڈھال رکھی تھی۔ وہ اس Pattern of life سے بھی کہیں آگے چلے گئے تھے جو رب تعالیٰ اپنے بندے سے چاہتا ہے۔ نتیجہ یہ تھا کہ رب تعالیٰ ان رضی اللہ عنہ سے راضی ہو گیا اور انھیں بلند مرتبہ عطا فرمایا۔

نتیجہ پڑھنے، ذکر، نماز کا کرنے اور میرے جیسا زندگی کا Pattern بنانے سے انسان کبھی اُس مقام پر نہیں پہنچتا۔ یہ سب پانے کے لیے پارسائی اور تنگی کو یک جا کرنا پڑے گا۔ اس ایک جائی کے نتیجے میں بلند مقام حاصل ہوگا۔ صرف اللہ کا نام پچنے سے کچھ نہیں ہوگا۔

سوال: کوئی طریقہ بتا دیجیے کہ مرتے وقت جان آسانی سے نکل جائے۔

جواب: بہت سادہ جواب ہے کہ نفس مطہرہ کے مقام پر آجائیے۔ جس کا نفس اُس مقام پر آ گیا وہ رب سے ملاقات کا متمنی و منتظر رہتا ہے اور بڑی آسانی سے اُس کی جان نکل جاتی ہے۔

فضیلت تلاوت کلام پاک

قرآن پاک کی تلاوت کی بہت فضیلت ہے۔ جو بھی قرآن پاک کی کثرت اور پائیداری سے تلاوت کرتا ہے اُس کی آنکھیں دُکھنے نہیں آتیں۔ روحانی طور پر بھی تلاوت کے بے پناہ فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ تلاوت قرآن پاک کے وقت ہم براہ راست رب تعالیٰ سے ٹوکلہ ہوتے ہیں۔ اہل فقر کثرت سے تلاوت کرتے ہیں۔ چونکہ فقیر اپنے معمولات عبادت پوشیدہ رکھتا ہے اس لیے عام لوگوں پر یہ بات ظاہر نہیں ہوتی۔ لیکن اگر آپ اُس کی قربت میں رہیں تو یہ مجید عیاں ہو جائے گا۔ فقیر کو جو مشاہدہ حاصل ہوتا ہے اُس کی ابتدا عموماً تلاوت قرآن کے دوران ہوتی ہے۔ قوت مشاہدہ اذن مشاہدہ اُسے تلاوت کے دوران حاصل ہوتا ہے۔ مختلف آیات کی تلاوت کے وقت ان آیات کی مختلف کیفیات فقیر پر طاری ہونے لگتی ہیں اور ان کیفیات میں فقیر جو مشاہدہ یا سیر کرتا ہے وہ کمال ہے۔ مشاہدہ یا سیر کے لیے تلاوت کلام پاک اسیر کا کام کرتی ہے۔

اکثر فقیر قرآن پاک حفظ کر لیتے ہیں اور چلتے پھرتے اُنٹے بیٹھتے دل میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہتے ہیں۔ قرآن پاک باسانی حفظ کرنے کا نسخہ آپ ﷺ نے عطا فرمایا کہ جو شخص سورہ ہوسٹ حفظ کر لے اُسے قرآن پاک بہت آسانی سے حفظ ہو جاتا ہے۔

کچھ لوگوں کی یادداشت کمزور اور Retention power کم ہو جاتی ہے جسے بڑھانے کا نسخہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جو شخص سورہ الجمعۃ یاد کر لے اُس کی یادداشت بہتر ہو جاتی ہے۔ جب ہم کسی فقیر کے پاس جائیں اور درخواست کریں کہ ہمیں کوئی وظیفہ پڑھنے کے لیے دے دیجیے۔ لیکن فقیر کوئی وظیفہ بتانے کے بجائے ہمیں تلاوت قرآن پاک کی تلقین کرے تو ہم اُسے یہ سوچ کر سرسری طور پر نہ لیں کہ اصل چیز تو وظیفہ ہی ہے۔ یاد رکھیے! اگر وظیفہ کرنے کا مقصد دنیاوی کام یا روحانی درجات کا حصول ہے تو پھر وظیفہ کا کوئی فائدہ نہیں لیکن اگر یہ سوچ کر وظیفہ کیا کہ میرا رب مجھے مل جائے تو پھر یہ بہت اعلیٰ اور مفید چیز ہے۔

ہم ہر نماز کے بعد تلاوت کرنے کی کوشش کریں۔ اگر روزگار کی مجبوریوں آڑے آتی ہوں تو کم از کم یہ کر لیں کہ جو سوچیں ہمیں زبانی یاد ہیں اُن کی دل ہی دل میں تلاوت کر لیا کریں۔ لیکن نماز پھر عشاء اور صبح

کے وقت روزگار کی بھجور چاہی ہمارے آؤ سے نہیں آئیں۔ ان اوقات میں ہم تلاوت کو اپنا معمول بنالیں۔
 عبادت کے وقت اس کے آداب ملحوظ رکھیں۔ کوشش کریں کہ ہم تنہائی میں نفلی عبادت کریں۔ قرآن
 پاک کی تلاوت بھی تنہائی میں کریں۔ لباس پر خوشبو لگالیں۔ کمرے میں کوئی خوشبو ساگالیں۔ اگر ہمیں اگر بتی
 سے اندیشہ ہے تو ٹرٹس آئل ہٹالیں۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو روٹی پر عطر ڈال کر اسے جانماز کے ایک کونے پر رکھ
 دیں تو اس کی خوشبو کمرے میں پھیلی رہے گی۔ فرشتوں کو خوشبو بہت پسند ہے اور وہ بہت خوشی سے خوشبو دار جگہ
 پر آتے ہیں۔

ہم قرآن پاک اتنی آواز میں پڑھیں کہ وہ آواز خود سن سکیں۔ جب ہم اپنی ہی آواز کو بغور سنیں گے اور
 لفظوں پر دھیان دیں گے تو ہماری توجہ خود بخود ہماری آواز پر رہے گی۔ یوں ذہن بھٹکے گا نہیں اور ہمیں ایک سوئی
 حاصل ہو جائے گی۔ اس طرح تلاوت کی بہت دینی و دنیاوی برکات حاصل ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن
 پاک پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سوال: کیا نام کا انسانی شخصیت پر اثر پڑتا ہے؟ کیا نام تبدیل کرنے سے پہلے والا اثر ختم ہو جاتا ہے؟ کیا نام،
 مقام پیدائش اور وقت پیدائش بھی شخصیت پر اثر انداز ہوتا ہے؟

جواب: آپ صحیح طور پر فرما رہے ہیں۔

امام احمد بن حنبل سید مائتہ صدیقہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھوں

کے نام پر نام رکھو اور اپنی حالتیں اچھے چہرہ والوں سے طلب کرو۔ (مسند الفردوس)

للہدلی، حدیث 2329

نام کا اثر تحقیق شخصیت پر ہوتا ہے۔ یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ کسی بچے کا نام تبدیل کرنے سے اس کی
 شخصیت پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ تاریخ پیدائش، وقت پیدائش اور مقام پیدائش کا جہاں تک تعلق
 ہے تو آپ جانتے ہیں کہ اللہ نے جو علوم Release کیے ان میں سے اب تک انسان 8,111 علوم پر دسترس
 حاصل کر سکا ہے۔ ہر طرح کے علوم اس میں شامل ہے۔ پاسری، آسٹروالوجی، علم الاعداد (Numerology)
 بھی انہی علوم میں سے ہیں۔ چونکہ مسلمان رب پر بھروسہ کرتا ہے کہ یہ رب ادب ہی ہے جو اس کائنات کو چلا رہا
 ہے جس کے حکم کے تحت اورتالی ہر شے ہے۔ ہر طرح کے علوم بھی اسی کے تابع ہیں۔ مسلمان ان علوم پر یقین
 رکھتا ہے کہ اس کا یقین اس پر ہے کہ ہر چیز میں جانب اللہ ہے۔ رب اتنا عظیم ہے کہ کسی کی محنت کو اوار نہیں
 دیکھتا اور اس Reward (اجر) یا حجاج کا رکھتا ہے۔ مسلمان اللہ کی قدرت اور رحمت پر بھروسہ کرتا
 ہے۔ محنت، کوشش اور جدوجہد کرنے کے بعد انسان اس یقین کے ساتھ نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ میرا رب
 بہت مہربان ہے، وہ میری کوششوں کا اجر میری خدمتوں سے کہیں زیادہ عطا کرے گا اور یقیناً وہ عطا فرماتا ہے۔
 وہ چاہتا ہے کہ سب علوم پر رب کے ماتحت ہیں۔ رب جو چاہے گا وہی کرے گا۔ وہ لوگ جو علوم چاہیں
 گئے۔ ان کا مطالعہ وہ دیکھیں گے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ میرے مرشد سید یحییٰ علی شاہ صاحب دہلوی کے

پاس ایک صاحب آئے جو علم رب کے ماہر تھے، آسٹروالوجی اور علم الاعداد بھی جانتے تھے۔ وہ مرشد صاحب کے
 پاس بیٹھ کر علوم سیکھا کرتے۔ مرشد صاحب انھیں تعلیم دیا کرتے کہ یہ Figure (نمبر) تم نے لکھا کیا۔
 اسے یوں نہیں پوں کرو۔ ایک روز مرشد صاحب نے انھیں اس علم کو بتانا کہ اس کی بہت حد تک۔

اس کے کچھ دن گزر جانے کے بعد جب میں مرشد صاحب کے پاس گیا تو وہ صاحب وہاں بیٹھے صاحب
 کتاب کر رہے تھے۔ مرشد صاحب نے اور خود میں نے بھی کوئی قیود نہ دی۔ اچانک انھوں نے کاغذ پر ایک
 طرف رقم اور مجھے مخاطب کر کہنے لگے "شاہ صاحب! آپ نے جو لکھا ہے وہ اڑھائی سال میں کیا لیجئے کیونکہ
 اس کے بعد زندگی میں کچھ ہو جائے گا۔" میں نے حسب عادت ان کی بات فنی میں اڑھائی مرشد صاحب کو
 ان کا میرے بارے میں یہ سب کہنا اچھا نہ لگا۔ انھوں نے مانتے پر تیوری ڈال کر فرمایا "آپ نے یہ سب
 کیسے کہا۔" وہ بولے "آپ نے جو علم سکھایا ہے اس کی مدد سے حساب لگایا ہے۔" تب مرشد صاحب نے بہت
 خوب صورت بات کہی کہ "حساب تو تم نے ٹھیک کیا لیکن یہ مت بھولو کہ اللہ کے کچھ ہتے ایسے بھی ہیں جو
 انگلی کے اشارے سے ستاروں کی چال بدل دیتے ہیں۔" اس کے بعد انھوں نے آسمان کی طرف انہیں ہاتھ
 کی شہادت کی انگلی اٹھائی اور کہا "بدل دے بھی چال اپنی۔" ٹھیک ایک منٹ بعد مرشد صاحب نے ان
 صاحب سے کہا "دوبارہ حساب کرو۔" انھوں نے حساب کیا تو ان کے پسینے چھوٹ گئے۔ بے ساختہ
 گویا ہوئے "حضور! ہمارا حساب بدل گیا۔" مرشد صاحب کہنے لگے "تم اس حساب کی بنیاد پر بات کہہ رہے
 تھے جو اللہ کے ایک عاجز بندے کی انگلی کے اشارے سے اپنا راستہ بدل دے۔"

صاحبو! ان علوم کی حقیقت بس اتنی ہی ہے۔ جی بات ہے کہ میرے پاس گناہوں کے سوا کچھ نہیں۔ ایک
 بار ایک صاحب مجھے ایک پیر صاحب کے پاس لے گئے۔ ان کے شاگرد بھی وہاں بیٹھے تھے۔ میرا تعارف کرایا
 گیا کہ یہ سرکاری ملازم ہیں۔ میرا نام بتانے لگے تو میں نے Interrupt کرتے ہوئے کہا کہ سرفراز احمد شاہ
 میرا سرکاری نام ہے۔ جب کہ اصل میں پورا نام سرفراز احمد ہے۔ چونکہ Ministry میں ہم دوسرا نام
 تھے۔ دوسرے سرفراز احمد میری وجہ سے پتے رہتے تھے۔ میرے سارے کام ان کے کھاتے میں چلے
 جاتے اور وہ پتے رہتے۔ ان کی تمام اچھائیاں میرے کریڈٹ پر آ جاتیں اور میں اچھا بن جاتا۔ تب میں نے
 اجازت لے کر اپنا نام سرفراز احمد شاہ کر لیا۔

جب میں نے ان پیر صاحب کے شاگرد کو اپنا نام سرفراز احمد بتایا تو وہ علم جگر کی مدد سے حساب کتاب
 کرنے لگے۔ پھر کہنے لگے کہ اپنا ہاتھ دکھائیے جسے دیکھ کر وہ مختلف باتیں کہنے لگے۔ تب میں نے کہا کہ
 "ذرا میرا ہاتھ چھوڑیے۔" جیسے ہی انھوں نے میرا ہاتھ چھوڑا میں نے اپنا بائیں ہاتھ میں بائیں ہاتھ پر
 پھیرا اور ہاتھ ان کی طرف بڑھا کر بولا "دیکھ کر بتائیے کہ لکیریں وہی ہیں یا Change لکیریں۔" انھوں نے
 غور کیا تو حیرت سے اپنے پیر صاحب سے کہنے لگے "حضور! دنیا میں یہ دوسرا آدمی دیکھا ہے جس نے ہاتھ کی
 لکیریں تبدیل کر لی ہیں۔" میں نے کہا "جناب! یہ نہ کہیے کہ ایسا میں نے کیا ہے۔ یہ تو رب آپ کو دکھا رہا ہے
 کہ آپ جن لکیروں پر بھروسہ کرتے ہیں ایک گناہ گار بندہ بھی ان لکیروں کو تبدیل کرنے پر قادر ہے۔ رب تو

عظیم ترین ہستی ہے۔ رب کا ایک حقیر بندہ بھی اپنے ہاتھ کی لکیریں اور اشارے سے ستاروں کی چالیس بدل سکتا ہے۔

آپ یہ سب علم کچھ لکچے لیکن اس پر بھروسہ نہ کیجیے۔ یہ نہ سمجھیے کہ تاریخ پیدائش، وقت پیدائش یا مقام پیدائش ہماری تقدیر کو بدل سکتا ہے۔ بالکل ایسا نہیں۔ تقدیر صرف رب بدلتا ہے۔

سوال: نماز تو بہت جلد فتم ہو جاتی ہے۔ عبادت میں تسلسل کے لیے کیا کیا جائے؟

جواب: ہمارا یہ تصور غلط ہے کہ عبادت صرف نماز تک محدود ہے۔ لفظ "عبادت" بندگی سے نکلا ہے۔ بندگی کا مطلب ہے کہ ہم کسی بات کو تسلیم کر لیں۔ جب ہم اللہ کی عبادت کرتے ہیں تو اللہ کے ہر فرمان کی اطاعت کرتے ہیں۔ عبادت صرف Ritual کا نام نہیں کہ نماز پڑھ لیں، روزہ رکھ لیں، زکوٰۃ دے دیں، حج کر لیں۔ جو لوگ صحیح طریقے سے اللہ کی بندگی کرتے ہیں ان کا سونا بھی عبادت ہے۔ مومن سونا اس لیے ہے تاکہ وہ جسم کو آرام دے کہ بہتر طریقے سے رب کی عبادت کر سکے۔ جب ہم اللہ کی کسی بھی بات کو مانتے اور اس کے فرمان کے مطابق قدم اٹھاتے ہیں تو یہ بندگی ہے۔

اللہ کی بات یہ سوچ کر مانی جائے کہ وہ سب سے بڑھ کر عظیم، رحمن و رحیم اور کریم ہے۔ ہمارا خالق اور محسن ہے۔ میں اس کی بندگی صرف اس لیے کروں گا کہ وہ میرا رب ہے۔ میں اس بندگی کا عوض اس سے نہیں مانگا۔ کسی بندگی بہت افضل ہے۔ فقیر رب کے عشق میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو ہر وقت اسے پکارتے رہتے ہیں، اس کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ میرے علم میں نہیں کہ وہ کبھی کسی غرض کے تحت رب کو پکارتے ہوں۔ وہ تو اسے صرف اس لیے پکارتے ہیں کہ وہ رب ہے اس لیے اسے پکارا جائے۔ اس کی بندگی اور اطاعت کی جائے کیونکہ صرف وہی اللہ کی بندگی و اطاعت ہے۔

سوال: کیا غیر سید مسلمان کے لیے بھی روحانی سفر میں ترقی ممکن ہے یا انھیں محض ایک خاص حد تک ہی علم عطا ہوتا ہے؟

جواب: کسی بھی مسلمان کو وہ سب سے مسلمان پر سوائے تقویٰ کے کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ جو تقویٰ میں پابند ہے وہ ضرور دوسرے مسلمانوں میں افضل ہے۔ سید اور غیر سید کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ حضرت شاہ عسائیٹ قادری رحمہ اللہ، حضرت سلطان بابا و حضرت غیر سید تھے لیکن اللہ نے انھیں بہت عطا کیا۔

اگرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ بہت سے اولیاء اللہ کا تعلق سید گھرانوں سے رہا۔ انھیں Edge مل گیا کہ ان کے آباؤ اجداد نے جو سنت و ریاضت کی اس کے اثرات ان کی آئے والی نسلوں میں آگے جنھوں نے پھر قبول کی ہی حلت بھی اس مادہ میں کی تو ان کی روحانی ترقی کی رفتار زیادہ تیز ہو گئی۔

سوال: تلاوت کا کام پاک کے وقت کیا نیت اور مقصد پیش نظر ہونا چاہیے؟

جواب: ہماری بندگی اور اطاعت کے جواب میں رب ہمیں وہی عطا فرماتا ہے جو ہماری نیت ہوتی ہے۔ اگر کوئی میری طرف سے دعا کرے اور خالق خدا میں عزت پانے کے لیے عبادت کرتا ہے تو رب اسے دنیا میں عزت عطا کرے گا۔ لیکن اس عبادت کے دیگر انعامات سلب ہو جاتے ہیں۔

اصل فقر کے پیش نظر صرف یہ مقصد ہوتا ہے کہ رب ملاشی ہو جائے۔ رب کا دیوار ہو جائے سب سے ملاقات ہو جائے۔ اس لیے ان کی ہر عبادت (تلاوت کلام پاک سمیت) Objective بھی بنی ہے۔ اس لیے انھیں رب مل جائے۔ اس لیے انھیں ملنی حاصل ہونا ہے۔

تلاوت کا کام پاک کے دنیاوی اور دنیوی فائدوں میں سے کسی لیے تاکہ کرنا ہے ہم میں سے کسی ایک آدھ آدمی کے دل کو یہ بات بھا جائے کہ وہ دنیاوی فوائد کو نظر انداز کر کے روحانی فوائد کو ترجیح دے۔ ہر انسان کے لیے دونوں طرح کے فوائد Available ہیں۔ جس نیت ہوگی ویسا تاکہ اور حاصل ہائے گا۔

سوال: کائنات چھ دن اور چھ راتوں میں بنائی گئی۔ اللہ کے "کھیں" کہنے سے کام ہو جاتا ہے پھر چھ دن کیوں؟ جواب: آپ آفس میں باس کے پاس جا کر کہتے ہیں میری ترقی کرو۔ اس کو کہتا ہے ٹھیک ہے آپ کی ترقی ہو گئی۔ آپ کو لیئر ایڈو کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد آپ کی ترقی کا مکمل شروع ہو جائے گا۔ لیئر کھنسا جائے گا، اسے Darft ہونا اور ہر سٹج پر چیک ہونا ہے۔ اس کے بعد آپ کا باس اس پر sign کرے گا، اس لیئر کا پیاں مختلف جگہ پر کھینچی جائیں گی، فائلز میں لکھیں گی۔ اس عمل سے پہلے جو چیک ہو گا کہ اس میں آپ کی پوسٹ کی منجائش ہے یا نہیں۔ آپ کی Salary کے لیے Provision ہے یا نہیں۔

یہ سارا عمل بندرتج ہوتا رہا لیکن آپ کی ترقی اس سے ہی ہو گئی جب باس نے کہا کہ ترقی ہو جائے گی۔ جب رب کسی کام کا حکم جاری کر دیتا ہے "ہو جا" تو وہ کام ہو جاتا ہے۔ یہ کائنات اسی رب کی مانی ہوئی ہے۔ اس کائنات کا ایک توازن اور اصول ہے جو بدلتا نہیں۔ ہر شے کو ایک Process (مرحلے) میں سے گزرتا ہے۔ اسے نازل حالات میں ہم Gestation period کہتے ہیں۔ ہر شے کو ایک Gestation period ہے۔ رب نے "کھیں" کہا اور کام ہو گیا۔ پھر اس کا عمل جاری ہو گیا۔ یہاں عالم اور جہان Create ہونے ہیں، سیاروں نے اپنے Orbit میں گردش میں رہنا ہے، اس سب کے ہونے میں وہ وقت لگتا ہے جو ہر شے کا Gestation period ہے۔ جب کوئی بھی کام تدریج میں ہو رہا ہوتا ہے تو اس تدریج میں بھی حکمت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر مرحلے پر بہت کچھ سکھا اور اپنی قدرت کی نشانیاں دکھا رہا ہوتا ہے۔

ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم دعا کرنے کے فوراً بعد اس کا نتیجہ دیکھنے کو بے تاب ہو جاتے ہیں۔ میں پرامن فکس بننے کی دعا کرتا ہوں اور پھر جانمنا اسے اٹھتے ہی ہا ہر جھانک کر دیکھتا ہوں کہ پروڈکٹ کی گاڑیاں کتنی ہیں یا نہیں اور میرا گھر پرامن منسٹر ہاؤس میں تبدیل ہوا یا نہیں۔ جب کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی تو میں مایوس ہو جاتا ہوں حالانکہ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ دعا قبول نہیں ہوئی۔ دعا قبول ہو چکی ہوتی ہے اور اس کی جھلک کے انتظامات شروع ہو جاتے ہیں۔

اللہ حکم تو فوراً جاری کر دیتا ہے لیکن اپنے بلائے اصولوں کو نہیں توڑتا۔ ہر شے ایک Process اور Procedure سے گزرتی ہے۔ کام ہونا اور ہے، اس کا Materialise ہونا ہے۔ Materialise ہونے میں ہی چھ دن لگتے تھے۔

سوال (الف) کیا فقر کے لیے غربت ضروری ہے؟

(ب) نفس امارہ کے تحت کی جانے والی بیعت اور پڑا اخلاص بیعت میں کیا فرق ہے؟

جواب (الف) فقر کے لیے غربت ضروری نہیں۔ عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ جب اہل فقر و بکری کی طرف جاتے ہیں تو اللہ کی خاص رحمت اُن پر ہوتی ہے۔ اللہ اُن کے دل سے دنیاوی مال و دولت کی محبت اور قد رخم کر دیتا ہے اس لیے وہ اس کی پروا نہیں کرتے اور جس شے کی انسان پروا نہیں کرتا وہ اُس کے پاس رہتی نہیں۔ اس لیے بہت سے بادشاہ بھی جب فقر کی راہ پر آئے تو غربت میں چلے گئے۔

(ب) بیعت کے بارے میں صرف اتنا عرض کر دوں کہ مرشد کا ادب و احترام بائو لوجیکل فادر (Biological father) کے ادب و احترام سے اس لیے زیادہ ہے کیونکہ بائو لوجیکل فادر ہماری Choice پر ہمارا فادر نہیں جب کہ مرشد ہماری Choice ہیں۔ جو شے By choice لی جائے وہ ہماری ذمہ داری ہے۔ ہم بیعت کے وقت محتاط رہیں۔ دو چار منٹ کی ملاقات میں متاثر ہو کر بیعت کر لی جائے تو پھر عموماً ہمیں یہی پوچھنا پڑتا ہے کہ نفس امارہ کے تحت کی گئی بیعت اور پڑا اخلاص بیعت میں کیا فرق ہے۔ بیعت کا فیصلہ کرتے وقت ہم بہت محتاط رہیں تاکہ آنے والے وقت میں ہمیں کچھ تانا نہ پڑے۔ آپ جن کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں، انہیں پرکھیے پھر بیعت کیجیے۔ انشاء اللہ کچھ تانا نہیں ہوگا۔

سورۃ محمد ﷺ اور مشاہدۃ اسرار

سورۃ محمد ﷺ مدنی سورہ ہے۔ اس میں چار رکوع اور 38 آیات ہیں۔ اس کی 10 سوری آیات میں آپ ﷺ کا ذکر ہے اسی نسبت سے اسے سورۃ محمد ﷺ کہا جاتا ہے۔ آیت نمبر 20 میں قتال کے ذکر کی وجہ سے یہ سورۃ قتال بھی کہلاتی ہے۔

”جب مکہ کی سرزمین کفار کے ظلم و ستم کے باعث اہل اسلام کے لیے تنگ ہو گئی تو وہ اپنی دولت ایمان کو اُن کی دست برد سے بچانے کے لیے اپنے گھر بار، زمینیں اور کاروبار سب چھوڑ چکا کہ مدینہ طیبہ چلے گئے۔ سب کچھ اُن سے چھین گیا تھا، لیکن وہ خوش تھے کہ وہ امن و معافی پہنچا کہ تو اُن کے ہاتھوں سے نہیں چھوڑا۔ اُن کا خیال تھا کہ اب وہ یہاں پوری دل جمعی کے ساتھ اپنے رب کے ذکر اور اُس کی عبادت میں اپنے شب و روز بسر کریں گے۔ دعوت دین کا جو کام مکہ میں پوری طرح نہیں ہو سکا، مدینہ طیبہ کے پُر امن ماحول میں باسانی جھیل پذیر ہوگا، لیکن اہل مکہ نے انہیں یہاں بھی آرام کا سانس نہ لینے دیا۔ اُن کی مختلف ٹولیاں آئیں، مدینہ کے گرد و نواح میں لوٹ مار مچا تیں، اونٹ، بھیڑ بکریاں ہانک کر لے جاتیں۔ اکا دکا مسلمان ہتھے پڑھ جاتا تو اُس کو بھی قتل کرنے میں گریز نہ کرتے۔ اب مزید صبر خودکشی کے مترادف تھا لیکن وہ تو اللہ تعالیٰ کے بندے اور اُس کے رسول ﷺ کے حکم کے پابند تھے۔ از خود تو کچھ نہیں کر سکتے تھے چنانچہ سورہ الحج کی آیت 39 میں کفار سے جنگ کرنے کی اجازت مرحمت ہوئی۔

اس سورۃ میں اہل ایمان کو صاف لفظوں میں بتا دیا گیا کہ اگر تم نے سچے دل سے اپنی پوری قوت اور توانائیوں کو بروئے کار لاتے ہوئے دین اسلام کی مدد کی تو کفر کے تندہ و تیز ریلے کے سامنے اللہ تعالیٰ تمہیں حمایت نہیں چھوڑے گا، بلکہ اُس کی نصرت تمہاری پشت پناہی کرے گی۔ ”لا فیا القرآن جلد چہارم“ غیر مسلم، مسلمانوں کے جذبہ جہاد پر اعتراض کرتے رہتے ہیں۔ میں طبر لیکچر سے مگر یہی عرض کیا کرتا ہوں کہ جہاد Aggression نہیں بلکہ جہاد امن کی ترقیب دلاتا ہے۔ نہ مات امن میں جو شخص موم کی طرح نرم دکھائی دیتا ہے، امن کا جواب حق سے نہیں دیتا، مسکرا کر ہر بات پر داشت کر لیتا ہے۔ میدان جنگ میں وہی مسلمان فوجا دے سخت سے ثابت ہوتا ہے۔ وہ دشمن پر بھر پور وار کرتا ہے حتیٰ کہ دشمن کے لیے جان سپرد ہو جاتا ہے یوں امن قائم رہتا ہے۔

جہاد جہاد کے ساتھ ساتھ مسلمان پر جہاد کے ضمن میں جو پابندیاں اسلام عائد کرتا ہے وہ بھی غیر مسلموں کو رد طہ حیرت میں ڈال دیتی ہیں مثلاً ظلم کے خلاف جہاد کرتے ہوئے اللہ کے نام پر لگوار اٹھاتے ہوئے مسلمان پر بہت سی پابندیاں ہیں۔ اُسے دیگر مذاہب کی طرح "جو چاہو کر گزرو" کا لائسنس نہیں ملتا۔ مسلمان کسی بڑے عورت یا بچے پر لگوار بے نیام نہیں کر سکتا۔ مسلمان ہر اُس شخص کو پناہ دے گا جو اپنے گھر میں پناہ لے لے گا۔ اُسے گھروں کو سہارا کرنے اور درختوں کو کاٹنے کی اجازت نہیں۔ جو شخص ہتھیار پھینک دے اُس پر حملہ کرنے کی اجازت نہیں۔ جہاد کے دوران مسلمانوں کو یہ تمام شرائط پوری کرنا ہوتی ہیں جس پر غیر مسلموں کو حیرت ہوتی ہے۔

سورۃ محمد ﷺ کی فضیلت کا ایک اور رخ بھی ہے۔ ہم میں سے سبھی لوگ اسرار الہی کے مشاہدے اور میر کے لیے بے حد مشتاق رہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ بغیر کسی محنت و تردد کے کوئی Shortcut اپنا کردہ مقام حاصل کر لیں کہ جہاں اسرار الہی کا مشاہدہ ہو سکے۔

آج جب میں ادھر آ رہا تھا تو ذہن میں خیال آیا کہ اسرار الہی کا مشاہدہ کرنے کے Level تک پہنچنے کا Shortest route آپ کو بتا دوں۔

بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک پارہ اپنے مریدین کے درمیان بیٹھے ہوئے فرمایا تھا:

"اگر کوئی شخص سورۃ محمد ﷺ کو ایک ہی Sitting (نشست) میں 41 بار پڑھ لے تو اُس پر اسرار الہی کا اظہار ہونے لگتا ہے۔"

لیکن یاد رہے کہ اسرار الہی کے مشاہدے کے لیے 41 بار سورۃ محمد ﷺ کا ایک ہی Sitting میں پڑھنے سے پہلے مجھے چند Prerequisites پوری کرنا ہوں گی۔ میں اپنے دل کو آلائشوں سے پاک کر لوں، غصہ و نفرت، حرام لقمہ، غریب، جھوٹ، حسد و بغض، کینہ سے دل کو پاک کر لوں۔ ان آلائشوں کو دل سے نکالنے کا آسان طریقہ جو میں نے Experience کیا وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مجھے بڑا بھلا کہے، میری ذات پر تہمتیں لگے سازشیں کرے، پراپیٹنڈا کرے تو بجائے اُسے برا بھلا کہنے کے اگر میں دل کو سمجھاؤں کہ وہ بھی انسان ہے۔ ہر انسان کی طرح اُس سے بھی کوتاہی ہوگی۔ میں بھی تو صبح سے شام تک ایسی کتنی کوتاہیاں اور غلطیاں کرتا ہوں اس لیے اُسے معاف کر دوں۔ اگر معاف کرنے کے بعد بھی اُس کے خلاف دل میں کوئی خیال ابھرے تو میں لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھوں اور خود کو سمجھاؤں کہ جب کسی کو معاف کر دیا جائے تو پھر اس کے بارے میں کوئی دوسرا سوچنا یا پچھنا نہیں رکھنا چاہیے۔

سورۃ محمد ﷺ کا ایک ہی نشست میں 41 بار پڑھنے سے پہلے مجھے ایک اور Prerequisite پوری کرنا ہوگی یعنی میری "انجام" ختم ہو جائے جو عموماً ہوتی نہیں ہے۔ اس کے لیے Herculean effort کی ضرورت ہوتی ہے۔ پہاڑ جیسی کوشش کرنا پڑتی ہے۔ جناب واما گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا بڑا کارگر اور آسان طریقہ بتایا ہے۔ اگر ممکن ہو تو میں دعا صاحب کا وہ فرمان بردار وقت یاد رکھوں۔

"افقیح پر لازم ہے کہ وہ دوسری کی خدمت اس طرح کرے کہ اس سے خدمت لینے والے یہ سمجھیں کہ وہ یہ خدمت لے کر فقیر پر احسان کر رہا ہے۔"

میرے تجربے میں یہ آج کا ٹکٹہ کا یہ بھڑکنی طریقہ ہے۔ ہم لوگ کسی مزاج، رشتہ اور کے احوال و دیکھتے ہیں کہ مرحوم کے بڑے صاحب زادے کو لوگ سمجھا رہے ہوتے ہیں کہ بڑا بھلا ہے والد ان کے چاہنے اب والدہ اور بہن بھائیوں کا خیال رکھنا تھا فرض ہے۔

ہم ایک روٹین کے طور پر یہ نصیحت کر رہے ہوتے ہیں اور اس کے چلنے بولنا کیلئے یہ نہیں دیتے کہ شاید ہی کوئی ایسا شخص ملے جو یہ کہہ پاوے "جینا تھا ارے والد صاحب تو آیا ہے ملے گا اب تمہیں ان گاڑی کو کھینچنا ہے۔ ایسے میں ایک بڑا مشکل مقام آئے گا۔ تمہارا بہن بھائی تمہاری جان تو زحمت اور دلیان دارانہ سپورٹ کے باوجود تمہیں بڑا بھلا کہیں گے۔ جب شیطان تمہیں اکسائے گا کہ کچھ یہ تم سے کہتا ہے تمہیں میں اور تم پر فرماتے بھی ہیں۔ اُس وقت تم لاحول ولا قوۃ کو سمجھانا کہ یہ مجھ سے نہیں کہتا ہے۔ میں ان کے لیے کچھ نہیں کر رہا ہوں۔ فقط اپنا ایک فرض ادا کر رہا ہوں۔ جب میں ان کے لیے کچھ کر رہی نہیں ہوں تو میرے جیسے مرضی مجھ پر فرمائیں۔ یہ احساس تمہیں اطمینان عطا کرے گا اور تم اپنی ذمہ داریاں ادا کرنا چاہتے ہو تو کسی کوتاہی نہیں کرو گے۔" یہ نصیحت اُس نو جوان کے بہت کام آئے گی۔

اسی طرح فقر میں جب انسان کو اتنا بہت شک کرے تو وہ خود کو سمجھا لے کہ میں جو کچھ کسی کے لیے کر رہا ہوں درحقیقت یہ خدمت لے کر وہ مجھ پر احسان کر رہا ہے میں کیونکہ یہ ان کا حق تھا جو مجھ پر Dues تھا۔ یہ دیکھ لوگ ہیں کہ مجھ سے اپنی خدمت کرا کے مجھے اس فرض کی ادائیگی کی جواب دہی سے بچا لیا۔

خدمت کرانے والوں کے لیے احسان مندی کا یہ جذبہ انسان کو کبھی شک نہیں ہونے دیتا اور وہ انسان ایسی خوشی دوسروں کی خدمت کیسے چلا جاتا ہے۔ جب کبھی میرے اندر تنگی کی رقی باقی تھی اور فقیروں سے ملاقات ہوتی تھی تو میں حیران ہوتا تھا کہ جینون فقیر سے جب ہم پوچھتے "تھیں فقیر کیا آدی ہے؟" تو وہ مسکرا کر جواب دیتا "وہ بہت بھلا آدی اور اچھا انسان ہے۔" ہم پوچھتے "وہ کس مقام پر ہے؟" تو جواب آتا "میں صاحبزادے! میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ وہ جس مقام پر بھی ہے، مجھ سے بہت بلند ہے۔" میں نے کبھی کسی جینون فقیر کو یہ کہتے نہیں سنا کہ وہ تو بے کار شخص ہے۔

میں جینون فقیر ذمہ دہنے کے لیے یہ کلیہ استعمال کرتا اور اُس سے جا کر پوچھتا "تھیں فقیر بڑا صوفی رچائے بیٹھا ہے، وہ کیا انسان ہے؟" تو جواب ملتا "وہ تو بہت اچھا انسان ہے۔ مجھ سے کہیں بڑھتا ہے۔ اس کے مقام کے بارے میں اس لیے نہیں بتا سکتا کیونکہ میں نے فکر کا سزا بھی شرو نہیں کیا۔" جب مجھے سمجھا لے لگی کہ جب فقیر ایسی بات کرتے ہیں تو اصل میں اپنی کھال بچا رہے ہوتے ہیں اور خوب صورتی سے آپ کو ٹھیل دے رہے ہوتے ہیں۔ جینون فقیر کبھی اپنے مقام کے بارے میں نہیں بتاتا، دوسروں کا ہمدردی نہیں کرتا۔ وہ Vouch کر نہیں سکتا کہ کہیں خلق خدا احوال کے میں نہ آ جائے۔ محبت کر نہیں سکتا اور نہ ہی کسی کی اصلیت جان

کر سکتا ہے کیونکہ نہ جانے اُس شخص نے اپنی اور اپنے مقام کی Projection کس انداز میں کی ہے۔ اصلیت ظاہر ہوجانے سے کہیں اُس کی عزت پر حرف نہ آجائے اور فقیر کی اپنی پکڑ نہ ہو جائے۔ بات انا کو کچلنے کی ہو رہی تھی۔ انا کچلنے کا آسان حل میں نے آپ کو بتا دیا۔ جب انسان دونوں Prerequisites کو پورا کر لے یعنی:

- 1۔ اپنے دل کو آلائشوں سے پاک کر کے دل دھل کر پاک صاف ہو جائے گا۔ یہ پاک صاف دل اب رب تعالیٰ کے قیام کے لیے تیار ہے۔
- 2۔ انا کو مار لے۔

ان دونوں Prerequisites کو پورا کرنے کے بعد اگر وہ ایک ہی Sitting میں 41 بار سورۃ محمد پڑھ لے تو اس پر اسرار الہی کا اظہار ہونے لگے گا۔ پھر انسان وقفا قفا اس کو Repeat کرتا رہے تاکہ وقت کے ساتھ ساتھ اُس کی قوت کم نہ ہو۔ یوں اسرار الہی کے مشاہدے کا ہمارا شوق پورا ہو جائے گا۔ یہ میں آپ لوگوں کو بتا رہا ہوں درنہ میں نے آج تک یہ سورہ اس انداز میں نہیں پڑھی اس لیے بابا فرید صاحب مدظلہ کے نام سے آپ کو بتا دی۔ میں اس لیے آج تک اُسے نہ پڑھ پایا کیونکہ میرے دل سے آلائشیں دور نہیں ہو پائیں۔ انا سے بھرا ہوا ہوں اس لیے اسے پڑھنے سے مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

آج کل دعا کےیشن میں کچھ لوگ اپنے Dependents کو لے کر آتے ہیں جو مرگی یا جنون کے مریض ہوتے ہیں۔ آپ کو خبر بننے کا آسان نسخہ بتاتا ہوں۔ دو رکعت نفل نماز پڑھ کر سلام پھیریں۔ 21 بار درود ابراہیمی پڑھنے کے بعد 70 بار سورۃ النحل پڑھیں اور آخر میں دو بارہ 21 بار درود ابراہیمی پڑھ کر مریض کو دم کریں اور پانی پرم کر کے بھی اسے پلائیں۔ رب اپنی رحمت کے صدقے اُس مریض کو صحت دے دے گا۔ فقیروں پر ایک اعتراض یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ بہت سی ایسی باتیں کہہ دیتے ہیں جن کو ظاہر کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ فوج میں جائے اور اُس کا غیہہ لیے بغیر ہمیں یہ پتا ہی نہیں ہو سکتا کہ کن امور کو Closely guarded سیکرٹ رکھنے کا حکم ہے اور کن باتوں کو Disclose کرنے کی اجازت ہے، کن باتوں کو ایک خاص جہدے کے لوگوں تک Pass on کرنے کی اجازت ہے اور کن چیزوں کو Inner circle میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح ہمیں فقیروں پر انکی اُٹھانے کی عادت ہے کہ اُس نے تو وہ بات بتادی جو بتانے والی تھی ہی نہیں۔ فقیر چونکہ دوسروں کا جہرم اور عزت قائم رکھتے ہیں اس لیے کوئی فقیر کبھی یہ نہیں کہتا کہ ”میاں! تمہیں فکری زندگی کا کیا چاہ کر کس شے کو بتانے کی اجازت ہے اور کس کو چھپانے کا حکم۔“

حضرت بابا فرید علیہ السلام اس سبب کو بہت خوب صورت انداز میں بیان کرتے ہیں کہ ایک بار وہ (حضرت بابا فرید صاحب مدظلہ) حضرت بہاؤ الدین زکریا مدظلہ (جو اپنے زمانے کے فوٹ تھے) کے پاس تشریف لے گئے اور اپنی ایسی واردات بیان کر دی جو فوٹ وقت کے خیال میں کسی کے سامنے ظاہر نہیں کی جاسکتی تھی۔ حضرت بہاؤ الدین زکریا مدظلہ نے وہ واردات سننے ہی فرمایا کہ ”یہ بات تو ظاہر کرنے کا حکم نہیں

پھر آپ نے بھری مجلس میں یہ کیوں بیان فرمائی؟“ بابا فرید صاحب مدظلہ نے جواب دیا ”جب کدو چنی طرح بھر جائے اور وہاں مزے کوئی چیز رکھنے کی گنجائش نہ ہو تو وہ دبا کر کھٹک جاتے گی۔“

فقیر جب ایسی بات جو صرف خواص پر ظاہر کرنے والی ہو عام پر ظاہر کرنے لگتا تو یہ دھماکا ہے جب اُن کے اندر مزے کسی شے کے سامنے کی جگہ نہ رہے جیسے خالی گلاس میں پانی ڈالتے رہیں تو وہ بھر جاتا ہے حتیٰ کہ بھرے ہوئے گلاس میں ایک قطرہ بھی ڈال دیا جائے تو وہ Spill over دیتا ہے۔ فقیر کے بھی Spill over ہوتے ہیں کہ وہ چھٹکنے لگتے ہیں۔ فقیر کی زندگی میں بھی کبھی وہ دھماکا آجاتا ہے کہ وہ Spill over ہو جاتا ہے اور اُس کے اندر کوئی جگہ نہیں بچتی اور یوں اُس کے اندر کا علم چھٹک کر دوسروں تک پہنچ جاتا ہے۔ لیکن یہ مقام بڑی مشکل سے آتا ہے۔ بابا فرید علیہ السلام صاحب مدظلہ جنہوں نے یہ بات اپنے وقت کے غوث بہاؤ الدین زکریا صاحب مدظلہ سے فرمائی، اُن کی پروا نہ تھی تو کبھی کہہ دیتا کہ اُن کی تک ہے۔

سوال: فنا کیا ہے؟ میں میں نہ ہوں، تو ہو جاؤں؟

جواب: فنا کی مختلف اقسام ہیں۔

1۔ فنا فی اللہ

2۔ فنا فی الرسول ﷺ

3۔ فنا فی الشیخ

فنا فی اللہ یہ ہے کہ بندہ اللہ کی محبت میں یوں گم ہو جائے کہ وہ کوئی قسم ہو کر یک جانی میں بدل جائے۔ لیکن یہ بہت اُوپر کا مقام ہے۔ Upper storey پر اگر میں زینہ پر لہجہ نہ جالے کے بجائے جست لگا کر پہنچا جا ہوں گا تو گر کر جسمانی نقصان کا شکار ہو جاؤں گا۔

فنا فی اللہ تو آخری مقام ہے۔ اس سے پہلے ایک بڑا خوب صورت مقام ہے فنا فی الرسول ﷺ۔ اس سے پہلے ”فنا فی الشیخ“ کا مقام ہے۔ جہاں انسان اپنی عقل، Logic، خواہشات، ارادے اور مرضی کو اپنے اندر سے نکال کر ایک لاکر میں Lock کر دیتا ہے اور صرف ایک ہی بات جانتا ہے کہ جو مرشد نے کہا وہی کرنا اور سوچنا ہے، اس کے سوا کچھ کرنا ہے نہ سوچنا۔ اگر مرشد کامل اور جیونن ہے تو وہ اپنے شاگرد کو عقل، ادکات دے گا جو احکام الہی اور حیات رسول ﷺ کی تفسیر ہوں گے۔ مرشد انکی پکڑ کر آپ کو اپنی راہوں پر چلائے گا۔

جب انسان جیتا بھی مرشد کے لیے اور مرتا بھی مرشد کے لیے ہے تو یہ ”فنا فی الشیخ“ کا مقام ہے۔ انسان ”فنا فی الشیخ“ سے آغاز کرے۔ وہاں سے وہ فنا فی الرسول ﷺ تک پہنچے گا اور پھر وہاں سے فنا فی اللہ کا مقام شروع ہو جائے گا۔

جب انسان اپنی تمام خواہشات، ارادے، مرضی، سوچ، خیالات اور عقل آپ ﷺ کی صحت کے مطابق و حال لیتا ہے تو یہ فنا فی الرسول ﷺ ہے۔ اس کے بعد فنا فی اللہ کا مقام شروع ہوتا ہے۔

زندہ حالت میں کوئی اللہ کی ایک اور قسم بھی ہے کہ انسان اپنی زندگی اس طرح گزارتا ہے کہ دنیا میں زندہ رہنے کے لیے زندگی نہیں گزارتا بلکہ آخرت میں زندہ رہنے کے لیے زندگی بسر کرتا ہے۔ اُسے دنیا یا دہی نہیں ہوتی۔ اُس کے دماغ میں دنیا کے بارے میں کوئی سوچ نہیں ہے۔ وہ تو صرف یہ سوچ کر یہ زندگی گزارتا ہے کہ میرا آخرت کی زندگی اچھی کر لوں۔

جب انسان کو ہر لمحہ موت اور یوم حساب یاد رہے اور وہ اس احساس کے تحت زندگی گزارے تو یہ بھی ثابت ہے۔

سوال: کیا معاملات کی ذمہ داری کو ولایت کہتے ہیں؟

جواب: جی ہاں۔ معاملات کی ذمہ داری کو ولایت کہتے ہیں۔ جب انسان اپنے معاملات اس حد تک درست کر لے کہ اُس میں کوئی کمی نہ رہے اور مرشد یہ سمجھے کہ مرید اصلاح سے اس مقام پر آگیا ہے کہ جہاں وہ اپنی اصلاح کرنے کے بعد دوسروں کی اصلاح کر سکتا ہے تو یہ مقام ولایت ہے۔

سوال: تجدید کسے کہتے ہیں؟

جواب: اگر یہ میز ایک ہی جگہ زیادہ دیر پڑی رہے تو اس پر گرد و غبار کی تہیں جم جائیں گی۔ اس کی اصل رنگت اور شکل دکھائی نہیں دے گی۔ اگر کوئی شخص ہمت کر کے اس میز پر جی گرد و صاف کر دے تو یہ اپنی اصلی حالت میں آکر دوبارہ چمکنے دکنے لگے گی۔ یہ تجدید ہے۔

اسلام میں تجدید کا مکمل جاری رہتا ہے۔ ہر صدی کے آخر میں مجدد اور ہر Millennium کے آخر میں مجدد کمال آتا ہے۔ اسلام کے ہزار سال مکمل ہونے کے بعد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ ادھر دین الگبری کے قتل نے زور پکڑا، ادھر مجدد کمال تشریف لے آئے۔ مجدد یا مجدد کمال اسلام کا نام بدلتا ہے نہ اُس کا نام مکمل اور نہ ہی ناقص کا فیزا اُن۔ وہ تو صرف وقت کے ساتھ ساتھ اس میں در آنے والی غیر اسلامی رسوم اور تہذیبوں کو نکال کر اسے اصل حالت میں دوبارہ پیش کر دیتا ہے۔

کلام الہی

قرآن پاک کی 29 سورتیں حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہیں۔ سورہ قی بھی ان میں سے ایک ہے۔ سورہ قی کے تین رکوع اور 45 آیات ہیں۔ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ سورہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے تقریباً وسط میں نازل ہوئی۔ اگرچہ اس کے نزول کے بالکل صحیح زمانے کا تعین نہیں ہو سکا لیکن سورہ کے مضامین کے پیش نظر یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے تیسرے یا چوتھے سال میں نازل ہوئی۔

حرف مقطعات "ق" کے بارے میں علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ "ق" لکھی ہے رب تعالیٰ کے اُن ناموں کی جو ق سے شروع ہوتے ہیں جیسے "القابض" "القهار" اور "القادر" وغیرہ۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ق" کا علم اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہی ہے یا علم کے ایک خاص مقام پر پہنچنے والے چند صاحبان علم اس کا راز جانتے ہیں۔"

ابن کثیر نے فرمایا کہ جتنی بھی ایسی روایات ہیں وہ مخالفین اسلام نے پھیلائی تھیں تاکہ اسلام کے بارے میں Confusions پیدا کر دی جائیں۔

اس سورہ میں کفار کو متنبہ کیا گیا ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد اللہ اُسے دوبارہ پیدا کرے گا اور اُس کا حساب کتاب ہوگا۔

عجیب بات ہے کہ کفار یہ بات ماننے کو تیار نہ تھے کہ انسان مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو سکتا ہے اور اس سے حساب کتاب لیا جاسکتا ہے۔ اُن کا کہنا تھا کہ انسان جب موت کے بعد مٹی میں مل گیا اُس کا جسم کھڑے کوڑے کھا جائے گا، اُس کی ہڈیاں راکھ بن کر مٹی میں مل جائیں گی اور وہ مٹی ہوا کے ذریعے کھنکھ سے اُٹھ جائے گی تو جو چیز اتنی باریک ہو کر مٹی میں مل گئی وہ دوبارہ کیسے زندہ ہوگی۔ (معاذ اللہ)

عجیب بات یہ بھی ہے کہ کفار تب بھی انسانی زندگی کی Reincarnation (دوسرے جسم سے رجوع) پر یقین رکھتے تھے۔ اُسی زمانہ میں کفار نے اپنی آنکھوں سے رب کی قدرت کا مظاہرہ دیکھا تھا تب اب یہ نے خانہ کعبہ پر حملہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس طریقے سے اُس کے ارادے کو کامیاب کیا اور اُن کا قتل جیسے ہوئے

پندوں کی جو چھل میں ادنی انگڑیوں نے ابرہہ کے انکڑ کو Pulverise کر کے رکھ دیا۔ یہ سب کفار کے لیے جہان کن تھیں اپنی آنکھوں سے یہ سب دیکھنے کے باوجود کفار حیات بعد الموت پر یقین نہیں لاتے تھے۔ سورہ قیامت کی تلاوت اگر سلیقے اور آداب کے ساتھ کی جائے تو علم میں اضافے کی صورت تلاوت کے اثرات ملتے ہیں۔ یہ علم انسان کو رب تعالیٰ کے قریب لے جاتا ہے اور پروردگار ایسے انسان کو عجائبات قدرت اور اسرار الہی کی سیر کرائے لگتا ہے۔

سورہ قیامت کے سربلغ الاثر ہونے کا وقت نماز فجر سے پہلے کا ہے۔ اگر تہجد کے بعد انسان اوّل آخر درود پاک کے ساتھ سورہ قیامت بار تلاوت کرے تو اس کے علم میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔

سوال: کیا الفاظ کے بھی اثرات ہوتے ہیں؟

جواب: سارا کھیل لفظوں کا ہے۔ لفظ حروف سے بنتے ہیں۔ کچھ باتیں دل میں اتر جاتی ہیں۔ کچھ باتیں ہم ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتے ہیں۔ کچھ لوگوں کی باتیں دل میں گھر کر جاتی ہیں اور کچھ باتوں سے دل اٹک جاتا ہے۔

الفاظ اثر میں پڑے جائیں، انکم یا ترنم کی صورت ادا کیے جائیں یا تحت اللفظ کی شکل میں سماعتوں میں آئیں، ان سب الفاظ کے اثرات مختلف انداز میں مرتب ہوں گے۔

سوال: ہوائی چیزوں کی وجہ سے کچھ اوقات میں باہر نکلنے سے منع کیا جاتا ہے۔ ایسا کیوں؟

جواب: آپ ﷺ نے بہت واضح انداز میں اس کی وجہ بیان فرمائی ہے

جب غروب آفتاب قریب ہو جائے تو اپنے بچوں کو باہر نکلنے سے روکو کیونکہ اس وقت شیاطین پھیل جاتے ہیں۔ جب رات کا کچھ حصہ گزر جائے تو باہر جانے دیا جائے۔ (صحیح بخاری کتاب بدء الاخلاق۔ حدیث 3280)

غروب آفتاب کے وقت چوپایوں اور بچوں کو باہر نہ بھیجو کیونکہ غروب آفتاب کے وقت شیاطین پھیل جاتے ہیں۔ جب رات کا کچھ حصہ گزر جائے تو باہر جانے دیا۔ (صحیح مسلم کتاب الاشربة۔ حدیث 3764)

اگر آپ نے یہ سوال اس تناظر میں پوچھا ہے کہ ہمارے گھروں میں یہ کہا جاتا ہے کہ رات کے وقت پودوں کے قریب مت جاؤ، جن جھوٹ چمٹ جاتے ہیں یا دھوپ کے وقت کھلے بالوں کے ساتھ چھت پر نہیں جانا چاہیے کہ جن چمٹ جاتے ہیں۔ اسی طرح غروب آفتاب کے بعد پھول توڑنے سے منع کیا جاتا ہے۔ اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے بزرگوں نے ہمیں مختلف بیماریوں سے بچانے کے لیے ڈراؤ خوف کی یہ سب کہانیاں بیان کی ہیں۔ اس لیے کہ غروب آفتاب کے بعد درخت کا رین ڈاؤنی آکسائیڈ گیس خارج کرتے ہیں اور وہ فتنوں کے لیے چھپوٹے سے انسان کے جسم میں آکسیجن کی کمی واقع ہوتی ہے۔ وہ پھر کے وقت کھلے بالوں چھت پر جانے سے Heatstroke ہو سکتا ہے کہ اگر Heat کو Absorb کرتا ہے۔

سوال: ہاتھ دگی سے قرآن پاک کے دو تین ٹکڑے ترتیب سے ہر روز پڑھنے کے فوائد زیادہ ہوں گے یا کسی وظیفہ کے پڑھنے کے؟

جواب: قرآن پاک کی تلاوت کی فضیلت بے پناہ ہے۔ ہر قسمی سے ہم تصوف کے بارے میں علم و فہم اور اساتذہ میں پڑھ کر اور گفتگو میں کرو غافل کو اہم سمجھنے لگے ہیں۔ ہمیں یہ جان لینا چاہیے کہ جتنے بھی وظائف ہم پڑھتے ہیں سبھی قرآن پاک سے Derived ہیں۔ وظیفہ پڑھنا تو ایسا ہے جیسا کہ میں پیر Walier کسی سے لینے کے بجائے صرف دس روپے لینے کو ترجیح دوں۔ جب ہم اسے پاس قرآن پاک کی صورت پورا محسوس موجود ہے تو ہم اس میں سے گمن اور چن کر کوئی آیت یا سورہ بطور وظیفہ لیں پڑھیں؟ ترتیب سے قرآن پاک پڑھنے کے اثرات اور برکات زیادہ ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بلند پایہ ولی اللہ عالم اور فقیہ تھے۔ آپ کو ایک بار خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی۔ اللہ نے پوچھا ”کیا مانگتے ہو؟“ آپ نے عرض کی ”یا رب تعالیٰ مجھے اپنے بند چننے کا کوئی آسان راستہ بتا دے۔“ رب تعالیٰ نے فرمایا ”قرآن کی کثرت سے تلاوت کیا کرو۔“

تلاوت قرآن پاک کے ذریعے رب کو پانے کی حمد اس واقعہ کی صورت موجود ہے جب کہ وظائف تبہیات، چلوں، مجاہدوں کے بارے میں ایسی کوئی سند نہیں ملتی۔ ویسے بھی قرآن پاک کی تلاوت اللہ کے ساتھ کلام کرنے کے مترادف ہے۔ قرآن پاک سب سے افضل کتاب اور کلام ہے۔ اس کی تلاوت کی جانی چاہیے۔ لیکن تلاوت کے پیچھے اصل مقصد اور نیت کیا ہے اس حوالے سے اجر میں فرق آجائے گا۔ اگر میں نے تلاوت ثواب کے حصول کی نیت سے کی، رب تک پہنچنے کی نیت سے کی، رب تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کی نیت سے کی تو ہر نیت کا ثواب اور اثرات مختلف ہوں گے لیکن اس تلاوت کا ثواب و اثرات، مقام اور درجہ کھلے زیادہ ہوگا جو بہت اور شوق سے اس نیت کے پیش نظر کی جائے کہ یہ میرے رب کا کلام ہے۔

رب تعالیٰ کی بات اس لیے مانی جائے کہ یہ اس کا حکم ہے، یہ سوچ کر مانی جائے کہ یہ اسی کا کلام ہے جس سے میں پیار کرتا ہوں اس لیے ہر لفظ میرے لیے محترم ہے، اس لیے رب تعالیٰ کی اطاعت کی جائے کہ وہ میرا خالق و مالک ہے۔ سوچ اور نیت کے مطابق اطاعت کا درجہ بدل جائے گا۔ اگر رب تعالیٰ کی ہر بات اس جذبے کے ساتھ مانی جائے کہ مجھے اس سے عشق ہے تو یہ اطاعت کا اعلیٰ مقام درجہ ہے۔

قرآن کی تلاوت رب تعالیٰ کے عشق میں ڈوب کر کریں تو وہ عطا فرمائی ہو جائے گا جو ہمیں اسرار الہی کے مشاہدے کی طرف لے جائے گا۔

سوال: کیا فقیر پر خدمت طلب کی ڈیوٹی Mandatory ہوتی ہے؟

جواب: یہ Mandatory ہوتی بھی ہے اور نہیں بھی۔ اس کا جواب Yes بھی ہے اور No بھی۔ اگر وہاں سے یوں دیکھے کہ کیا اس کے بغیر وہ چل نہیں سکتا تو جواب No ہے لیکن اگر خدمت طلب کے ذریعے رب کو رضی کرنا مقصود ہے تو جواب Yes ہے۔ جس طرح ماں کے دل میں اترنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے بچے سے

یار کیا جائے۔ اسی طرح رب کو پالنے کے لیے اُس کی مخلوق سے محبت ضروری ہے۔ فقیر اس راستے کو چارتا ہے اور مخلوق کی خدمت کر کے رب کو راضی کرتا ہے۔ یوں یہ Mandatory ہے۔ انسان خود عینیت کی بلندی پر اُس وقت تیزی سے جاتا ہے جب وہ خلق خدا کی طرف سے دیے گئے جبر کو کٹنی خوش برداشت کرتا ہے۔ وہ لوگوں کی طرف سے دی جانے والی آیت، پھینکے ہوئے پتھر جس قدر Broad smile سے برداشت کرے گا، اسی قدر جلد خود عینیت میں ترقی کرے گا۔ جو شخص خلق خدا کے لیے یوں Footmat بن گیا کہ لوگ اُس پر پاؤں صاف کر کے گزر گئے، رب تعالیٰ نے اُسے لوگوں کے سر کا Hat بنا دیا۔ جب فقیر Counselling کر رہا ہوتا ہے تو ہر مزاج اور طبیعت کے لوگوں سے اُس کا واسطہ پڑتا ہے جن میں سے 95 صد فقیر کے منہ پر تھوک کر چلے جاتے ہیں۔ وہ خندہ پیشانی اور ہنستے چہرے کے ساتھ یہ سب برداشت کر لیتا ہے۔ اُسے رب تعالیٰ کی طرف سے اُس کے بے پایاں انعامات ملتے ہیں۔

سوال: باوجود ہونے کے فوائد کیا ہیں؟

جواب: ہر وقت باوجود ہونے والے شخص پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں، اُس کا رزق وسیع ہوتا ہے اور پریشانی قوم ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ اپنی رحمت کے صدقے اُسے وہی سکون بھی عطا فرما دیتا ہے۔ انسان کو ہر وقت ضرور باوجود ہونا چاہیے۔ اس کی بے حد برکات ہیں۔

سوال: سورۃ قواۃ کی اس آیت کی وضاحت فرما دیجیے "اُس کو نہیں چھوئے مگر وہ جو پاک ہیں۔"

جواب: اس آیت کے دو طرح سے معنی لیے جاسکتے ہیں۔ اگر انسان پاک حالت میں نہیں، اُس پر غسل فرض ہو چکا ہے تو اسے قرآن پاک کو ہاتھ نہیں لگانا چاہیے۔ یہ ہے فرض۔ ادب کی بات یہ ہے کہ انسان بغیر وضو کے اسے ہاتھ نہ لگائے اور جان لے کہ بغیر ادب کے کچھ نہیں سیکھا جاسکتا۔ وہ خواتین جو نماز پڑھنے سے قاصر ہیں انھیں قرآن پاک کو نہیں چھونا چاہیے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک میں ہدایت انہی لوگوں کے لیے ہے جن کے دل پاک اور صاف ہیں اور ہدایت کی جستجو میں ہیں۔ قرآن پاک اُن کے لیے کھلی ہدایت ہے اور انھیں حق کی طرف لے جاتا ہے۔ سوال: کیا مجھے تلاوت مؤخر کیا جاسکتا ہے؟

جواب: بہتر یہی ہے کہ قرآن پاک میں تلاوت کرتے ہوئے جہاں آیت مجیدہ آئے ہم فی الفور سجدہ ادا کر دیں۔

جمعہ کی فضیلت

جب میرے مرشد سید یعقوب علی شاہ صاحب حفظہ حیات تھے اور اُن سے ہر حق کی کئی باتاں ہوئی تھی تو میں نے نوٹ کیا کہ وہ نماز جمعہ کے بارے میں بہت Particular تھے اور بہت اہتمام سے ادا کرتے۔ اُن کا ایک معمول میرے لیے جب بہت باعث حیرت تھا کہ وہ ٹیک بارہ بجے مسجد میں داخل ہوتے اور اس میں ایک منٹ کی تاخیر بھی نہ کرتے۔ میں چونکہ ملازمت میں تھا اور میری چھٹی Sunday کو ہوتی تھی اس لیے جمعہ کو بہت زیادہ اہتمام نہ ہو پاتا۔ بعد ازاں Friday کی چھٹی Announce ہوئی اور میں قرعہ مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے لگا۔ ایک دن مرشد صاحب نے وہ یافت کیا "نماز جمعہ کہاں ادا کرتے ہو؟" میں نے عرض کیا "گھر سے قرعہ مسجد میں۔" تب انھوں نے مجھے بھی یہ حکم دیا کہ جا کر 12 بجے مسجد میں بیٹھ جاؤ۔ کرو۔ اس کے بعد میرا یہ معمول بن گیا کہ میں گیارہ سو اکیس بجے مرشد صاحب کے پاس جا کر بیٹھ جاتا اور 12 بجے انہی کے ساتھ مسجد چلا جاتا۔ ایک بار وہ 12 بج کر 02 منٹ پر مسجد پہنچے جس کا انھیں بہت مال تھا۔ نماز کے بعد مجھ سے فرمایا "آج تمھاری وجہ سے میں دو منٹ لیٹ ہو گیا۔"

اُس وقت مجھے یہ سب باتیں سمجھ میں نہیں آتی تھیں لیکن گزارتے وقت کے ساتھ یہ سب سمجھ آئے لگا۔ مرشد صاحب دُنیا سے رخصت ہو گئے اور یہ سب معاملات میری اپنی ذات تک رہ گئے۔

بعد میں سمجھ آئی کہ مرشد صاحب جمعہ کو دوپہر 12 بجے مسجد میں جا کر کیوں بیٹھ جاتے تھے۔ اصل میں بعد کے روز ایک ایسی گھڑی آتی ہے کہ جس میں ماگنی ہوئی ہر دعا قبول ہوتی ہے لیکن جس طرح ہر قدر دل ہے اور طاق راتوں میں اسے تلاش کرنے کا حکم ہے اسی طرح جمعۃ المبارک کی اُس مبارک ساعت کے بارے میں مختلف بزرگان دین نے مختلف آراء کا اظہار کیا ہے لیکن زیادہ تر کا اتفاق اس بات پر ہے کہ اس ساعت قبولی کے وقت آتی ہے۔

جب یہ سمجھ کھلا تو سمجھ آئی کہ مرشد صاحب جمعہ کے بارے میں اسے Particular کیوں تھے اور ٹیک

12 بجے مسجد جا کر ذکر اذکار میں کیوں مشغول رہتے تھے۔
ہمیں بھی کوشش کرنی چاہیے کہ ہر روز جمعہ 12 بجے مسجد میں جا کر بیٹھ جائیں تاکہ قبولیت کی ساعت مل جائے۔ جمعہ کے روز کثرت سے نوافل پڑھیں اور تلاوت قرآن پاک کریں۔ گھر یا 12 بجے چاکھڑا دل کا

وقت ہوتا ہے اس لیے اس وقت نوافل تو ادا نہیں کیے جاسکتے۔ لہذا اس وقت دل ہی دل میں سورۃ الاخلاص پڑھا اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ اس کا وقت ختم ہونے کے بعد مسجد کے نوافل ادا کیے جائیں اور اس کے بعد چاہے تو نوافل اس طرح پڑھیں کہ ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد 50 مرتبہ سورۃ الاخلاص پڑھ لیں تو امید ہے کہ رب تعالیٰ ہمارے گناہ معاف فرمائے گا اور ہم پر کرم فرمائے گا۔

بعد کے دن کی اہمیت کے پیش نظر آپ صبح نماز پڑھنے فرمایا:

سیدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے جمعہ کے دن نماز

مصرح پڑھنے کے بعد اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے اسی مرتبہ پڑھا (اللھم صلی علی

محمد النبی الامی وعلی آلہ وسلم تسلیما) تو اس کے 80 سال کے گناہ

معاف ہو جائیں گے اور اس کے لیے 80 سال کی عبادت کا ثواب لکھا جائے

گا۔ (القول البدیع فی الصلاۃ علی العیوب الشیعہ، صفحہ 199)

اگر انسان شش اور گناہوں سے پہلے تک کا وقت نوافل اور ذکر اذکار میں گزار دے تو نہ صرف اسے ثواب ملتا ہے بلکہ اللہ اس پر علم کی بارش بھی کرتا ہے۔

ہم اس غلط فہمی کا فکارتو ہیں کہ رب تسبیح کرنے سے ملے گا۔ حقائق اس سے مختلف ہیں۔ رب تعالیٰ تسبیح

پڑھنے سے یا مخالف کرنے سے نہیں ملتا۔ رب تو ملتا ہے جب انسان رب کی مخلوق پر مہربان ہو جائے۔ بلکہ یوں

کہہ لیجئے کہ جب انسان خالق خدا کے لیے Footmat بن جائے کہ جس پر خلق پاؤں رکھ کر گزرتی رہے۔ اس

کے ساتھ ساتھ انسان عبادت بھی کرتا رہے تو ایسے انسان کو رب تعالیٰ لوگوں کے سر کا Hat بنا دیتا ہے۔

لیکن یاد رہے اگر انسان اللہ کی راہ پر چلنا چاہتا ہے یا چل رہا ہے تو اس پر گرفت بھی بڑی تیزی سے آتی

ہے۔ لہذا انہیں کہ رب تعالیٰ (معاذ اللہ) اپنی راہ پر چلنے کی سزا بند نہ کر دے رہا ہوتا ہے۔ یہ تو اس کی مہربانی

اور رحمت کا ثبوت ہے۔ جن بندوں کو وہ عزیز رکھتا ہے ان کی چھوٹی سی کوتاہی پر بھی انہیں چھکا دیتا ہے اور وہ

اپنی غلطی کا احساس کر کے دوبارہ مستعمل جاتے ہیں اور سیدھی راہ پر چلنے لگتے ہیں۔ آپ نے اکثر لوگوں کو کہتے

سنا ہوگا کہ نیکی کی راہ پر چلنے والوں کی راہ میں مصائب و زوڑ و کھڑکھڑاتے ہیں۔ دراصل اوتار یہ ہے کہ اللہ کی راہ پر

چلنے والے سے جب کوئی غلطی ہوتی ہے تو رب تعالیٰ اسے چھوڑتا ہے کیونکہ وہ نہیں چاہتا کہ میری راہ پر چلنے

والا بندہ جھٹک جائے۔

ان مصائب کی دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان خالق خدا کا جبر جس قدر بڑھتا ہے سکرستے ہو شانت کرتا ہے، لوگوں

کی طرف سے لگنے والے گھسے گھسے خوش دلی اور مسکراتے چہرے کے ساتھ Face کہتا ہے۔ لوگوں کے طعن و طنز

اور ان کی طرف سے کی جانے والی تحریک جس قدر بڑھتی چلیے سہ جاتا ہے۔ اسی قدر زیادہ اس پر رب تعالیٰ

کے انعامات کی بارش ہوتی ہے۔

تیک توں کو رب تعالیٰ اس بات کی سزا نہیں دے رہا ہوتا کہ تم میری راہ پر کیوں چلے۔ جوں جوں ایسا

انسان رب تعالیٰ کی راہ پر قدم آگے بڑھتا جاتا ہے اس پر اللہ کے انعامات کی بارش میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

اس راہ پر چلنے والے مالی تنگی کی شکایت کرتے ہیں۔ یہ شکایت درست نہیں۔ مال اللہ سے ملتا کرتا ہے

ہیں۔ وہ ہمارے گلے میں پڑا ہوا پتھر ہے کیونکہ جس قدر مال زیادہ ہوگا آگاہی زیادہ مناسب ہوگا۔ اس

لیے پیغمبر ﷺ وسلم و صحابہ کرام اور اولیاء کرام کی زندگی میں مومن مالی تنگی نظر آتی ہے۔

میرے پاس ایک بہت بڑے گھر تھے، Financially تھے، Affluent صاحب آیا کرتے تھے۔ میر

ایک دم ان کی کاپیٹ مل گئی۔ ایک روز آئے تو ان کا پاس مجھ سے بھی کیا کرنا تھا حالانکہ وہ بہت کاغذات ہاں

پہنچے تھے۔ میں نے وجہ پوچھی تو بولے "حقیقت میری سمجھ میں آگئی ہے۔ میں نے سب کچھ ترک کر دیا ہے۔

اب میں پیچھے واپسی کے پاس ایک فیکٹری میں کلرک لگ گیا ہوں۔ جو کچھ میرے پاس تھا سب چھوڑ دیا۔ میں

نے کہا "آپ نے کمال عمت کی۔" کہنے لگے مجھے فیکٹری سے ماہانہ 700 روپے تنخواہ ملتی ہے۔ مجھے یاد ہے

کہ اس نوکری سے پہلے ان کا ماہانہ خرچ 15 سے 20 لاکھ روپے تھا۔ اب وہ ایک مالی شان کھر بھون کر

10x10 کی کوٹھری میں ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے جس میں موجودہ پار پائی تھی۔ یہ کہہ کر چونک کر کہنے لگے کہ میں

زمین پر سویا کروں گا۔

وہ بہت سختی تھے ایمان داری سے کام کرتے رہے۔ فیکٹری مالکان کو ان کی خوشیوں کا اندازہ ہو اور انھوں

نے یہ بھی دیکھا کہ انھوں نے کبھی تنخواہ میں اضافے کا مطالبہ نہیں کیا۔ ان کی کارکردگی اور دیے سے خوش ہو

کر انھوں نے ان کی تنخواہ بڑھا کر 1500 روپے کر دی۔ جب اگلے ماہ انھوں نے وہ تنخواہ وصول کی تو

سیدھے اکاؤنٹ کے پاس چلے گئے کہ آپ نے غلطی سے مجھے زیادہ رقم دے دی ہے۔ جب انھیں بتایا گیا کہ

فیکٹری مالکان نے ان کی تنخواہ بڑھائی ہے تو وہ فیکٹری مالک کے پاس جا کر کہنے لگے "آپ نے مجھے کس غلطی

کی سزا دی ہے؟" مالک نے سمجھا کہ شاید یہ ایسا طنز اکھڑ رہے ہیں۔ دہرایا "ہم آپ کی تنخواہ میں مزید اضافہ

کر دیتے ہیں۔" انھوں نے کہا "مجھ سے 700 کا حساب نہیں دیا جائے گا، 1500 روپے کا کیسے دیا جائے گا؟"

میرے سامنے ایک صاحب بیٹھے ہیں جن کے پیروں پر اس وقت بڑی رات دکھائی دے رہا ہے کہ

شاید میں بھی نیک انسان ہوں جو پچھلے 25 سال سے مشکلات اور مالی تنگی کا شکار ہوں۔ یہ کہاتے شاد صاحب

نے ازراہ تشنہ ادا کیے (یہ خوش فہمی ہے۔ کبھی کسی نیکی کی راہ پر چلے گئے بھی مالی تنگی آتی ہے۔

درحقیقت یہ مشکلات نہیں بلکہ انعام ہے۔ رب تعالیٰ ہماری مدد کر رہا ہوتا ہے کہ ہم اس کی راہ پر چلے

جائیں اور وہ ہمیں علم سے نوازا جاتا ہے۔

جو کاذ کر رہا تھا۔ جس کے روز اگر ہم سورۃ الاخلاص کی پہلی آیت غلطی کی ادا ان ہونے تک پڑھتے

رہیں تو ہمیں بہت سے انعامات حاصل ہوں گے۔

سوال: حاضری سے کیا مراد ہے؟

جواب: حاضری کا لفظ لغوی اصطلاح استعمال ہوتا ہے۔ کچھ لوگوں کا جب کسی بزرگ سے روحانی رابطہ ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے حاضری اور وہی ہے۔ بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی نیک بزرگ کو کوئی شخص پسند آ گیا تو جب وہ ملاقات کے لیے آتے ہیں تو اس شخص کی ظاہری حالت تبدیل ہو جاتی ہے۔ ہاتھ پاؤں مڑ جاتے ہیں اور وہ ہوش سے گئے ہو جاتا ہے۔ ایسے عالم میں جب اس سے بات کی جاتی ہے تو وہ اس (روح) نیک بزرگ سے پوچھ کر پہنچی گئی بات کا جواب دیتا ہے لیکن ظاہری حالت وہیں بدلتی ہے جہاں روحانی تربیت نہ ہو۔ جہاں روحانی تربیت ہوئی ہو وہاں ایسا رابطہ تو ضرور ہوتا ہے لیکن حلیہ نہیں بگڑتا اور ہوش و حواس قائم رہتے ہیں۔ یاد رکھیے: رب تعالیٰ بہت باوقار ہے۔ اسے یہ پسند نہیں کہ اس کے بندے بے وقار ہو جائیں۔ حاضری کے دوران سنا کچھ لوگوں کا جس طرح حلیہ ہو جاتا ہے کہ فرش پر گر گئے، ہاتھ پاؤں مڑ گئے، آنکھیں پلٹ گئیں۔ یہ بے وقار انداز ہے۔ اس سے متاثر نہ ہوئیے۔

اولیائے کرام بہت باوقار، صاف ستھرے اور خوش اخلاق ہوتے ہیں۔ خواہ لباس پیوند شدہ ہو لیکن پاک اور صاف ہوتا ہے۔ وہ آنٹنے پٹنے، کھانے پینے میں باوقار ہوتے ہیں۔ ذرا سوچئے کہ جو رب خود بے حد باوقار ہے اس کے دوست بے وقار کیسے ہو سکتے ہیں۔

سوال: ہم رب تعالیٰ پرمان کیسے پیدا کر سکتے ہیں؟

جواب: جب کسی شخص کو یہ اعتماد حاصل ہو جائے کہ آپ اس کے دوست ہیں، اسے پورا یقین ہو کہ آپ مشکل وقت میں اس کے کام آئیں گے، جب اسے ضرورت ہوگی آپ میدان چھوڑ کر نہیں بھاگیں گے، اس کے حوالے سے کوئی آپ کے پاس آئے گا تو آپ اسے بھی Entertain کریں گے۔ یہ یقین ہی مان ہے۔ ایک صاحب جو مجھ سے غائب ہوئے ہیں، 35 سال سے میری ان کے ساتھ دوستی ہے۔ ایک بار وہ میرے آفس ٹشریف لائے اور بڑے رعب سے بولے "کھڑے ہو جاؤ۔" جب آپ ایگزیکٹو پوسٹ پر کام کر رہے ہوں تو یہ رعب بڑا عجیب لگتا ہے۔ میں کھڑا ہو گیا۔ انھوں نے میری جیب سے Wallet نکال کر اس میں سے پیسے نکالے، جیب میں واپس Wallet اور دو روایت کے پاس جا کر بولے "شاہ جی! آپ کے لیے سو روپے چھوڑے جا رہا ہوں۔" یہ مان ہے۔

ایک روز انھوں نے خاصی پی پی رقم کا مطالبہ کیا۔ میں نے کہا "میں بھی آپ کی طرح سرکاری ملازم ہوں۔ میرے پاس اتنے پیسے کہاں سے آئیں گے۔" کہنے لگے۔ "شاہ جی! It's your problem, not mine. I need money."

یہ مان ہے۔ جب یہ یقین ہو کہ یہ میرا دوست ہے، میرا اس پر حق ہے۔

رب پر مان پیدا کرنے کا ایک ہی نسخہ ہے کہ بندہ نہ صرف رب کا ہو جائے بلکہ رب کو اپنا مان لے اور پھر اس سے عشق کرنے لگے۔ لیکن اس راہ کا ایک خضرہ مرض کمزوری کہ جب ہم یہ دعویٰ کرنے لگتے ہیں کہ میں

رب کا ہوں اور رب میرا مالک ہے اور کہتے ہیں "یاماری تعالیٰ آج سے میں نے تمام معاملات میرے سپرد کر دیے ہیں اس یقین کے ساتھ کہ جو میرے لیے کرے گا وہ جتنے میرے علماء میں بہترین ہوگا۔" رب تعالیٰ اس دعویٰ کو قبول تو کر لیتا ہے لیکن اس کی حقیقت یہ کہنے کے لیے بھی کہ وہ پاؤں میں راہی کرنے والے کو پیتا ہے۔ جب بھی کے وہ پاؤں میں وہ نہیں رہا ہوتا ہے تو چاہے اس کی زبان لٹک کر پھیر آجائے تو پھر وہ آف تک بھی نہ کرے کیونکہ یہ مرحلہ کامیابی سے گزار لینے کے بعد العیالات کی بے چہ ادا ہوتی ہے۔

سوال: کہا جاتا ہے کہ شای قلعہ لاہور میں موجود موتی مسجد میں نیک اور بزرگ جنات رہتے ہیں وہاں دو محل حاجت پڑھ کر جو دعا مانگا جائے قبول ہوتی ہے۔

جواب: یہ بھی عجب کمال بات ہے کہ رب تعالیٰ کے ساتھ بھی ہم نے Transactional Commercial relationship پالی ہوئی ہے کہ اسے اللہ اس مسجد میں دو محل اس لیے ادا کر دیں گا کہ میری حاجت پوری کر دے۔ یہ افسوس ناگ رو یہ ہے۔ رب تعالیٰ کی عبادت تو اس لیے کی جاتی چاہیے کہ وہ معبود حقیقی اور لائق عبادت ہے۔ مسلمان جب بھی مسجد میں جاتے اور نعت نوحۃ المسجد کے داخل ضرور پڑھا کرے چاہے وہاں جنات رہتے ہوں یا نہیں۔

میں تو کسی جگہ اس نیت سے نماز پڑھنے کو تیار نہیں کہ چونکہ یہاں جنات رہتے ہیں اس لیے میں نماز پڑھ کر دعا مانگوں گا تو میری حاجات پوری ہو جائیں گی۔

آپ وہاں ضرور نوافل ادا کریں (دو، چار یا جتنے بھی چاہیں) لیکن نعت المسعد کے نوافل کی حیثیت لپیچے کیونکہ یہ مسجد کا حق ہے کہ ہم جب بھی کسی مسجد میں داخل ہوں تو وہاں نوافل ادا کریں۔

سوال: کہا جاتا ہے کہ تقویٰ کے حصول کے لیے انسان ذلت کو عزت پر ترجیح دے کہ اس سے ان کے بت نوت جاتے ہیں۔ اس کی وضاحت فرمادیجیے۔

جواب: انسان کو کسی بھی حال میں ذلت کو عزت پر ترجیح نہیں دینی چاہیے۔ مسلمان ذلت سے بہت ڈر رہتا ہے۔ جس رویے کو آپ نے ذلت پر محمول کیا ہے وہ شاید آپ کو اس لیے ایسا لگا ہو کیونکہ فقیر و غریب کی طرف سے کی گئی ہر تنقید اور تلخ بات ہنسی خوشی سہہ جاتے ہیں۔ انھیں کوئی گالی دے تو وہ جواب میں مسکرا دیتے ہیں۔ یہ ذلت نہیں عزت ہے۔

آپ سب کے سامنے اگر کوئی صاحب آکر مجھے بدترین الفاظ کہیں، میں جواباً ان کو ملے اور مسکراتا ہوں۔ وہ جاتے ہیں تو میں بڑے احترام سے کہوں "جناب! آپ شریف رکھے۔ روزہ ہے ورنہ میں آپ کی خدمت کرتا۔" لیکن وہ مجھے گالیاں دیتے ہوئے رخصت ہو جائیں تو آپ کہیں برا کہیں گے؟ مجھے یا ان صاحب کو؟ یقینی بات ہے گالیاں دینے والے کو۔ میرے بارے میں آپ بھی سوچیں گے کہ یہ بہت مشکل مرحلہ انسان ہے۔ یوں ذلت مجھے تو نہیں ملی۔

جب ہم کسی کی زیادتی خاموشی سے برداشت کر کے مسکراتے رہے ہیں اور اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں آنے دیتے بلکہ گالیاں سن کر بھی نرمی اور قہر سے کہتے ہیں "بھائی ایسا مجھ سے کوئی کوتاہی ہو گئی ہے کہ میں نے آپ سے آپ مجھ سے ناراض ہیں۔" اس رویے سے انسان کا مقام بلند ہوتا ہے گرتا نہیں۔ سنت بھی سنی ہے۔ آپ سچے طور پر کسی کو پلٹ کر اس کی سخت بات کا جواب نہیں دیا۔ جب ہم لوگوں کی تنقید کھلے دل سے برداشت کرتے اور بعد ازاں غور کرتے ہیں کہ اس میں کہاں کہاں واقعی میری غلطی تھی تو یہ تنقید باعث رحمت ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص آ کر مجھے برا بھلا کہتا ہے اور میں اسے خوش دلی سے برداشت کرتا ہوں اور اس کے جانے کے بعد اپنا تجزیہ کرتا ہوں کہ کہاں مجھ سے کوتاہی ہوئی کہ اس آدمی کو مجھے یہ سب کہنا پڑا۔ اس تجزیے کا فائدہ یہ ہوگا کہ میں اپنی اصلاح بھی کروں گا اور میری اتنا کابٹ بھی ٹوٹ جائے گا۔

یہ اتنا ہے جو مجھے ستاتی ہے کہ میں گالی کا جواب پتھر سے دوں۔ یہ اتنا ہے جو انسان کو ذلیل و خوار کرتی ہے۔ مسلمان ذلت سے ڈرتا رہتا ہے اور کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس کی وجہ سے اس کی ذلت ہو۔

سوال: حدیث کا مضمون ہے رب پر اچھا گمان رکھو۔ رب تمہارے گمان کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ اس کی وضاحت فرمادیجیے۔

جواب: حدیث مبارکہ یوں ہے

"میرا بندہ مجھ سے جیسا گمان رکھتا ہے میں اسی طرح اس کے ساتھ پیش آتا ہوں۔"

(صحیح بخاری، حدیث 7066)

یہ انسان کی سوچ کو اچھا رکھنے کے لیے فرمایا گیا۔ انسان کی سوچ اس کے احوال پر اثر انداز ہوتی ہے۔ جو انسان منفی باتیں سوچتا ہے اس کے چہرے پر ہر وقت عجیب سی Tension، بے رونقی اور روکھاپن دکھائی دے گا لیکن جو آدمی Positive سوچ کا حامل ہو اس کے چہرے پر چمک اور رونق دکھائی دیتی ہے جسے ہم کہتے ہیں کہ غلاں شخص کے چہرے پر بہت نور ہے۔ یہ انسان کی سوچ ہے جو چہرے سے جھلکتی ہے۔ اگر انسان یہ سوچتا رہے کہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا میرا کوئی کام زک نہیں سکتا جب تک میرا رب

لہذا وہ قائم ہے اور بے شک وہ زندہ اور قائم رکھے والا ہے یہ سوچ اتنی Strong اور Positive ہے کہ اس کے اثرات کے نتیجے میں انسان کے حالات بد نہ لگتے ہیں۔ ہم اللہ سے اچھے گمان رکھیں مثلاً میں نے کسی کام کے لیے کوشش کی تو گمان رکھوں کہ اللہ مجھے اس میں کامیاب کر دے گا۔ اگر میں مشکل میں ہوں تو یہ گمان رکھوں کہ میرا رب مجھے ضرور اس میں سے نکال لے گا۔ ہم ہمیشہ رب تعالیٰ سے اچھائی کی امید رکھیں، وہ اچھا ہی کرے گا۔

روح کی لطافت

ہم سبھی جانتے ہیں کہ انسانی آنکھ میں نہ کوئی چٹائی ہے نہ اس کے اندر نور۔ یہ کسی بھی شے کو اس وقت تک دیکھ نہیں پاتی جب تک اس Object پر روشنی نہ پڑے جس کو ہماری آنکھ دیکھنے کے ہوئے ہو۔ جب کسی Object پر روشنی پڑتی ہے تو اسے وہ Reflect کرتی ہے۔ اس Reflected light beam سے ہماری آنکھ اس Object کو دیکھ پاتی ہے۔ ہماری چٹائی تھی ہی چیز کیوں نہ ہو وہ کسی شے کو دیکھنے پر اس وقت تک قادر نہیں جب تک چیزوں پر روشنی یا نور نہ پھیلے۔ اسی طرح انسان چیزوں کو دیکھ نہیں سکتا جب تک وہ نور یا روشنی کو حاصل نہ کر لے۔

رب تعالیٰ نے دنیا میں پاک اور ناپاک اسی طرح کثیف اور لطیف اشیاء پیدا فرمائیں۔ ہماری ظاہری آنکھ کثیف اشیاء کو فوری طور پر دیکھ لیتی ہے مثلاً جب ہم کسی انسان پر نظر ڈالتے ہیں تو اس کا جسم فوراً دیکھ لیتے ہیں لیکن اس کا باطن کیا ہے، اس کی روح کیا ہے، اس پر نظر نہیں جاتی۔ جب انسان کسی اہل باطن سے ملتا ہے تو وہ جسم کے ساتھ روح پر بھی نظر ڈال لیتے ہیں کہ یہ انسان کتنا ذلت یا لطافت کے کس مقام پر ہے۔

انسان ارتقا کے مراحل سے گزرتے ہوئے یہاں تک پہنچا۔ اس ارتقا کی ایک Quick جھلک قطرے سے پیداؤں تک کے 37 ہفتوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ انسان کے اندر حیوان موجود ہے۔ ہو سکتا ہے بہت سے لوگ اس بات پر Eyebrows raise کریں۔ بقول مولانا رومی "حیوان انسان ایک گھٹا جنگل ہے جس میں حیوانات اور نباتات سبھی موجود ہیں۔ انسان کو آپ شیر کی طرح بہادر اور کچھ لومڑی کی طرح چالاک اور کچھ بھینر کی کھال پہنے دکھائی دیتے ہیں لیکن جب ہم کسی کے بارے میں رائے کا اظہار کرتے ہیں تو کبھی بھی اس کی صرف ایک صفت کو نہیں دیکھتے اور نہ ہی ایسا کرتا چاہیے۔ ہمیں چاہیے کہ اس کی تمام صفات کو یک جا کر کے اس انسان کی Overall assessment کریں اور جو تو Heavyier ہو اس کی بہادری اس کی شخصیت کا فیصلہ کریں۔

بات ہو رہی تھی نگاہ کی۔ انسانی آنکھ کثیف اشیاء کو دیکھتی ہے۔ جب کبھی آندھی یا تیز ہوا چلے تو نور کیجیے کہ اس ہوا میں اڑنے والی مٹی کو تو آنکھ دیکھ لیتی ہے لیکن ہوا کو نہیں دیکھ پاتی۔ کثیف بات ہے کہ ہمیں Prime mover نے مٹی کو اڑایا ہے ہم اس کو نہیں دیکھ پاتے حالانکہ مٹی بڑا ستونہ اور اڑھیس نکلی۔

ہمارا جسم از خود چلنے پر قادر نہیں اس کا Prime mover جو اُسے چلائے ہوئے ہے، رُوح ہے۔ لیکن ہم اس رُوح کو نہیں دیکھ پاتے۔ جسم کا تعلق مٹی سے ہے اور وہ مٹی میں ہی چلا جاتا ہے۔ رُوح کا تعلق رب تعالیٰ سے ہے کیونکہ وہ ہر رُوحی ہے اس لیے رُوح مرنے نہیں بلکہ اپنے اصل کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ اس لیے قرآن پاک میں فرمایا گیا کہ ہر شے کو اپنے اصل کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ جس شے کا تعلق اپنے رب سے ہے وہ رب کی طرف سے آئی اور رب ہی کی طرف لوٹ جائے گی۔ اس کی اصل پاکیزہ ہے۔ یہ اور بات کہ ہم اپنے اعمال سے اسے کثیف کر لیں یا اسے لطافت کے اعلیٰ مدارج تک لے جائیں۔ گزشتہ کسی نشست میں ایک صاحب نے فتا کے بارے میں سوال پوچھا تھا جس کا تفصیلی جواب تو میں نے عرض کر دیا تھا لیکن "فتا" کو ایک Sentence میں بھی بیان کیا جاسکتا ہے۔ جب ہم ہر طرح کے غیر اللہ کو یوں بھلا دیتے ہیں کہ صرف رب یاد رہ جاتا ہے تو یہ "فتا" ہے جسے فتانی اللہ بھی کہا جاتا ہے۔ یا یوں کہہ لیجیے کہ ہر ماسوا اللہ کو بھلا دینے کا نام "فتا" ہے۔

رُوحانیت حاصل کرنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ انسان کے باطن کا تعلق رب سے جڑ جائے۔ اس لیے میں عرض کیا کرتا ہوں کہ عبادت سے پارسائی آتی ہے جب کہ نیکی سے رب ملتا ہے۔ عبادت رفتہ رفتہ ہماری عبادت بن جاتی ہے۔ ایک نماز کی کسی نماز قضا ہو جائے تو اُسے بے چینی ہوتی ہے جیسے سرکٹ نوٹ کو سرکٹ نہ پینے سے ہوتی ہے۔ یہ دراصل عبادت کی عادت ہے جس میں ناغہ انسان کو بے چین کرتا ہے۔ عادت کی جانے والی عبادت سے رب نہیں ملتا۔ رب اُس وقت ملے گا، جب ہم اپنی رُوح کا تعلق رب سے قائم کر لیں گے۔ پانی کے بہت بڑے Pond (تالاب) کا تعلق دریا یا نہر سے نہ ہو تو اُس میں موجود پانی کچھ عرصے بعد Stale (ہاسی) ہو جائے گا اُس پانی کا رنگ بھی بدل جائے گا اور اُس میں Bad smell (بدبو) بھی پیدا ہو جائے گی لیکن اگر اُس تالاب یا نہر کا تعلق نہر یا دریا سے ہو تو اُس میں نیا اور تازہ پانی شامل ہوتا رہے گا اور اُس میں پانی کی مخلوق بھی زندہ رہے گی۔ اسی طرح جب انسانی رُوح کا تعلق رب سے نہیں ہوتا تو وہ کثیف ہوتی چلی جاتی ہے اور اس کثافت کی وجہ سے انسان مرنے کی اشیاء کو تو دیکھ پاتا ہے لیکن غیر مرنے کی اشیاء تک اُس کی رسائی نہیں ہو پاتی۔

انسان رُوح سے تعلق اسی وقت جوڑ پائے گا جب وہ اپنے سے زیادہ صالح لوگوں میں بیٹھے گا کیونکہ صالح صحبت کے اثر سے رُوح میں لطافت پیدا ہوگی۔ چونکہ رُوح کی پرواز کے بغیر انسانی رُوح اس قابل نہیں ہوتی کہ وہ عالم اسرار کی سیر کر سکے اس لیے رُوح کی لطافت پر بہت زور دیا جاتا ہے۔

- 1- حقوق اللہ کی ادائیگی
- 2- مثبت سوچ۔ جسے آسمان الغفوس میں یوں کہہ لیں کہ آپ خلق خدا پر مہربان ہو جائیے رب تعالیٰ آپ پر مہربان ہو جائے گا۔

وہ انسان میں یہ قہر موج پیدا ہو جاتی ہے تو وہ اُس مقام پر پہنچتا ہے کہ وہ کوئی اس سے ملتی ہوئی نہ ملے گی کہ اسے تو وہ وعدہ دے گا کہ میں کہتا ہوں کہ اُس سے پاس سے ملتی ہوگی۔ وہ دیکھ لے گا کہ اس نے غلط کیا۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ بے چارے سے غلطی ہو گئی تو پھر اس کی غلطی فوراً صاف کر دیتے ہیں۔ تجویز یہ ہے کہ پھر نہ کسی سے گلہ شکوہ ہوتا ہے نہ خدا آتا ہے اور نہ کسی کے لیے دل میں کینہ پیدا ہوتا ہے بلکہ ہر طرف کے لیے ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

جب ہم کسی کو مادی لحاظ سے پھلتا چھوٹا دیکھتے ہیں تو پھر اس کا Grudge نہیں کرتے بلکہ اپنی قہر موج کی وجہ سے اُسے دیکھ کر بے ساختہ رُخا دیتے ہیں کہ رب تعالیٰ اُسے مزید رزق اور خوش حالی عطا کرے۔ ایسا انسان بدگمان نہیں ہوتا کہ اُس نے لوٹ مار کر پیش کر کے یہ مال اکٹھا کیا ہے۔

یہ رویہ اپنانے سے اُن دس آلائشوں سے جان چھوٹ جاتی ہے جن کو حضرت امام غزالیؒ نے رُوحانیت کی راہ کی رُکاوٹ قرار دیا ہے۔

انسان حقوق اللہ کی ادائیگی صراحت کے ساتھ کرے اور عبادت عادت نہیں بلکہ اس شوق اور جذبہ سے کرے کہ میرا رب لائق عبادت ہے اور مجھے اُس کی عبادت کرنی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنی سوچ کو مثبت کر لے۔

جب یہ دونوں خوبیاں انسان میں اکٹھی ہو جاتی ہیں تو پھر اُس کی رُوح میں لطافت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اللہ کی راہ پر چلنے لگتا ہے۔

سوال: کیا کامیابی کے حصول کے لیے محنت ضروری ہے؟ رب تعالیٰ تو کبھی محنت کے بغیر بھی عطا کر دیتا ہے۔

سعودی عرب میں تو لوگوں کے گھر سے تیل نکل آتا ہے۔

جواب: آپ نے بالکل صحیح فرمایا لیکن میں کیا کروں کہ میرے سامنے رب کا وہ فرمان رہتا ہے کہ انسان کو مدد کچھ ملتا ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے۔ یہ جو رب تعالیٰ کبھی کسی کو محنت کے بغیر عطا کر دیتا ہے تو یہ Exceptions (مستثنیات) ہیں اور یاد رکھیے کہ Exceptions (مستثنیات) کو ہم کبھی مثال کے طور پر پیش نہیں کر سکتے۔

آپ نے سعودی عرب کی مثال دی۔ آپ کی نظر اُن کے آج پر ہے۔ اُن کا نام ہی آپ نے نہیں دیکھا۔ دودھ اپنی اصلی حالت میں بڑا Vulnerable ہوتا ہے لیکن اُس میں پانی ڈال دیں تو اُس کی خالص پختہ صفت متاثر ہو جائے گی۔ اس دودھ کو جب آپ Boil کرتے اور رفتہ رفتہ دھیمی آگ پر پکاتے ہیں اور اس کے بعد اسے جگر بیلو جتے (Beat) ہیں تو اس میں سے جو کمزور دودھ Vulnerable نہیں ہوتا۔ جس پانی نے دودھ کا خالص پن ختم کیا کمزور اُسی پانی میں تروتازہ رہتا ہے لیکن دودھ سے کمزور کاسٹریکٹ کرنے میں دودھ کئی گھنٹے دھیمی آگ پر پڑا رہتا ہے کہ اُس کا رنگ بدل گیا۔ پھر اُسے جاگ لگا کر نکال دیا گیا۔ اس کے بعد اُس

نے گفتہ بھری Beating تو مکھن حاصل ہوا۔ دو مکھن خوش ذالکھہ و خوش شکل بھی ہے اور Vulnerable بھی نہیں ہے۔

سودہوں کے چودہ سو سالہ سفر کو دیکھیے۔ انھوں نے اپنے وقت کی دو سپر پاورز کو زیر کیا ہے، ریگستان میں بارگھائی ہے اور پانیوں کی ہیں۔ پھر وہ وقت بھی یاد کیجیے جب ان کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دُعا فرمائی کہ میری قوم کو دنیا کی ہر نعمت عطا فرما۔ ان سب کے نتیجے میں سودیوں کے گھروں سے تیل نکلا ہے اور آج وہ آرام سے بیٹھے ہیں۔ میں اور آپ چودہ سو سال کے بجائے صرف چالیس سال ہی صحیح طریقے سے محنت کر لیں تو اتنا اللہ ہمارے گھروں سے بھی تیل نکل آئے گا۔

سوال: کیا رزق کی تنگی کی صورت میں ہجرت کرنا مناسب ہے؟ رزق میں وسعت کے لیے کوئی وظیفہ بتا دیجیے۔
جواب: ہجرت میں بڑی برکت ہے۔ جب ایک جگہ انسان پر رزق تنگ ہو تو وہ ہجرت کر لے، رزق وسیع ہو جائے گا۔

رزق میں اضافے کے لیے میں تو ایک ہی وظیفہ سے واقف ہوں کہ بھرپور کوشش اور محنت کر کے دُعا کر لی جائے۔ اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو مجاہدوں کی طرح ہر وقت محنت اور عمل کے لیے کمر کس رہے ہوتے ہیں۔ اللہ کو کبھی لوگ پسند نہیں۔

سوال: درود پاک پڑھتے ہوئے ہم اللہ سے استعا کرتے ہیں اللھم صل علی سیدنا محمد۔ وضاحت کرویں کہ صل علی کتنی بڑی نعمت ہے؟ کیا پوری کائنات کا نظام اس کی وجہ سے چل رہا ہے؟
جواب: میں صاحبِ علم تو ہوں نہیں کہ اتنی باریک باتوں کو جان سکوں۔ صرف یہ جانتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے محبوب اور اللہ کے بعد سب سے بڑے ہیں۔ یہ بات میرے ذہن پر نقش ہے۔

آپ ﷺ کو اپنے حق میں میری دُعاؤں یا درود کی قطعی ضرورت نہیں۔ میں آپ ﷺ کا احسان مند ہوں کہ آپ ﷺ نے نہ صرف پیغامِ حق ہم تک پہنچایا بلکہ اپنی ذاتی زندگی میں تکلیفیں اٹھا کر اس پیغام کو اپنی ذات پر Implement (منطبق) کر کے بہترین نمونہ ہمارے لیے چھوڑا۔ آپ ﷺ اللہ کے اس احسان کے جواب میں بطور انجیل تقدیر درود پاک پڑھا جاتا ہے۔

کیا ”صل علی“ کائنات کے نظام کو چلا رہا ہے؟ یہ میرے علم میں نہیں۔ میں تو بس یہ جانتا ہوں کہ ہم دل میں آپ ﷺ کے احسان مند ہوں اور اس احسان مندی کے انجیل کے طور پر آپ ﷺ پر زیادہ سے زیادہ درود بھیجیں۔

سوال: عالم مثال کے اثرات عالم اسباب پر کیسے مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: اندر و باہر جن جانب اللہ ہے۔ اُسے رب تعالیٰ کی طرف لوٹ جانا ہے۔ ہم اس عالم اسباب میں جو ذکر اور کار اور اعمال کرتے ہیں ان کے اثرات عالم مثال میں موجود ہمارے جسم مثالی پر پڑتے ہیں اور ہمارا جسم مثالی کمزور یا توانا ہوتا ہے۔ جنوں ہوں ہمارا جسم مثالی کمزور ہوتا ہے تو اس عالم اسباب میں ہمارے مادی جسم

کی روح کثیف ہوتی چلی جاتی ہے۔ ہم گناہوں میں ڈوبتے چلے جاتے ہیں اور مادی یا فانی یا محدود یا مٹی جاتی ہے۔ اس کے برعکس جب ہمارا جسم مثالی صحت مند اور توانا ہوتا ہے تو ہماری روح لطیف ہوتی چلی جاتی ہے۔ اُس کی پرواز بڑھنے لگتی ہے اور ہماری نگاہ بہت ڈور تک جانے لگتی ہے۔

عالم اسباب کے اثرات عالم بدیع پر مرتب ہوتے ہیں۔ عالم اسباب میں ہمارے اعمال و اعمالِ مادی آخرت کا فیصلہ کرتے ہیں اور یہی اعمال عالم مثال میں ہمارے جسم مثالی کی صحت کا فیصلہ کرتے ہیں۔ اگر ہم اپنے جسم مثالی کو توانا کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں عالم اسباب میں اپنی سوچ کو ثبت کرنا ہوگا جس کے نتیجے میں ہمارے اعمال بہتر ہوتے چلے جائیں گے۔ اعمال کا تعلق براہِ راست ہماری سوچ سے ہے۔ سب سے پہلے انسان کسی کام کا سوچتا ہے، پھر نہایت وارادہ کرتا ہے اُس کے بعد عمل کرتا ہے۔ جب سوچ Positive ہو جائے تو اعمال خود بخود ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ پھر ہمارا جسم مثالی توانا ہو جاتا ہے اور روح کی پرواز بڑھ جاتی ہے تب ہم پر انعامات کی بارش عالم اسباب میں بھی ہوتی ہے اور آخرت میں بھی ہوگی۔

Will
I
Inte

دست
ہے

چاہے
فعل

آہستہ
آہستہ

خبر
خبر

پہلے
پہلے

دست
دست

دست
دست

کوڑی دینے کو کوئی تیار نہیں ہوتا اور ایک بی بی رابعہ بصری صاحبہ نے فرمایا کہ اپنے اعمال کا ثواب دوسروں کو دے رہی ہیں۔

اگر ہم واقعی اللہ کی دوستی چاہتے ہیں تو اپنی ذات سے باہر نکل آئیں۔ اپنی ذات کو ختم کر دیں۔ ایک بہت بڑے عہد سے پرفائز ایک انسان کی اس باتیں میرے ذاتی علم میں آئیں کہ میں حیران رہ گیا کہ اسے بڑے مقام پر بیٹھ کر ایک ایسا انسان لوگوں کے ساتھ خدا کا سلوک کیسے کر پائے گا جس کے نزدیک یا ہم ہے کہ اس کی اولاد کے لیے فلاں نے کام کیا یا نہیں، اس کو Accommodate کیا یا نہیں۔ قسمیں ان باتوں سے بہت بلند ہے۔ اُسے کبھی یہ شکایت نہیں ہوتی کہ ”میرا بیٹا آپ کے پاس آیا تھا آپ نے اُسے پیٹنے کے لیے کئی نہیں دی۔ میری بیٹی کو آپ نے چائے کا نہیں پوچھا۔“

فقیر ان چھوٹی باتوں سے بہت اُپر چلا جاتا ہے۔ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے ہمیں اس مقام تک جانا ہو گا جہاں انسان دوسروں سے گلے شکوے کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ کوئی ایسی بات مانگ نہیں کرتا جس کی وجہ سے اُس کی اپنی ذات یا Immediate family متاثر ہوئی ہو۔ درحقیقت اُس کے دل میں ایمان ہوتا ہے کہ میرا اور میری فیملی کا مالک رب تعالیٰ ہے۔ ان کی ضروریات، معاملات اور کام سب اللہ کے حوالے ہیں۔ فقیر تو بس یہ کام کرے گا کہ رات کی تنہائی میں رب کے حضور بیٹھ کر عرض کرے گا:

”یا باری تعالیٰ! آج سے میں نے اپنے تمام معاملات، اولاد، مال و باپ سب تیرے حوالے کیے۔ تو ان کا بہترین نگہبان ہے اور مجھے یقین ہے کہ تو میرے سارے معاملات میرے بہترین مفاد میں حل کرے گا۔ آج سے میرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔“

جب انسان اس کامل یقین اور بھروسے سے اپنے معاملات رب کے حوالے کرے تو Ultimately اللہ بہتر ہی کرتا ہے۔

اگر اللہ کا قرب حاصل کرنے کا شوق ہے تو پھر اُس راہ پر چلے جائیے جہاں انسان کی ضروریات کام کا جیوں اللہ کے سپرد ہو جاتے ہیں کہ پھر وہ پلٹ کر اُن کی طرف نہیں دیکھتا کیونکہ یہ بددعا ہے کہ معاملات اللہ کے سپرد کر کے پریشان ہو جائے کہ ہو گا کیا۔ لیکن یاد رہے کہ کوشش ہم پر فرض ہے۔

ہمیں سب سے زیادہ شکایت یہ ہوتی ہے کہ فلاں شخص نے ہماری بے عزتی کر دی، ہمیں عزت نہیں دی، ہمیں صحیح طریقے سے Look after نہیں کیا حالانکہ ہم اکثر وہ بستر پہ جملہ دہاتے دے رہے ہیں کہ عزت دینے والا صرف رب ہے۔

ذرا غور کیجیے جب میری عزت، رزق، جان سب رب تعالیٰ کے اختیار میں ہے، کوئی شخص اُنھیں مٹا نہ ہو سکتا ہے تو پھر گلے کیا کہ فلاں نے میری بے عزتی کر دی۔ ہمیں فیصلہ کرنا ہو گا کہ وہوں میں سے کون سی بات درست ہے۔ ”کسی نے میری بے عزتی کر دی“ یا یہ کہ ”عزت اور دولت سب رب کے ہاتھ میں ہے۔“ جب رب تعالیٰ ہمیں عزت دینے پر آئے گا تو سارا جہان مل کر بھی اُسے راکھ نہ کر سکتا ہے۔ لیکن

رب کی رضا اور قرب

بڑی مشکل سے سمجھ آئی ہے کہ عبادت گزاری، پرہیز گاری اور تقویٰ ہے کیا؟

اگر انسان حقوق اللہ ادا کر لے، جو عبادات اُس پر فرض کی گئی ہیں اُنھیں پوری طرح ادا کر لے تو وہ عبادت گزار کہلائے گا۔

اگر انسان عبادت کرنے کے ساتھ ساتھ اُن کاموں سے باز بھی رہے جن سے رب نے منع کیا ہے تو وہ پرہیز گار ہو جائے گا۔

یہ تو ہم سب جانتے ہیں کہ حرام کیا ہے اور حلال کیا ہے۔ لیکن دقت وہاں پیش آتی ہے جہاں حلال اور حرام میں بہت باریک سا فاصلہ ہوتا ہے۔ جب انسان عبادت گزار اور پرہیز گار ہو جاتا ہے تو وہ حلال اور حرام کے درمیان پائی جانے والی مشکوک اشیا سے بھی اجتناب کرتا ہے تاکہ اُس کی راہ کھوٹی نہ ہو جائے۔

امام ترمذی نے امام حسن سے روایت کی، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو چیز شک میں ڈالے اسے چھوڑ کر اس چیز کو اختیار کر دو جو شک میں نہ ڈالے بے شک سچائی سکون قلب کا باعث ہے اور جمہور انسان کو مضطرب اور پریشان رکھتا ہے۔ (جامع ترمذی، حدیث 2518)

اس حدیث کی تشریح یہ ہے کہ جب حلال اور حرام کے درمیان موجود چیز کے بارے میں دل میں یہ شک پیدا ہونے لگے کہ یہ ٹھیک یا حلال ہے بھی یا نہیں۔ تو اُس چیز کو ترک کر دینا چاہیے۔ علم کے بلند مقام پر فائز ہستیوں کے حالات زندگی پر حدیں تو بڑی حیران کن بات سامنے آتی ہے کہ جہاں کسی شے میں حرام کی ملاوٹ کا ہلکا سا شائبہ بھی تھا وہ اُس سے بہت دُور رہتے تھے۔

حضرت بی بی رابعہ بصری رحمہم اللہ ایک بہت کمال کی دُعا فرمایا کرتی تھیں جو کبھی کسی اور ولی اللہ کو کرتے میں نے دیکھا۔ سننا۔ شاید اسی لیے وہ علم کے بلند درجے پر پہنچیں۔ وہ یہ تھی:

”یا اللہ! دنیا میں جو میرا حصہ ہے وہ اپنے دشمنوں کو عطا فرما دے اور آخرت میں میرا جو حصہ ہے وہ اپنے دوستوں کو عطا کر دے۔ میرے لیے تو بس تو ہی کافی ہے۔“

دُعا کا یہ رنگ بہت کمال ہے۔ یہاں تو یہ حال ہے کہ شہوت سے کمالی ہوئی دولت میں سے ایک پھوٹی

ذاتی موت کے وقت ایک دوست نے کہا "سرفراز! سمجھ نہیں آتی۔ ذیاتی زندگی ویکس اور جنازہ ویکس۔" میں نے جواب دیا "رب تعالیٰ نے اپنی بات ثابت کی ہے کہ وہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے۔" عزت Demand کرنے سے نہیں ملتی بلکہ یہ Earn کی جاتی ہے۔ انسان کے اپنے رویوں اور افعال کی بنیاد پر اس کی عزت کی جاتی ہے۔

سیدنا امیر معاویہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص چاہے کہ لوگ اُس کے لیے (تعظیم میں) اُنھ کو کھڑے ہوں اُسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم کر لے۔ (جامع ترمذی، مہاب ما جاء فی قیام الرجل للرجل، حدیث نمبر: 2754)

اگر اللہ کے قریب جانا ہے تو پھر ان قضیوں اور Demands سے نکلنا پڑے گا۔

سوال: 13 اگست 2013 کو سید یعقوب علی شاہ صاحب رحمہ اللہ کے عرس مبارک کے موقع پر وہاں حاضری دے کر بہت روحانی تسکین حاصل ہوئی۔ انفس! بہت سے لوگ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ ایسا کیوں؟

جواب: مجھے اپنی زندگی کا ایک رویہ یاد آ گیا۔ ماہ رمضان میں جب دھول بجا کر چگانے والے آتے تو میری آنکھ کھلتی اور پھر بند ہو جاتی۔ اگلے روز میں مولانا صاحب سے جا کر پوچھتا ہوں کہ میں روزہ رکھنے کی سعادت سے محروم کیوں رہ گیا۔ ایسا کیوں ہوا؟ لیکن کبھی کسی مولانا نے یہ نہیں کہا کہ بھائی! تم اپنے آپ کو خود درست کر لو۔ یہ تم سوچو کہ دھول بجا کر چگانے والے آئیں گے تو بیدار ہو جائیں گے۔ بھائی! جو عرس کے اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھا سکے وہ دراصل خود فائدہ اٹھانا نہیں چاہتے تھے۔ اُن کی Priority (ترجیح) دوسری تھی۔

سوال: لیلۃ القدر عطاے رب ہے یا یہ جانگنے والے کو نصیب ہوتی ہے؟ کیا اس شب دعائیں قبول ہوتی ہیں؟ جواب: درخت پر پکا ہوا پھل پکتا ہے اور پکا ہوا پھل زیادہ مڑے کا ہوتا ہے۔ پکے ہوئے پھل درخت سے گرتے ہی رہتے ہیں۔ یہ انسان کی اپنی کوشش اور فراست ہے کہ وہ جمجھولی پھیلائے اور عین اُس وقت درخت کے نیچے بیٹھ جائے جب پھل نیچے گر رہا ہو تب وہ لازمی اُس کی جمجھولی میں آن کرے گا۔ لیکن اگر گھر میں بیٹھا شخص بغیر تک وہ دیکھے اپنے نصیب کو دوش دے کہ یہ پھل تو میری قسمت میں تھا ہی نہیں بلکہ اُس کے نصیب میں تھا تو جمجھولی پھیلائے ہوئے ہے تو یہ نامناسب رویہ ہے۔ آپ جیسے نیک لوگ جو ماہ رمضان کے آخری عشرے کی ہر طاق رات میں شب بیداری کرتے اور لیلۃ القدر کا شوق کرتے ہیں وہ اللہ کی رحمتوں سے محروم نہیں رہتے۔

روایات کے مطابق قبولیت دعا کا وقت اندھیرا پھیلنے سے لے کر صبح فجر تک ہے۔ جو شخص میری طرح مشاہد کی تہا پہنچ کر سوچتا ہے اور پھر فجر کے وقت اُنھ کو نماز ادا کرتا ہے رب تعالیٰ اپنی رحمت کے صدقے اُس انسان کی اتنی ہی عبادت کو بھی رات بھر کی عبادت کے برابر Consider کر لیتا ہے۔

سوال: جمعہ کے روزہ دعا کی قبولیت کا وقت کون سا ہے؟

جواب: ایک روایت کے مطابق جمعہ کے روزہ دعا کی قبولیت کا وقت خطبے کی تلاوت کے وقت ہے۔ اس لیے درویش دوپہر 12 بجے مسجد میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں اور مسلسل ذکر الہی میں مصروف رہتے ہیں جو خطبہ کا وقت ہوتا ہے دعا مانگ لیتے ہیں۔ ایک حدیث کے مطابق قبولیت کی وسعت عصر کے بعد آخری وقت میں ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جمعہ دن بارہ ساعت کا ہوتا ہے۔ ان میں ایک ساعت (گھڑی) ایسی ہوتی ہے کہ اگر اس وقت کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگے تو اُس کو ضرور دیا جاتا ہے۔ پس اُس گھڑی کو عصر کے بعد آخری وقت میں تلاش کرو۔ (سنن ابی داؤد، شریف باب العبادۃ الیہ)

ساعتی ہی یوم الجمعة، حدیث 1035

سوال: کیا قرآن پاک ترتیب سے پڑھنا ضروری ہے؟

جواب: تلاوت قرآن پاک افضل عبادت ہے۔ بہتر یہی ہے کہ انسان ترتیب سے قرآن پاک پڑھے اور قرآن پاک ختم ہونے کے بعد دعا کرے "یا اللہ! یا رحیم! یا کریم! یا پروردگار! جو قرآن پاک میں نے تلاوت کیا اسے تیرے اور تیرے حبیب کریم ﷺ کی خدمت میں بطور نذر پیش کیا۔" اسے قبول فرمائے اور اس کا ثواب بطور ہدیہ آپ ﷺ کی روح مبارک کی خدمت میں پہنچا دے۔" رب تعالیٰ دعائیں سننے والا ہے۔ اس کلام پاک کی تلاوت کی برکت سے ہماری دعا میں قبول فرمائے گا۔ انشاء اللہ!

سوال: غیبت اور مشورہ میں کیا فرق ہے؟

جواب: ہر ایسی بات غیبت ہے جو ہم کسی شخص کی غیر موجودگی میں کہتے ہیں، اگر اُس کی موجودگی میں کہیں تو اُس کی دل آزاری ہوگی۔

مشورہ وہ ہے جو انسان کسی کام یا معاملے کے سلسلے میں خود کرنا چاہتا ہے کہ مجھے یہ معاملہ پیش ہے۔ آپ کی رائے کے مطابق مجھے کیا کرنا چاہیے؟

جب کوئی شخص ہم سے مشورہ مانگے اور ہم اُسے کوئی جواب دیں تو یہ جواب نہیں بلکہ اصل ایک بات ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ جس محلے میں رہتے تھے اُس میں ایک تھانے دار بھی رہتا تھا۔ مالِ مال کے انتقال کے بعد اُس کے گھر بنا پسندیدہ حرکتیں ہونے لگیں۔ اُس وقت پندرہ سو سال کی Values کے انتقال تھیں۔ لہذا محلے داروں نے تھانے دار کی حرکتوں سے تنگ آکر مولانا اشرف علی تھانویؒ سے مشورہ مانگا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ مولانا نے جواب دیا "اگر کوئی پر اپنی ذیل اُس پولیس آفیسر کو مکان فروخت کرنے پر Convince کر لے تو میں وہ مکان خرید لوں گا۔ یوں وہ محلے سے چلا جائے گا۔"

پر اپنی ذیل پولیس آفیسر کے پاس گیا اور جا کر زبان کا ہنسا کر آیا کہ آپ اتنے بڑے پولیس آفیسر ہیں اور

اس پر اسے سمجھ میں رہے ہیں۔ یہ آپ کی شان کے خلاف ہے۔ آپ یہ مکان فروخت کر کے کسی ماڈرن کالونی میں گھر کیوں نہیں لے لیتے؟ پولیس آفیسر کافی حد تک Convince ہو گیا لیکن کہنے لگا کہ میں کل آپ کو جتنی جواب دیاں گا۔ اگلے روز جب پراپرٹی ڈیلر نے پولیس آفیسر سے جا کر اس کا فیصلہ جاننا چاہا تو اس نے یہاں فروخت کرنے سے انکار کر دیا اور وجہ یہ بتائی کہ میں نے محلے کے ایک ٹیک اور دین دار شخص مولانا اشرف علی تھانوی سے اس بات مشورہ مانگا تھا۔ انھوں نے مجھے کہا "شریف لوگ ماں باپ کی بنائی گئی جائداد کو فروخت نہیں کیا کرتے بلکہ اس میں اضافہ کرتے ہیں۔ اگر آپ کو کسی پوش علاقے میں گھر بنانا ہے تو ماں باپ کا پتہ ہوا مگر نہ بچے بلکہ ایک ایڈیشنل گھر بنا لیجیے۔" میرے پاس ایڈیشنل گھر خریدنے کے لیے رقم موجود نہیں لیکن میں اپنے والدین کا یہ گھر فروخت نہیں کروں گا۔

پراپرٹی ڈیلر یہ سارا قصہ سن کر دمک رہ گیا۔ غصے سے بولا "جناب! مولانا اشرف علی تھانوی صاحب جنھوں نے آپ کو یہ مشورہ دیا اور جنھیں آپ اس قدر نیک گردان رہے ہیں انھوں نے ہی مجھے آپ کے پاس اس مکان کی واپس کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ اُن کا یہ تضاد میری سمجھ میں نہیں آیا۔ چلو اُن کے پاس جا کر اس کی حیدر یافت کرتے ہیں۔ وہ دونوں صاحبان مولانا صاحب کے پاس گئے اور وجہ پوچھی تو مولانا نے بہت خوب صورت بات کہی کہ مکان خالی کرانا مجھے والوں کی ضرورت تھی اور اس کے لیے میں نے اپنے آپ کو Volunteer کیا تھا کہ جس قیمت پر بھی گھر فروخت ہوا میں خرید لوں گا۔ لیکن جب مالک مکان پولیس آفیسر میرے پاس مشورے کے لیے آئے تو وہ مشورہ میرے پاس امانت تھا جس میں میں خیانت نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے ان سے دعا کی کہ جوں میں اپنے لیے پسند کرتا۔ اگر میرے ماں باپ کا گھر ہوتا تو میں کبھی اُسے فروخت نہ کرتا۔ اس لیے میں نے اپنی ضرورت کو پس پشت ڈال دیا اور وہی مشورہ دیا جو صحیح تھا۔ یاد رکھیے مشورہ امانت ہے۔ ہم جب بھی کسی کو مشورہ دیں تو ہماری اپنی کوئی غرض، ضرورت یا Angle اس مشورے کو Colour نہ کرے۔ مشورہ ہمیشہ بہت مختاط ہو کر دینا چاہیے۔ جو ہم خود کرنا چاہیں ہمیشہ وہ مشورہ دیں۔

سوال: کیا مرشد بدلا جاسکتا ہے جس طرح اگر ایک ڈاکٹر سے آرام نہ آئے تو ہم ڈاکٹر بدل لیتے ہیں؟
جواب: مرشد بدلا نہیں کرتے۔ ذرا عایت میں کہا جاتا ہے کہ اوپر ایک رجسٹر ہے۔ جب کوئی آدمی کسی ولی اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے یا دونوں کے دل میں یہ بات آ جاتی ہے کہ میں اُن ولی اللہ کو اپنا مرشد مانتا ہوں اور وہ مرشد اس آدمی کو اپنا مرید مان لیں تو اس آدمی کا نام اُس رجسٹر میں ولی اللہ کے نام کے نیچے لکھ دیا جاتا ہے اور یہ نام ہم حساب تک وہاں سے کٹا نہیں۔

جب ہم کسی کو مرشد مان لیتے ہیں اور دل سے تسلیم کر لیتے ہیں کہ یہ ہمارے مرشد ہیں اور وہ ولی اللہ بھی دل سے ہمیں شاگرد یا مرید تسلیم کر لیتے ہیں خواہ زبان سے نہ کہیں تو بیعت ہو جاتی ہے۔ ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت کرنے کا ظاہری اسلوب کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اصل معاملہ دل کا ہے۔

ایک بار جب ہم کسی ولی اللہ کو دل سے مرشد مان لیں گے تو ہمارا ہم اس رجسٹر میں ان کے سرے دل کی تحریر میں درج ہو جائے گا۔ البتہ حصول علم کے لیے ایک سے زیادہ اساتذہ سے فیض حاصل کیا جاسکتا ہے۔ حضرت بابا یزدی بڑی مصلحتی شخصیت تھے ایک سو سے زائد اساتذہ سے آکتاب فیض کیا لیکن ان کے مرشد ایک ہی تھے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ مرشد کا مقام باپ سے بلند ہے، اس کی LOGIC یہ ہے کہ Father by choice نہیں لیکن مرشد By choice ہوتے ہیں۔ اس لیے بہت سوچ سمجھ کر مرشد کا انتخاب کرنا چاہیے۔ محض ایک ملاقات میں Convinced ہو کر انھیں مرشد بنانے کا فیصلہ نہیں کر لینا چاہیے۔ جہاں آپ کا دل مطمئن نہ ہو جائے کہ آپ صحیح جگہ پر آ گئے ہیں وہاں کچھ وقت گزار دیجئے۔ اُن دونوں کو قریب سے دیکھیے اور اس کے بعد انھیں اپنا مرشد بنانے کا فیصلہ کیجیے۔ ایسا فیصلہ دینا پورا درست ہوگا۔

سوال: کوئی ایسی عبادت یا عمل بتا دیجیے کہ دب راض ہو جائے۔

جواب: رب تعالیٰ کو تین فعل بہت پسند ہیں۔

1۔ غلام کو آزاد کرنا یا کرنا۔

2۔ بھوکے کو کھانا کھلانا۔

3۔ مقروض کا قرض ادا کرنا۔

آج کل غلاموں کا سلسلہ تو موقوف ہو گیا، اُن کی جگہ قیدیوں کو آزاد کرنا جاسکتا ہے۔ اس عید سے چار پانچ روز قبل ایک کھرب جتنی فیملی میرے گھر آئی ہوئی تھی، انھیں میں نے یہ یاد رکھائی تھی کہ انہی نے آپ کو بے حساب دولت سے نوازا ہے۔ اگر آپ ہر عید پر ان قیدیوں کا جرمانہ ادا کر دیں جو اپنی سزائیں پوری کر چکے ہیں لیکن جرمانہ ادا نہ کرنے کی وجہ سے جیل میں ہیں تو جرمانہ ادا ہو جانے کی صورت میں وہ اپنی فیملی کے ساتھ عید مناسکین گئے اور رب تعالیٰ کو آپ کا یہ عمل بہت پسند آئے گا۔

ایک فعل جو میں عموماً کسی کو بتاتا نہیں ہوں، میں نے اُن سے عرض کیا کہ عید کے دن دو پہر کا کھانا کسی یتیم خانہ میں کھائیے۔ آپ یتیم خانہ کی منجنت کو بتائیے کہ دو پہر کا کھانا آپ کے ذمہ ہے۔ آپ اُس کھانے کا انتظام اتنے ہی شاندار انداز میں کیجیے جس قدر اپنے بیٹے کی دعوت و عید کے لیے کرتے ہیں۔ اس شیخ زاد کے مطابق ٹیبلر لگوائیے، اُن پر امپورٹڈ کٹری، فینیل کا تھہ، پھولوں کے گلے، دان سجائیے۔ اس تمام انتظام کے ساتھ آپ اور آپ کی Wife یتیم بچوں کے ساتھ کھانا کھائیں۔ اُن صاحب نے غلامی میں یا ان میں جتنی طور پر معذور چار سو بچوں کے ساتھ نہ صرف کھانا کھایا بلکہ اُن بچوں کے لیے دو سو تکیے سجوائے۔ انھوں نے ایک ٹیبلر کو فائونٹین ہاؤس میں بٹھا دیا جس نے ہر بچے کے ساتھ کے مطابق اُس کے لیے دو سو تکیے سجوائے۔ اُن صاحب نے بچوں کو لچ اور لباس کے علاوہ عید گفٹس بھی دیے۔ عید کے بعد انھوں نے مجھے بتایا کہ مجھے نہیں معلوم کہ بچے کتنا خوش ہوئے لیکن یہ ضرور جانتا ہوں کہ غلامی کے بارے میں یہ باتیں زمین پر نہیں تک

رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی اندرونی خوشی میرے اندر بھردی ہے جو مجھے پہلے کبھی میسر نہیں ہوئی۔
اللہ کو ماضی کرنے کا ایک عمل یہ بھی ہے، آپ کرتا چاہیں تو بسم اللہ۔

سوال: آپ فرمایا کرتے ہیں کہ خلق خدا پر مہربان ہو جائیے، اُس کی مدد کیجیے، قربانی دیجیے۔ جو شخص خود مالی طور پر مستحکم نہیں وہ کسی کی کیا مدد کرے گا؟

جواب: ہم مسلمانوں نے اسلام کے ابتدائی ایام میں وہ وقت بھی گزارا کہ بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر بانٹنے پڑے لیکن اس کے باوجود مسلمان ایک دوسرے کے لیے بہت مہربان تھے، ایک دوسرے کی بہت مدد کیا کرتے تھے۔

اگر ایک شخص کے پاس دولت ہے تو وہ اپنے مسلمان بھائیوں میں اُسے تقسیم کر دے۔ اگر کسی کے پاس صرف بھوک ہے تو وہ اُسے بھی دوسروں میں بانٹ سکتا ہے مثلاً مجھے بھوک لگی ہے، میرے پاس دو روٹیاں ہیں تو میں صرف ایک چوتھائی اپنے پاس رکھوں اور روٹی کے باقی سات حصے دوسرے بھوکے کو کھلا دوں۔
ایک صاحب جن سے UK میں بات ہوتی رہتی ہے اُن کا کہنا ہے ”شاہ صاحب! میں اللہ کی راہ میں بہت خرچ کروں گا بس ذرا مجھے غربت سے نکل کر ادب پتی بن لینے دیں۔“ اُن کی غربت کا عالم یہ ہے کہ شاہ عالم مارکیٹ میں شاید آٹھ یا نو ڈکائیں اُن کی ملکیت ہیں جن کے اوپر فلیٹس بھی ہیں، بانسوں والے بازار میں اُن کی حویلی ہے، ڈیفنس میں بھی دو چار پلاٹس ہیں لیکن ان سب کے باوجود وہ غربت کا رونا روتے رہتے ہیں۔

جو لوگ اللہ کا شکر اس انداز میں کرتے چاہتے ہیں کہ جو کچھ اُن کے پاس اللہ کا عطا کردہ ہے اُس میں دوسروں کو حصہ دار بنانا چاہتے ہیں تو اُس کے لیے یہ شرط نہیں کہ آپ کے پاس بے تحاشا پیسہ ہو۔ اگر ہمارے پاس بھوک ہے تو ہم دوسروں کے ساتھ بھوک ہی بانٹ لیں۔

اعمال میں اخلاص کی اہمیت

ایک شخص نے ایک طوطا پال رکھا تھا۔ اُس نے اُسے بہت محنت سے پالنا سکھایا۔ وہ طوطا مالک کی غیر موجودگی میں گھر کی حفاظت کرتا اور مالک کی موجودگی میں اُس کی دکان میں آنے والے Customers کو گائیڈ کرتا۔ ایک روز مالک طوطے کو یہ کہہ کر دکان پر چھوڑ کر دوسرے شہر چلا گیا کہ دکان کا خیال رکھنا، قہوڑی دیر بعد ایک چوہا دکان میں داخل ہوا جس کے تعاقب میں ایک بیٹی تھی۔ چوہا بیٹی کے طرف سے ہٹا گاڑی تے اُس پر جھٹ لگائی جس کے نتیجے میں دکان میں موجود دو فن اور لوٹن کے سر جان کر گر کر موت گئے۔ طوطے کو اس بات کا اتنا صدمہ ہوا کہ اُس کے سر کے بال صدمے سے اُڑ گئے اور اُس نے بولنا چھوڑ دیا۔ مالک ”ابن آباء“ دکان کی ناگفت بہ حالت دیکھی۔ طوطے سے کچھ جانتا چاہتا تو اُسے خاموش پایا۔ یہ سب دیکھ کر مالک پریشان ہو گیا۔ طوطے کو مختلف عاملوں اور فقیروں کے پاس لے کر گیا لیکن سب کو ششیاں ناکام ہو گئیں اور طوطا کس صورت بولا۔ کافی دن گزر گئے۔ ایک روز اتفاقاً دکان کے سامنے سے ایک ایسا شخص گزرا جس کے سر پر کوئی بال تھا۔ طوطے نے اپنے جیسے ایک سبجے شخص کو دیکھا تو بے ساختہ بولا ”بھائی! کیا تم سے بھی دو تین مرتبہ ان کر گر کر موت گئے تھے جو تم سمجھ ہو گئے؟“

ہم اپنے اور دوسروں کے ظاہری اعمال کی بنیاد پر اندازہ کر لیتے ہیں کہ یہ ہمارے جیسا انسان ہے جب کہ ہمارے اعمال کا انحصار ہماری نیوٹوں پر ہے۔ جس طرح دو ہرن ایک جیسی گھاس کھاتے ہیں لیکن ایک ہرن جو گھاس کھاتا ہے وہ جزو بدن بن جاتی ہے اور باقی ضائع ہو جاتی ہے جب کہ دوسرا ہرن جب وہی گھاس کھاتا ہے تو اُس کے جسم میں کستوری بن جاتی ہے۔ اگرچہ ہمارے اعمال اور عبادات ایک سے لکھائی دیتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہمیں یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اگر ایک ولی اللہ نماز پڑھتا روزے رکھتا اور رب کو پکارتا ہے اور کچھ جیسا گناہ گار شخص بھی نماز پڑھتا، روزے رکھتا اور رب کو پکارتا ہے تو دونوں کا مکمل یکساں ہے۔ بظاہر تو دونوں کا عمل ایک جیسا ہے، دونوں ایک جیسے انسان ہیں لیکن نیوٹوں میں فرق کی وجہ سے وہ ظاہری عمل ایک جیسا نہیں رہا۔ میری نیت میں فتور ہے۔ میری تمام عبادات، ریاضت اور اعمال ریاکاری سے بھرے ہیں کہ لوگ مجھے نیک اور عبادت گزار سمجھیں، مجھے جھک کر سلام کریں کہ اس سے میرا گھس بھٹتا پھوٹتا ہے جب کہ حق پر غرض سے پاک ہو کر رب کو پکارتا ہے۔ اس میں تو یہ غرض بھی نہیں ہوتی کہ میرا رب مجھ سے راضی ہو جائے۔ وہ تو

رب سے یہ توقع بھی نہیں رکھتا اور نہ یہ صلہ مانگتا ہے کہ عبادت کے نتیجے میں رب اُسے قریب کر لے۔ وہ تو صرف یہ سوچ کر دُوب کو پکارتا ہے کہ رب میرا ہے اس لیے میں اُسے پکاروں۔ اس لیے کسی کے ظاہری اعمال کو دیکھ کر بھی یہ گمان نہ کریں کہ چونکہ میں بھی اُس نیک انسان کی طرح نماز پڑھتا ہوں اس لیے میں بھی اُس جیسا ہوں۔ یاد رہے کہ آپ سچے عالم کے فرمان کے مطابق اعمال کا دار و مدار نیوٹنوں پر ہے۔

بہت ضروری ہے کہ ہم عبادت کو صلے کی توقع سے خالی کر دیں۔ ہماری عبادت میں کہیں یہ ڈرنہ ہو کہ میں اس لیے عبادت کروں تاکہ جہنم سے نجات مل جائے اور نہ ہی یہ لالچ ہو کہ مجھے جنت مل جائے اور نہ یہ خوف ہو کہ چونکہ میرے رب کا عزم ہے کہ میری عبادت کر داس لیے میں اس حکم کی تابع داری کروں تاکہ کل کو مجھے سزا نہ ملے اس لیے بھی عبادت نہ کروں تاکہ رب مجھ سے راضی ہو جائے۔ عبادت کے پیچھے صرف یہ جذبہ ہو کہ میرا رب اتنا مہربان ہے کہ بن مانگے مجھے عطا کرتا ہے، وہ اتنا مہربان ہے کہ اُس نے مجھے مکمل حالت میں پیدا کیا، میرا کوئی عضو ضائع بھی تو ہو سکتا تھا۔ میرا رب اتنا عظیم ہے کہ میں صبح سے شام تک اُس کی سرکشی کرتا ہوں، اُس کی کوئی بات نہیں مانتا لیکن وہ اتنا ظریف والا ہے کہ اُس نے کبھی میری گرفت نہیں کی۔

اگر کوئی شخص مجھ سے صرف دو روپے مانگ لے تو میرا پہلا سوال یہ ہوتا ہے "یہ پیسے تمہیں کیوں چاہیے؟" وہ جواب دیتا ہے "میں بھوکا ہوں۔" میں اُس کی بات کا یقین نہیں کرتا اور کہتا ہوں "نہیں۔ تم نے ان دو روپوں سے نشہ کرنا ہوگا۔" لیکن میرا رب اتنا عظیم ہے کہ کبھی نہیں پوچھتا کہ میں تمہیں تمہارے مانگے اور بن مانگے جو رزق عطا کرتا ہوں تم نے اُسے کس کس غلط کام پر خرچ کیا۔ اب مزید رزق عطا کروں گا تو کیا کرو گے؟

جو رب اتنا عظیم ہے وہ Deserve کرتا ہے کہ بغیر کسی لالچ یا غرض کے صرف اور صرف اُسے لائق عبادت سمجھ کر اُس کی عبادت کی جائے۔ اگر عبادت میں یہ رنگ آجائے تو یہ بہت کمال کی بات ہے۔ اگر ریا کاری، دھوکا دار، غرض اور لالچ ہماری عبادت سے اُٹل جائے تو پھر اُس عبادت کا ذکر کبھی ہماری زبان پر نہیں آئے گا کیونکہ جب انسان کسی غرض کی ادائیگی کرتا ہے تو وہ اُسے جتنا نہیں بلکہ شکر ادا کرتا ہے کہ میں کسی کا حق ادا کر سکا۔ تب عبادت کے بعد انسان میں تکبر کے بجائے شکر گزاری اور عاجزی کا احساس پیدا ہونے لگتا ہے اور انسان عبادت کو خود اپنی ذات سے بھی چھپانے لگتا ہے۔ خواتین و حضرات! میں اور مجھ جیسے سیاہ و انسان اپنے اندر مختلف بات چھپاتے ہوئے ہیں۔ کوئی اپنے اندر ظلم کے بت کی پوجا کر رہا ہے۔ اُسے یہ عقیدہ ہے کہ میرے پاس بہت ظلم ہے۔ کوئی شخص اپنے اندر موجود ناکے بت کی پوجا کرتا ہے۔ کوئی اس زعم میں ہے کہ کوئی مجھے اٹھا اٹھا کر دیکھے کیسے۔ کسی شخص کو اپنی دولت کا تکبر ہے۔

میرے نزدیک تکبر کی بدترین شکل "عاجزی کا تکبر" ہے۔ یہ تکبر ہمیں کسی کی تنقید برداشت نہیں کرنے دیتا۔ کوئی مجھ پر اٹکی اٹھائے ہمیں یہ گوارا نہیں کرتا لیکن جب میں کسی سے ملتا ہوں تو جھک کر رہتا ہوں۔ اگر ہم نے اس انداز میں عبادت کر لی جو میں نے ابھی عرض کیا تو ہمارے اندر وہ جو تکبر کے بت ایک

ایک کر کے اُٹنے لگیں گے۔ پھر وہ وقت آئے گا جب موتن کی سی عاجزی ہم میں پیدا ہو جائے گی۔ یہ عاجزی رب کو پسند آتی ہے۔ ظاہری عاجزی رب کو پسند نہیں آتی کیونکہ اس میں تکبر چھپا ہوتا ہے۔

سوال: رب کی راہ پر چلتے ہوئے Level of motivation میں Ups and downs آتے رہتے ہیں۔ کیا یہ لیول Permanent نہیں ہو سکتا؟

جواب: آپ سچے عالم کے فرمان کے مطابق خلاف فطرت اُمائیں قبول نہیں ہوتیں۔ ہماری فطرت میں ایک سبب یہ ہے کہ ہم دُعا کو غلط سمجھتے ہیں۔ جس طرح سپاہی کا Main weapon اُس کی ناکھل ہے اور توپ خانہ کا فائر اُس کا Supporting fire ہے۔ جب وہ بہت مشکل میں گھر جائے اور دشمن کا دھواں بہت بڑھ جائے تو وہ توپ خانہ کی گولہ باری کر کے دشمن کے پریش کو کم کر دیتا ہے۔

بالکل اسی طرح ہمارا Main weapon کوشش (Effort) ہے جب کہ دُعا Supporting weapon ہے۔ پوری دیانت داری سے پھر پھر Effort کرنے کے بعد ہم دُعا کریں "یا ربی تعالیٰ! تو نے مجھے جو دینی و جسمانی صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں ان سے پوری طرح کام لے کر میں نے پھر یہ Effort کی۔ اب تو مجھے اس میں کامیابی عطا فرما دے۔"

لیکن ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم کوشش کیے بغیر دُعا کرنے کو ترجیح دیتے ہیں حالانکہ رب تعالیٰ نے ہر شے کے جوڑے پیدا کیے۔ سکھ کے ساتھ دُکھ، خوش حالی کے ساتھ تک و تنگی، عزت کے ساتھ ذلت اور راحت کے ساتھ تکلیف ہے۔ ہماری زندگی دُکھ اور سکھ سے رقم ہے۔ اس کی جہاں Strengths ہیں وہاں اس کی Down sides بھی ہیں۔

میں جن بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، ان کی خدمت میں ایک دو ایک صاحب نے آکر عرض کیا "میں آج کل بہت مصیبت میں ہوں۔" یہ سن کر ان بزرگ کے چہرے پر ناگواری کے نشانات بھانپ کر میں نے اُن صاحب کو اشارہ کیا کہ دوبارہ یہ بات نہ کریں لیکن میرے منع کرنے کے باوجود جب ان صاحب نے دوبارہ اور سہ بارہ ایک ہی بات کی تھرار کی تو اُن بزرگ نے قدرے جلال میں ایک ایسی بات کہی جو میرے لیے تو انتہائی سبق آموز تھی کہنے لگے "میاں! اچھے دن گزارنے کے لیے تم تجھے دن بھر سے دن بھر اسی جگہ کوئی اور گزارے کا کیا؟"

اُس دن کے بعد سے میرے دل سے نکل گیا کہ زندگی کی Down side پر کوئی غلام بھی ہو سکتا ہے۔ زندگی کا Natural formation مختلف Opposite کیفیات و حالات سے رقم ہے۔ اگر اچھا وقت میں نے دیکھا ہے تو برا وقت بھی مجھے ہی گزارنا ہے۔ جس مسکراتے چہرے کے ساتھ میں نے اچھے وقت کو طوفان نے دیکھا ہے وہاں اسی Smiling face سے بڑے وقت کا استقبال کروں گا کہ میری زبان پر اٹھ جائے۔ یہ اتنا چھوٹا سا حوالہ ہماری زندگی کا حصہ ہے۔ ہماری ذہنی یکسوئی Consistent نہیں رہتی۔ دھول کا اثر دوسرے Planets اور موسم کا اثر سب ہماری زندگی پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ وہ اثرات ہمارے سوا کو

Change کرتے اور Level of motivation کو Affect کرتے رہتے ہیں۔ جب تک ہم اس مقام پر نہیں پہنچ جاتے کہ جہاں ہم ہر طرح کے حالات کو نفسی خوشی قبول کرنا سیکھ جائیں تب تک Level of motivation میں اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے Level of motivation میں فرق نہ آئے تو ہم خود کو یقین دلادیں کہ رب بڑا مہربان ہے، وہ میرے ساتھ بڑا کر ہی نہیں ملتا۔ اس کی طرف سے عطا ہونے والی ہر چیز کو ہمیں مسکراتے چہرے کے ساتھ قبول کرنا ہے اگر ہم Level of motivation کو Consistent رکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس مقام پر آنا ہوگا۔

سوال: مایوسی کفر ہے یا گناہ۔ بعض اوقات پوری نہ ہونے والی دعائیں اور خواہشات انسان کو مایوس کر دیتی ہیں۔ اس مایوسی سے کیسے لکھا جاسکتا ہے؟

جواب: مایوسی کفر ہے۔ جب انسان حالات، دنیا اور سب لوگوں کو اپنی خواہشات کے مطابق چلانے کی کوشش کرتا ہے کہ سب لوگ مجھ سے اس طرح Behave کریں جو مجھے Suit کرتا ہے اور جس سے میری خواہشات کی تکمیل ہو جائے یا انسان یہ توقع رکھے کہ حالات ہمیشہ ایسے رہیں گے کہ میری خواہشات پوری ہوتی رہیں گی۔ چونکہ یہ ہو نہیں سکتا کیونکہ Unnatural ہے اس لیے مایوسی در آتی ہے۔

اس کائنات کے Jigsaw puzzle میں رب ہر Piece کو اپنی جگہ پر رکھتا ہے تاکہ کائنات اپنی اصل جگہ پر قائم رہے۔ جب ہم بحیثیت ایک Piece دوسرے Piece کی جگہ لینے کی کوشش کرتے ہیں تو خرابی یہ ہوتی ہے کہ کامیابی آتی ہے اور مایوسی جنم لیتی ہے۔ لیکن متوکل لوگ مایوسی سے بچے رہتے ہیں۔

توکل کی تین گمانیوں میں سے آخری گمانی "تقویٰ" ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں انسان کے تمام اہلکار آواز دہرائیں، چاہیں اور خواہشات رب کے ارادوں، چاہتوں اور خواہشات کے تابع ہو جاتے ہیں۔ یہ مقام صرف آپ ہی حاصل ہوگا۔

کوشش کرنی چاہیے کہ جس حد تک ممکن ہو انسان توکل میں آگے جائے اور اپنے ارادوں اور خواہشات کو رب تعالیٰ کے ارادوں اور خواہشات کے ماتحت کر دے۔ ایسا انسان مایوسی سے بچا رہے گا۔

سوال: Personality development کے لیے کیا کیا جائے؟

جواب: یہ ایک ایسا Subject ہے جس کے لیے کئی محنتی درکاروں سے لیکن مختصر عرض کر دوں۔ ہم لوگ اپنی اور دوسرے Textbook پڑھنے کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ ایک Tunnel vision میں غرق ہو کر کچھ دیکھ پاتے ہیں اور Tunnel vision آگے چل کر ان کے آگے بڑھنے میں رکاوٹ بنتا ہے۔

انسان کی کامیابی میں ہم سب کے ساتھ ساتھ خود کو بھی مددگار بنانا چاہیے جو ہمارے بچوں میں پیدا نہیں ہو پاتی کیونکہ ہم اپنے بچوں کو تعلیم کی اہلیت ہی نہیں دیتے۔ ہم اپنے بچوں کو Textbooks کے علاوہ کچھ پڑھنے کی ترغیب نہیں دلاتے حالانکہ مطالعہ سے وہ بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں لیکن ہم اپنے بچوں کو محنت من مطالعہ سے Deprive کرتے ہیں۔

جب تک انسان کا Vision اور Mental horizon (ذہنی افق) Broad (وسیع) نہیں رہتا تو زندگی میں کامیابی کی شاہراہ پر قدم اٹھانے کےائق نہیں ہو پاتا۔

ایک زمانہ تھا جب UK تعلیم میں بہت آگے تھا لیکن ایک المان کے مطابق اس وقت امریکہ تعلیم میں UK سے پچاس سال آگے چلا گیا ہے کیونکہ وہاں کا طریقہ تعلیم انسان کو اندازے سے Develop کرتا ہے۔ انسان کی Ability کا Test ہے Memory کا نہیں۔ جب کہ پاکستان میں Test Memory ہے۔

مجھے امریکہ میں کچھ گورنر کرنے اور وہ چار یا پندرہ سٹیٹز میں بطور ریٹنگ ٹیچر بھی کام کیا تھا۔ اس دوران میں نے دیکھا کہ وہاں Case study-based education ہے۔ مثال کے طور پر مارکیٹنگ

پڑھاتے ہوئے پروفیسر جب Price theory کی بات کرے گا تو وہ اس قیمت کی Definition بیان کر کے Explain کرے گا کہ کسی بھی Product کی Price کیسے مقرر کیے جانے لگتی ہے۔

Determine کرتی ہے۔ اس کے بعد وہ تمام کلاس کے گروہوں کو حادے گا جسے ہم گروپ ملٹی کہتے ہیں۔ ہر گروپ میں ایک سٹوڈنٹ لیڈر ہوگا۔ پروفیسر انھیں مختلف اداروں کے Case دے گا کہ Pricing کر کے کہے گا۔ مثلاً جینو موئرز نے تھنڈر موٹر کے نام سے کار متعارف کرائی ہے اس کی Pricing کریں۔ بعد ازاں نیا شپورے لے آیا ہے آپ اسے کس قیمت پر بیچیں گے؟

اگر کلاس میں 45 سٹوڈنٹس ہیں تو 10+1 کا گروپ بنے گا جن میں ایک سٹوڈنٹ لیڈر ہوگا۔ ہر Case پر Paper لکھا جائے گا۔ ہر سٹوڈنٹ اپنے Views دے گا۔ Discussion ہوگی اور Finally

Paper پروفیسر کو Submit کر دیا جائے گا جسے بعد ازاں گروپ لیڈر ساری کلاس کے سامنے Explain کرے گا بلکہ پروفیسر اور باقی ساری کلاس کی طرف سے اٹھائے گئے مختلف سوالات اور

اعتراضات کا جواب بھی دے گا اور اپنے Paper کو Defend بھی کرے گا۔ اس سارے عمل کے دوران سٹوڈنٹس جو کچھ سیکھ رہے ہیں اس کے نتیجے میں ان میں Application اور Mind

application آجائے گی۔ Discussion کی وجہ سے ان میں ایک دوسرے کو Tolerate کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا اور ٹیم ورک کی بدولت وہ ایک دوسرے کو سپورٹ کرنا اور ایک Common goal کے لیے

کام کرنا سیکھ جائیں گے۔ یہ Personality grooming کا ایک Aspect ہے۔

Personality grooming صرف اسی صورت ہوگی جب گھر اور سکول میں بچوں کو ایسا ماحول Provide کیا جائے جہاں وہ مطالعہ پر زور دیں جس Textbook پڑھنے پر نہیں۔ ہم زمانہ ہی میں

Cardiff University سے ایم بی اے کر رہا تھا تو لاہور کی میں چار سے پانچ گھنٹے گزارا کرتا تھا۔ امریکہ میں آج بھی سٹوڈنٹ آٹھ سے دس گھنٹے لائبریری میں گزارتا ہے۔ وہ Textbooks نہیں پڑھتا بلکہ اس

Subject سے Related پیرز آؤٹ لائن، نیوز پیپر سب Study کرتا ہے۔ یوں وہ اپنے Subject کو بہت اچھی طرح سمجھتا ہے لیکن اسے Textbook لکھا نہیں آتی۔ اس کے برعکس ہم اپنے Subject کو

Memorise کیے جاتے ہیں جس کا نقصان یہ ہے کہ جب ہم پریکٹیکل لائف میں جاتے ہیں تو انٹرویو میں نہیں ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی اہم پوسٹ کے لیے سلیکٹر ایگزیکٹو نے امیدواروں کو Apoint کرتے ہیں تو انٹرویو بورڈ Candidate سلیکٹر ایگزیکٹو کو Refer کر دے گا۔ جو ان دونوں امیدواروں سے کبھی نہیں پوچھے گا کہ آپ نے کیا پڑھا۔ بلکہ وہ اس سے دیگر مختلف سیاسی و سماجی امور پر گفتگو کرے گا۔ جب وہ Candidate سے بات کر رہا ہوگا تو اس کی Personal traits دریافت (Discover) کرتا چلا جائے گا۔ آخر میں کہے گا Thank you very much. See you! آپ کل کلب میں لچ میرے ساتھ کیجیے گا۔ لچ کے دوران وہ اس سے دنیا بھر کی باتیں کرے گا۔ اس کے بعد وہ اسے اپنے گھر ڈز پر Invite کرے گا یوں اس امیدوار کا انڈر کھل کر سلیکٹر ایگزیکٹو کے سامنے آ جائے گا۔

Qualifications کچھ معنی نہیں رکھتیں۔ اداروں کو محض کوالیفیکیشن نہیں بلکہ Learned persons رکھنا ہوتے ہیں۔ لیکن ہم اپنے بچوں کو کوالیفیکیشن تو بناتے ہیں Learned person نہیں۔ ہم اپنے بچوں کو مختلف میگزین، پیپر اور ریفرج پیپرز مہیا کیا کریں تاکہ انہیں نہ صرف اپنے Subject کے بارے میں مکمل علم ہو بلکہ ان میں Vision بھی پیدا ہو اور ان کا Mental horizon (ذہنی افق) بھی Broad ہو سکے۔ یہی چیز ان کی شخصیت کو Impressive (متاثر کن) بنائے گی۔

سوال: بعض اوقات انسان ماضی میں کیے گئے گناہوں سے توبہ تو کر لیتا ہے لیکن ان کی یاد ذہن سے محو نہیں ہوتی۔ کیا ایسا کام توبہ ہے؟

جواب: ایک روز حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انہیں کافی ملول و رنجیدہ پایا۔ جنید یافت کرنے سے انہوں نے بتایا کہ ایک نو جوان نے یہاں مناظرے اور بحث کی صورت میں مجھ سے پوچھا "توبہ کیا ہے؟" میں نے اسے جواب دیا "گزشتہ گناہوں پر شرمندگی و تدامت اور آئندہ گناہوں سے ڈور ہونے کے وعدہ کا ہم توبہ ہے۔" اس نو جوان نے سوال کیا "کیا سابقہ گناہوں کو بھلا دیا جائے؟" میں نے کہا "نہیں، ان کو یاد رکھنا چاہئے۔" میرا یہ جواب سن کر وہ نو جوان بولا "آپ غلط کہتے ہیں، سابقہ گناہوں کو بھلا دینا ہی توبہ ہے۔" یہ واقعہ سنانے کے بعد حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ نے حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ سے پوچھا "آپ کی اس بات سے میں کیا رائے ہے؟" حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "میرے خیال میں وہ نو جوان بھی ٹھیک کہہ رہا تھا۔"

اور اصل جب ہم گناہ کرتے ہیں تو ہم محبت جہاں میں ہوتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے جفا کر رہے ہوتے ہیں۔ لیکن جب ہم توبہ کر لیتے ہیں تو ہم محبت جہاں سے محبت و وفا میں چلے جاتے ہیں۔ ایسے میں اگر ہم نے اپنی محبت جہاں سے لیا تو محبت جہاں میں لوٹ جانے کا خدشہ باقی رہے گا لیکن اگر محبت و وفا میں محبت جہاں سے لیا تو ہمیں یہ چھین ہوتی رہے گی کہ ہم سے لطف ہوتی تھی۔ سب سے جفا کرنے کی شرمندگی و تدامت ہمیں

وہ بارہ محبت جہاں میں جانے سے روکے گی۔ یوں گناہوں کا یاد دہانی Sense میں مہرنگ ہے کہ یہ ہمیں دوبارہ گناہوں کی طرف مائل ہونے سے روکے گا۔

سوال: Old age میں ذریعہ معاش کے لیے سرمایہ کاری کے کون سے ذرائع ہو سکتے ہیں؟

جواب: الحمد للہ! ہم مسلمان ملک میں رہتے ہیں۔ اسلام کے لحاظ سے ساتھ ساتھ اس بات کو Ensure کرنا کہ اس میں رہنے والوں کے تمام چلن اسلام کے مطابق ہوں حکومت کی امداد کی ہے۔ اگر حکومت کچھ ذرائع کے بارے میں یہ فتویٰ جاری کر دے کہ اس میں سود کا کوئی عنصر شامل نہیں اور یہ حلال ہیں تو ہمیں ان فتاویٰ کو تسلیم کر لینا چاہیے کیونکہ کوئی بھی فتویٰ جاری کرنے کے بعد اس کا سارا بوجھ یا گناہ حکومت پر ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل جس بھی ذریعہ سرمایہ کاری کو سود سے پاک قرار دے وہ Safe ہے۔ آپ اس میں سرمایہ کاری کر سکتے ہیں۔

سوال: اگر مرشد دور ہوں اور مرید کسی مشکل میں ہو اور کسی مسئلہ کا حل چاہتا ہو تو کیا وہ مرشد کا تصور کر کے اپنا مسئلہ ان کے سامنے بیان کر سکتا ہے؟

جواب: تصور نہ کیجیے کیونکہ یہ بات تو ہم پرستی میں آئے گی لیکن ان کی طرف توجہ یا تہ لہجے اور بطور تصور کے ان سے اپنا مسئلہ بیان کیجیے۔ اگر آپ کے مرشد کامل ہیں تو یقینی طور پر یا تو آپ کے انہی میں اس مسئلہ کا حل آ جائے گا یا آپ کو خواب میں آکر اس مسئلہ کا حل بتا دیں گے۔ اگر آپ کے مرشد وصال پا چکے ہوں یا دور ہوں تو عشاء کی نماز کے بعد دو رکعت نفل پڑھیں۔ اس کے بعد آنکھیں بند کر کے اپنے مرشد کی طرف رجوع کریں اور ان کا پورا نام لے کر ان سے مخاطب ہو کر کہیے کہ مجھے یہ Guidance چاہیے۔ آپ مجھے گائیڈ کر دیجیے۔ اسی وقت ذہن میں Guidance آ جائے گی یا وہ خواب میں آکر بتا دیں گے بشرطیکہ وہ کامل فقیروں۔

نیت اعمال

فی زمانہ ہمارے جو احوال ہیں اس پر ایک بڑا پرانا لطیفہ یاد آ گیا جو مجھے امجد اسلام امجد نے سنایا تھا۔ یہ ہجو یوں ہے کہ دو دوست تھے ایک ہندو اور ایک مسلمان۔ دونوں سنگاپور میں مقیم تھے۔ ایک شام باہر نکلے اور Drink کرنا شروع کر دیا۔ اتفاق سے ہوا بندھی۔ موسم خاصا Hot اور Humid تھا۔ Drink کرنے کی وجہ سے انہیں اور بھی گرمی لگی۔ انھوں نے سوچا کہ کسی ٹاپ سنوری پر بیٹھ کر Drink کرتے ہیں تاکہ ہوا نہ ہونے کے باوجود ہوا ملتی رہے۔ وہ لخت میں سوار ہو کر ٹاپ سنوری پر پہنچے اور Drink کرنے لگے۔ ہوا کی وجہ سے نشہ آتھ ہو گیا اور بھٹ چڑھی۔ مسلمان نے ہندو دوست سے کہا کہ تم اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بتوں کو پوجتے ہو، بہتر ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ اور ایک رب کی عبادت کرنا شروع کر دو۔ ہندو نے اپنے بھگوان کو Defend کرنا شروع کر دیا۔ دونوں اپنے اپنے موقف ٹھیک ہونے پر ڈٹے ہوئے تھے اور کوئی قائل ہونے کا کام نہیں لے رہا تھا۔ آخر بحث کو میٹلے کے لیے طے یہ پایا کہ دونوں یکے بعد دیگرے اس ٹاپ سنوری سے چھلانگ لگتے ہیں جس کا تھب سچا ہوگا اس کا رب یا بھگوان اُسے بچالے گا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ پہلے کون چھلانگ لگے۔ اس کیا گیا جس کے مطابق ہندو کو پہلے چھلانگ لگانا تھی۔ ہندو نے بھگوان کے حضور پرارتھنا کی "اے بھگوان! تیری رکھشا کیجیو، میں تیرے نام کی بلندی کے لیے یہ سب کر رہا ہوں۔ اگر میں مر گیا تو تیرا نام بچا ہو جائے گا۔" اس پرارتھنا کے بعد اُس نے بے بھگوان کا نعرہ لگایا اور نیچے چھلانگ لگا دی۔ مسلمان نے اُسے نیچے جاتے دیکھا تو ہاتھ جھڑک کر بولا "خس کم جہاں پاک۔" مسلمان واپس آنے لگا تو سوچا کہ دیکھوں تو کسی کہ اتنی بلندی سے گر کر ہندو کے جسم کے کتنے ٹکڑے ہوئے ہیں۔ اُس نے نیچے جھانکا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ہندو اپنے کپڑے بھاڑ کر اٹھ کر کھڑا ہو رہا ہے۔ جیسے ہی مسلمان دوست کو دیکھا، چلا کر بولا۔ "اب تم لگاؤ چھلانگ۔" مسلمان نے یہ سنا تو اللہ کے حضور رونا بیٹھا شروع کر دیا "یا اللہ! میں تیرے نام کی عظمت کے لیے یہ سب کر رہا تھا۔ یہ مفقود تھوڑی تھا کہ واقعی چھلانگ لگاؤ لیکن اب تو میں پھنس گیا ہوں اس لیے میری فرمائش میری مدد کر اور فرشتے بھیج جو مجھے زمین پر گرتے ہی اٹھا کر کھڑا کر دیں۔" کافی دیر تک اللہ کے حضور دعا کرنے کے بعد اُس نے دوسری طرف رخ موڑا اور ہاتھ جوڑ کر بولا "بھگوان! تُو بھی میرا خیال رکھیو۔"

مسلمانوں کے احوال بھی کچھ اسی حد تک عجیب تھے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہندو خدا الہی کا عمل کرتے ہیں۔ چاہیں خواہ کوئی بھی طریقہ اختیار کرنا چاہے۔ خواہ کسی بھگوان کے حضور ہی دعا مانگ کر فی پلے پلے کی جائے کسی جن بصورت یا جنمیل کے پاؤں پکڑنے چاہیں یا کالے جادو کا سہارا لی کرنا چاہے۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ جادو کرنے اور کرانے والے کا ایمان باطل ہو جاتا ہے لیکن ہم پھر بھی دنیاوی کام کرانے کے لیے کالے جادو کا سہارا لیتے ہیں۔

انسان راہ ہدایت اُس وقت تک نہیں پکڑ سکتا جب تک دنیا کی محبت اس کے دل سے نکل نہ جائے۔ عہدہ، اختیار، مال و دولت، آسائش، اولاد سب دنیا کی محبت کے ذریعے سے آتے ہیں۔

جب ہم بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس باپ، دادا، بھائی، سب آپ پر قربان۔" اسی سے اندازہ لگا لیجیے کہ دنیاوی محبت کس قدر کم تر ہے لیکن ہم اپنی دنیا سے محبت کو چھوٹ کرنے کے لیے بہت سی Justifications اور لائل گھڑتے ہیں مثلاً یہ کہ ہم جو کام کرتے ہیں وہ انسانی فطرت کی ضرورت ہے۔ حسنة وفي الاخرة حسنة وقضاء ذنبا۔ اس میں بھی تو پہلے دنیا اور پھر آخرت کی بھلائی مانگی گئی ہے۔ ہم اس دعا کی تفسیر یوں کرتے ہیں "اے اللہ! ہمیں دنیا کا مال بھی بے پناہ عطا کر دے اور آخرت کا مال دے، بھی بے پناہ دے دے۔" ہم دعا کے اصل مفہوم کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے "یا اللہ! دعا دے دے دنیا بھی خوب صورت کر دے اور آخرت بھی۔"

دنیا مال و زر سے خوب صورت نہیں ہوتی بلکہ اُن اعمال سے خوب صورت ہوتی ہے جن کی بنیاد اخلاص پر ہو۔ پُر اخلاص اعمال کا جو صلہ اللہ عطا کرتا ہے اس کا پکا سا ٹکس ہمیں اس وقت دکھائی دیتا ہے جب ہم حضرت داتا گنج بخش رضی اللہ عنہ کے حزار پر جاتے ہیں۔ اُن کے وصال کو 948 سال ہو گئے ہیں۔ اُن کے پاس رہنے اپنے اور کھانے کا کوئی عمدہ انتظام نہ تھا۔ ساری عمر لوگوں کی خدمت کرتے اور ان کے جوئے سیدھے کرتے گزاردی لیکن ان 948 سالوں میں دنیا نے دیکھا کہ بڑے سے بڑا حکمران بھی جب اُن کے حراز پر جاتا ہے تو جھک کر سلام کرتا اور اُلٹے پاؤں واپس آتا ہے۔ کبھی پتہ موڑ کر نہیں آتا۔ داتا صاحب رضی اللہ عنہ کے پاس دولت کا یہ عالم ہے کہ روزانہ تقریباً 10 ہزار آدمی لشکر سے کھانا کھاتے ہیں۔ بڑے سے بڑا شہنشاہ بھی اسے سو سال تک اسٹنے آدمیوں کو کھانا نہیں کھلا سکتا۔ یہ اُن لوگوں کے احوال کا پکا سا ٹکس ہے جنہوں نے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے زندگی گزاری۔

اگر انسان یہ جانتا چاہے کہ رب مجھ سے راضی ہے یا نہیں تو یہ دیکھ لے کہ خلق خدا مجھ سے راضی ہے یا نہیں۔ جس شخص نے اللہ کی رضا کے لیے اس دنیا کے آرام و آسائش اور مال و زر کو حقیر قرار دیا، اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں عزت عطا فرمائی۔ اس لیے میں عرض کیا کرتا ہوں کہ جو لوگ اللہ کی رضا کی خاطر دوسروں کے لیے Footmat بن گئے، لوگوں کی خدمت کرتے گئے، اللہ نے انہیں انھیں لوگوں کے سر کا Hat Ead۔

ایک بات یاد رکھیں، پانی کا بھرا کوئی برتن ہو، فلاں یا جو برتن اس میں حسب پانی کھڑا ہے تو نہ صرف وہ

کثیف ہو جائے۔ بلکہ اس میں Smell بھی پیدا ہو جاتی ہے لیکن اگر بدبودار پانی نکال کر اس کا تالاب کی صفائی کر دی جائے، پھر اس کے بعد پانی کسی اور Source سے اس میں پانی داخل کیا جائے تو اس میں مچھلیاں اور دوسری آبی حیات نہ صرف جنم لیتی ہے بلکہ نشوونما بھی پاتی ہے اور یہ پانی انسان کے پینے اور نہانے دھونے کے کام بھی آتا ہے۔ جو مال و زر ہمارے پاس آتا ہے اگر اسے ہم جمع رکھیں تو اس کی مثال ٹھہرے ہوئے پانی کی مانند ہے جو کثیف اور بدبودار ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ دوستوں، عزیزوں اور ضرورت مندوں کے کام آتا رہے تو اللہ تعالیٰ تبارہ پانی کی مانند اس میں مزید مال و دولت داخل کرتا رہتا ہے اور یوں اس مال میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

سوال: کشف القیور، کشف الصدور کا آسان اور تیر بہدف نسخہ کیا ہے؟

جواب: آج کل لوگ گھر میں چیزیں گرم کرنے کے لیے مائیکرو ویو اودن کا استعمال کرتے ہیں۔ کھانا گرم کرنے کا یہ بہت سہل اور Quick طریقہ ہے۔ لیکن آپ نے کبھی نوٹ کیا کہ جس تیزی سے مائیکرو ویو اودن میں چیزیں گرم ہوتی ہیں اسی تیزی سے ٹھنڈی بھی ہو جاتی ہیں لیکن اگر کھانا چوبلے پر گرم کیا جائے تو اگرچہ وقت تو ہوتی ہے اور تاخیر بھی صرف ہوتا ہے لیکن وہ کھانا جلدی ٹھنڈا نہیں ہوتا۔

سادے آسان اور تیر بہدف نسخے مائیکرو ویو اودن میں گرم ہونے والے چیزوں کی مانند ہوتے ہیں۔ روحانیت میں کوئی بھی چیز آسان اور Quick نہیں ہے۔ روحانیت سیکھنے کا عمل مسلسل ہے۔ اس میں ہم کسی نتیجہ پر نہیں کہہ سکتے کہ میں سیکھ گیا۔ اس میں ایک دستور درالا ہے کہ جس انسان نے کوئی بھی کام خواہ عبادت یا خدمت خلق اس طرح کیا کہ اسے یہ انتظار رہا کہ اب تک مجھے کیا ملا، اسے کبھی کچھ نہ ملا۔ جس شخص نے یہ دھیان تک نہ رکھا کہ مجھے کیا حاصل ہوا اسے سب کچھ حاصل ہو جاتا ہے۔

کشف القیور کا طریقہ تو خود مجھے بھی نہیں معلوم۔ جب مجھے کشف القیور حاصل ہوا تو مجھے اس کا وہم و گمان تک نہ تھا۔ میں نے اس کے لیے نہ کوئی Effort کی تھی اور نہ کوئی وظیفہ کیا تھا۔ بس مختلف مزارات پر حاضری دیتا رہتا تھا۔ ایک روز ایک مزار پر فاتحہ پڑھی تو دیکھا کہ قبر کا منہ کھل گیا اور صاحب قبر اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ ایک اور مزار پر گیا تو اُن بزرگ سے ملاقات ہو گئی۔ میں نے خود سے کہا کہ معلوم نہیں یہ قصہ کیا ہے، کون پرادر ہے کہ یہ سب کیا تھا؟ یوں کشف القیور جاری ہو گیا۔

ایک ملنے والے صاحب کی بیگم نے مجھ سے اپنا مسئلہ بیان کیا۔ میں اُن سے دنیاوی بات کر رہا تھا کہ اچھا کوئی صلہ لگاتے ہیں۔ اچانک میں نے دیکھا کہ ایک پرانی طرز کا چھوٹا سا گھر ہے جس کے صحن میں ایک چادر پائی تھیں۔ اس چادر پانی پر تین مرد بیٹھے ہیں جن کی Back مجھے دکھائی دے رہی تھی۔ وہ صحن میں آیا کہ یہ ان خاتون کے بھائی ہیں۔ میں نے اُن خاتون سے پوچھا "آپ کے بھائی آہلی گھر میں رہتے ہیں؟" "نہیں گئیں" "جی ہاں" میں نے پوچھا "اس قسم کا چھوٹی اینٹوں سے بنا گھر ہے" "ہاں جی ہاں" "پوچھا" "آپ کے بھائی صحن میں چادر پائی بچھا کر بیٹھے ہیں۔" انھوں نے جواب دیا "جی ہاں" میں نے کہا "آپ اپنے بھائیوں کے پاس جا کر کہیے کہ اس مسئلے کو حل کریں" وہ کہہ دیں گے۔ "کہتے گئیں" "ابھی کل تو اُن سے مل کر

آئی ہوں۔" میں نے کہا "وہ بارہو جائیے اب مسئلہ حل ہو جائے گا۔" میں کشف جاری ہو گیا۔ اس کشف کے حصول کے لیے نہ تو میں صحت کے ساتھ لگا لگا رہے تھے نہ ساتھ لگ کر اسے پوری چوبلے پر چڑھا اور نہ کسی قہر چاکر بیٹھا اور نہ دیا میں ایک ناگ پر کھڑا ہوا۔ کشف کے حصول کے لیے یہ سب کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ مجھے آج تک کوئی ایسا بندہ نہیں ملا جس نے کبھی کسی بھی قسم کے کشف (کشف خفی، کشف غیبی، کشف البقیور، کشف الصدور) کے حصول کے لیے Effort کی ہو اور ال Effort کے نتیجے میں اس کا کشف جاری ہو گیا ہو۔ ان قصوں میں نہ پڑیں، نہ صرف رب کے حصول کی جستجو میں رہے کہ رب مل جائے۔

جن لوگوں کو کشف و کرامات حاصل ہو جائیں وہ ذہنی طور پر اس بلندی پر پہلے جاتے ہیں کہ انھیں یہ سب مدار کی شیعہ بازی سے بڑھ کر کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ وہ تو اس ہر وقت اسی دھیان میں گم رہتے ہیں کہ رب میرا ہو جائے۔ جو لوگ اس دھیان اور جستجو میں رہے کہ رب میرا ہو جائے اور مجھے اپنا ہائے کشف و کرامات اُن کے راستے میں خود بخود آ گئیں۔

جن صاحب نے یہ نسخہ پوچھا ہے اُن کی خدمت میں گزارش ہے کہ سب سے تیر بہدف نسخہ یہ ہے کہ آپ رب کو اپنا بنانے کے چکر میں پڑ جائیے کہ رب میرا ہو جائے اور مجھے اپنا ہائے۔ یہ سب جی رہا تو خود آپ کو حاصل ہو جائیں گی۔ لیکن یہ بھی یاد رکھیے کہ جب آپ رب تعالیٰ کو اپنا بنائے کے چکر میں پڑ جائیں گے تو کشف و کرامات آپ کو مداری کے شعبہ سے سے زیادہ محسوس نہیں ہوں گی۔ یہ اپنی سب Value کو دیں گی۔

سوال: سید یعقوب علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد کون تھے؟

جواب: میرے مرشد سید یعقوب علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کراچی میں مقیم بابر دست دار علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ وہیں سے اُن کے سب سلسلے جاری ہوئے۔

سوال: اشفاق احمد نے کہا تھا "جب آپ پہاڑی مقام پر جاتے ہیں جہاں زمین و آسمان آپس میں مل رہے ہوں، وہاں آپ ایک دائرہ سا مکمل ہوتا محسوس کریں گے۔" اس کی وضاحت فرمائیے۔

جواب: میں نے اشفاق احمد کا یہ فرمان نہیں پڑھا لیکن میرے خیال میں انھوں نے یہ فرمایا ہو گا کہ سب آپ کسی پہاڑی مقام پر جاتے ہیں اور بلندی پر کھڑے ہو کر چاروں طرف Horizon (افق) پر نظر ڈالتے ہیں تو آپ کو ایک دائرہ سا کھینچا دکھائی دیتا ہے جسے ہم آرم میں افق اور اگر زمین کی میں Horizon کہتے ہیں۔

جب ہم زمین پر کھڑے ہو کر آسمان پر نگاہ ڈالتے ہیں تو سارے سات میل دور Horizon جب ہم زمین پر کھڑے ہو کر آسمان پر نگاہ ڈالتے ہیں تو سارے سات میل دور Horizon line دکھائی دیتی ہے۔ درحقیقت یہ ہماری نگاہ کی حد ہے۔ اگر ہم کسی بلندی پر مثلاً مکان کی چوٹی پر کھڑے ہو کر آسمان کو دیکھیں تو ہماری حد نگاہ یعنی Horizon line سارے گیارہ میل دور جھارے آہر انھیں تو

Horizon line تقریباً سارے اسی کیس میل دور دکھائی دیتا ہے۔ اشفاق احمد غالباً یہ کہنا چاہتے ہیں کہ علم کا دائرہ آپ کے اور گرد اسی طرح مکمل ہوتا ہے جس طرح افق

Horizon آپ کے چاروں طرف ایک دائرے کی صورت دکھائی دیتا ہے۔ ہم جتنا بلند ہوتے جائیں گے وہ دائرہ اتنا بڑا ہوگا اور کچھ چلا جائے گا اور آفت آبی قدر زور محسوس ہوگا۔ اسی طرح ہم جتنا علم حاصل کرتے چلے جاتے ہیں Visionary راستہ چلا جاتا ہے اور ہماری نگاہ کی وسعت بھی بڑھتی چلی جاتی ہے۔

سوال: بعض افراد کو آپ سے ملاقات کے بعد یا آپ کی کتاب پڑھ کر کچھ چیزوں کی موجودگی کا احساس یا خوف کی کیفیت ہوتی تو اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب: دنیا بھر میں جتنے ریڈیو اور ٹی وی اسٹیشنز ہیں وہ مسلسل اپنی نشریات Transmit یا Telecast کرتے رہتے ہیں لیکن اگر ہم نے اپنا Receiving set اپنی ریڈیو یا ٹیلی ویژن آن نہ کیا ہو تو ہم ان کی نشریات کو Receive نہیں کر سکتے۔ لیکن جو نبی ہم اپنا Receiving set آن کرتے ہیں اور ایک خاص فریکوئنسی پر جاتے ہیں تو وہ ریڈیو یا ٹی وی ہمیں سنائی یا دکھائی دینے لگتا ہے۔

بالکل اسی طرح ہمارے احوال پر گرد پڑی ہوتی ہے۔ بعض اوقات ہوتا یہ ہے کہ کسی شخص سے ملنے یا کوئی کتاب یا واقعہ پڑھنے سے ہمارے احوال پر جچی گرد Remove ہونے لگتی ہے اور ہمیں غیر مرئی قوتیں محسوس ہونے یا دکھائی دینے لگتی ہیں۔ اس میں اس شخص کا کوئی کمال نہیں۔

آپ اس دھوکے میں مت آئیے گا کہ اگر شاہ صاحب سے ملنے کے بعد آپ کو کچھ غیر مرئی قوتوں کی موجودگی کا احساس ہوا تو اس میں شاہ صاحب کا کوئی کمال ہے۔ یہ صرف اور صرف آپ کی اپنی روحانی کیفیات یا روحانی اعمال ہیں جن کے لیے آپ اپنے آپ کو شاباش دیجیے۔ اس دھوکے میں نہ آئیے کہ میری وجہ سے ایسا ہوا۔ انسان کسی کو اسی وقت کچھ دے سکتا ہے جب اس کے پاس کچھ ہو، میرے پاس تو سوائے گناہوں اور آلودگی کے کچھ نہیں۔ میں کسی کو کیا دوں گا۔

سوال: جب کوئی مسائل کی فقیہ کے در پر جاتا ہے تو کیا فقیہ سب کو یکساں Treat کرتا ہے یا فرق رکھتا ہے؟ کیونکہ ہر آنے والا کسی دنیاوی حاجت، حصول علم، فقیہ سے محبت، دوستی یا عشق میں ملنے آتا ہے؟ کیا فقیہ اپنے پاس آنے والے کی نیت سے واقف ہوتا ہے؟ کیا فقیہ ہر آنے والے کو کچھ نہ کچھ عطا کرتا ہے یا کسی مسائل کو خالی ہاتھ بھی واپس بھیج دیتا ہے؟

جواب: سب سے پہلے تو یہ جاننا ہے کہ اس شخص کے پاس کیا ہے کیا وہ واقعی فقیر ہے؟ میں بے تکلف دوستوں میں بیٹھا یہ بات کیا کرتا ہوں کہ تین لوگوں کا ماننا فقیر یا نامکمل ہو چکا۔

1۔ اصلی ہی

2۔ اصلی حکیم

3۔ اصلی ہونیو پتہ

اگر کوئی واقعی صحیح فقیر ہے تو وہ مسائل کو دینی دے کر بھیجتا ہے جس نیت سے وہ فقیر کے پاس آیا تھا۔ Treatment یکساں ہو سکتا ہے۔ ایک فی اکمل کے پاس صبح سے شام تک 100 مریض آتے ہیں جن کی

جسمانی کیفیات، بیماریاں اور علامات مختلف ہیں۔ اگر ڈاکٹر کو APC کی کوئی اور لال شرت دے کر شریعہ کر دے تو کوئی مریض بھی صحت یاب نہیں ہوگا۔ فقیر مسائل کو اس کی نیت کے مطابق عطا کرتا ہے۔ دینی بات فقیر پر مسائل کے احوال کھلتے ہیں یا نہیں؟

تو بھائی! اس کا جواب تو کوئی فقیر ہی دے پائے گا البتہ میں نے اپنے مرشد صاحب کو یہ کہتے ضرور سنا۔

”میاں! ہمارے پاس تو جو آدمی جس نیت سے آتا ہے، ہم اسے دینی کچھ دیتے ہیں۔“

اس سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ فقیر اپنے پاس آنے والوں کی نیت سے آگاہ ہوتا ہے۔ یہ اور بات کہ وہ مریم رکھے اور مسائل پر یہ ظاہر نہ ہونے دے۔

سوال: توفیق کیا ہے؟ کیا توفیق رب تعالیٰ سے مانگی پڑتی ہے یا یہ عطائے رب ہے؟ کیا جب اللہ تعالیٰ انسان سے خوش ہوتا ہے تو اسے نیک اعمال کی توفیق دیتا ہے؟

جواب: جب ہم اللہ کو رب کہتے ہیں تو یہ Acknowledge کر رہے ہوتے ہیں کہ تیرا یہ دعویٰ کہ تو پالنے والا ہے، بالکل سچ ہے۔

”پالنا“ اپنے اندر بہت وسیع معنی رکھتا ہے لیکن ہم اسے محدود معنوں میں لیتے ہیں کہ تو کھائے، چلائے، کپڑے دے، وہ پالنے والا ہے۔

ہماری ہر ضرورت و خواہش کو رب پورا کرتا ہے۔ یہ پالنے کے زمرے میں آتا ہے۔ جب کوئی مالک و آقا کسی شخص کو خرید کر اپنے پاس غلام رکھتا ہے تو ہر مالک و آقا اپنے ظرف کے مطابق اس غلام کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔ باظرف آقا اپنے غلام سے خدمت تولے گا لیکن اس کی چھوٹی سے چھوٹی ضرورت کا خیال رکھے گا۔ رب تعالیٰ سب سے زیادہ ظرف رکھنے والا ہے۔ وہ آقا جب اپنے بندے کو پالتا ہے تو اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھتا ہے اور اسے بن مانگے عطا کرتا ہے لیکن اس آقا کو آقا سمجھنے اور یہ Acknowledge کر لے کے لیے کہ میں واقعی تجھے اپنا آقا سمجھتا ہوں ضروری ہے کہ اس سے مانگا جائے سوال کیا جائے کیونکہ یا اس رب کا حق ہے۔

اللہ سے نیکی کی توفیق ضرور مانگنی چاہیے اور زبان سے یہ Acknowledge کرتے رہنا چاہیے۔

”اے میرے آقا میں تجھے آقا ماننا ہوں اس لیے اپنی ہر ضرورت کے لیے تیری طرف دیکھتا ہوں۔“ جب رب تعالیٰ انسان سے راضی ہوتا ہے تو اسے دین کی کچھ عطا فرماتا ہے اور جسے دین کی کچھ عطا فرماتا ہے اسے علم عطا فرماتا ہے اور جسے علم عطا فرماتا ہے اسے عقل و فراست عطا کرتا ہے جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

”مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔“

سوال: منافقت سے کیا مراد ہے؟ ظاہر و باطن کیسے ایک سا ہو سکتا ہے؟

جواب: منافقت سے مراد یہ ہے کہ انسان دل میں کچھ اور ایمان و یقین رکھتا ہو لیکن زبان سے اس کے برعکس

Opposite یعنی الٹے۔ انسان کو اپنا ظاہر باطن ایک کرنے کے لیے کوئی زیادہ مشق کی ضرورت نہیں۔ جو مل میں ہو Polite اور خوب صورت لفظوں میں دوسرے کو Convey کر دے تو آہستہ آہستہ انسان کا ظاہر باطن ایک سا ہو جاتا ہے۔

سوال: کیا فقیر کی دلہیز پر آتا باعث رحمت ہے یا عنت؟ کیا فقیر کے پاس آنے والا بھی فقیر بن جاتا ہے؟ کہتے ہیں جو فقیر کی نگاہ میں آ گیا وہ پناہ میں آ گیا۔ کیا فقیر کے پاس آنے والا اُس کی نگاہ میں آ جاتا ہے؟

جواب: فقیر کے پاس آنا رحمت ہے نہ عنت۔ اصل بات یہ ہے کہ فقیر کے پاس جانے والے کی نیت کیا ہے۔ اگرچہ جیسا انسان کسی فقیر کے پاس جائے تو کیا حاصل کر لے گا؟ کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ میری نیت تو یہ ہوگی کہ میں اس کے گھوڑوں یا پرانے باندوں کا بھرپور چل جائے یا لائری نکل آئے۔

اگر کوئی شخص فقیر کے پاس دنیاوی دُعا کرانے کے لیے جاتا ہے تو چونکہ فقیر پر فرض ہے کہ جو اُس کے پاس جائے اُس کے لیے دُعا کر دے ورنہ وہ اللہ کی نظر میں بخیل ٹھہرے گا۔ وہ اپنے آپ کو بخیلوں کی فہرست میں نہ لانے کے لیے اُس شخص کے لیے دُعا کر دے گا۔

میرنی نظر میں فقیر کے پاس جانے کا ایک فائدہ ہے۔ دنیاوی زندگی میں کامیابی و ناکامی تو چلتی ہی رہتی ہے۔ یہ زندگی کا حصہ ہے۔ اُس کے لیے تو فقیر کے پاس جانے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ یہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا کہ کسی انسان کی زندگی صرف کامیابیوں، خوشیوں، خوش حالی، صحت اور سکھ سے عبارت ہو۔ ہر انسان کی زندگی میں اچھے اور بُرے سے ہر وہ پہلو ہیں۔ دکھ، غم، غربت، بیماری، تنگ دستی، سب وہ اپنی الانف میں انجوائے کر لے گا۔ ان سے مفر کسی طور ممکن نہیں۔ اس سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ انسان فرشتہ ہو جائے لیکن پھر ہماری آزادی اور اختیار محدود ہو جائے گا کیونکہ کسی فرشتے کے پاس نہ کوئی اختیار ہے نہ اُسے کسی عمل یا فعل کی آزادی ہے وہ تو صرف اور صرف کسی پور کی طرح کمانڈو Follow کرتا ہے۔

فقیر کے پاس دنیاوی اغراض کے لیے جانے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا سوائے اُس کے کہ وہ آپ کے لیے دُعا کر دے گا۔ مالکِ رب ہے۔ یہ اُس کی اپنی مرضی ہے کہ وہ اُس دُعا کو قبول کرے یا رد کر دے۔ فقیر کا اس پر کوئی اختیار نہیں۔ جو یہ کہتا ہے کہ میں رب سے اپنی بات منوا سکتا ہوں وہ جھوٹ بولتا ہے کیونکہ رب کا بڑا ہے کہ اپنی مرضی کا خود مالک ہے۔ اُسے کوئی شخص خواہ وہ کسی بھی مرتبے پر ہو، مجبور نہیں کر سکتا۔ ہاں البتہ ایک بات ضرور ہے کہ رب جن سے پیار کرتا ہے انہیں لاڈ لڈاتا ہے لیکن یہ ٹھیکہ رب کی مرضی ہے کہ وہ لاڈ لڈائے یا نہ لڈائے۔ وہ مالک ہے اُس کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ فقیر کے پاس جا کر صرف دُعا کرائی جاسکتی ہے۔

اگر کوئی فقیر کے پاس اللہ سے قریب ہونے کے لیے جائے تو فقیر کو یہ احساس ہو جائے گا کہ یہ شخص جو بھگم بھگم سے اللہ سے قریب ہونے کے لیے علم لینے آیا ہے اس سے پیچھے درحقیقت یہ خواہش چھپی ہے کہ روحانی علم حاصل ہو جائے کہ بعد میرے دنیاوی کام آسانی سے ہونے لگیں۔ تو پھر فقیر اُس شخص کو کچھ نہیں

دیتا۔ لیکن جو شخص دُعا کو اپنا ٹھکانا اور دُعا کی حاجت پالنے کے لیے فقیر کے پاس جاتا ہے وہ اس کی نگاہ میں اُسے دُعا کی وقتی عطا ہو جائے تو فقیر اُس شخص کو ضرور علم سے قورناتا ہے۔ لیکن اُس شخص کو علم کے لئے دُعا نہیں نہیں ہوتا۔

اگر ایک خالی گلاس میں ایک قطرہ پانی نکالا جائے تو وہ اُس وقت تک گلاس سے باہر نہیں نکلے گا جب تک گلاس بھر نہ جائے۔ جب تک پانی باہر نہ پھٹکے نہیں گلاس کے بھرنے کا احساس نہیں ہوتا۔ اگر قطرہ قطرہ پانی گلاس میں گر رہا ہے تو یہ ایک سبب Process ہے۔

جب آپ فقیر کے پاس جاتے ہیں تو وہ فقیر بڑی Measured dose میں قطرہ قطرہ علم آپ کو دیتا ہے تاکہ آپ اُسے اچھی طرح Absorb کر سکیں۔ اگر وہ آپ کو Overdose کر دے گا تو علم آپ کی ہڈی میں Absorb نہیں ہوگا بلکہ ضائع ہو جائے گا۔ یہ ایک عمل اور میرا Ex Process ہے اس لیے کہ ہمارے طور پر مشہور ہے کہ عام طور پر انسان کو اس Process میں 35 سال لگ جاتے ہیں۔ جب انسان فقیر کے پاس روحانی علوم کے حصول کے لیے جائے تو پھر صبر و استقامت کا مظاہرہ کرے اور یہ سوچنا نہ کرے کہ میں پچاس بار فقیر کے پاس گیا لیکن مجھے ابھی تک کیا ملا؟ جب وہ سوچنا شروع کر دیتا ہے تو پھر اسے کچھ نہیں ملتا۔۔۔۔۔ بلکہ جو ملا ہو وہ بھی ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔

سوال: اگر کسی مقام پر نفع و نقصان کا خیال ختم ہو جائے تو وہ کون سا مقام ہے؟ حضرت بابا جی راجو امری حضرت کے قول کا مفہوم ہے کہ عمل صرف رب کے لیے ہونے کی وجہ سے لایعنی عذاب و دوزخ کے خوف سے۔ جواب: میرے خیال میں اسے قلندر کا مقام کہتے ہیں۔ قلندر کسی روحانی دور کا نام نہیں بلکہ اسلوب اور طریقہ حیات کا نام ہے۔ جہاں انسان سو دوزیاں کے احساس سے اُپر چلا جائے، اُس کی نظر نفع و نقصان پر نہ رہے بلکہ اُس کی زندگی کا مقصد رب کی دوستی اور دُعا کو کمانا ہو جائے۔ جو لوگ واقعہً اس مقام کو سمجھ سکیں اور پہنچ جائے قلندر کہلائے۔ قلندر یا عظم حضرت ملی ہیں۔

جس انسان کو یہ اسلوب زندگی عطا ہو جائے اُس سے زیادہ خوش نصیب کون ہوگا!

پُر اخلاص عبادت کے ثمرات

ایک صاحب کے گھر طریت نے کچھ اس طرح ڈیرے ڈالے کہ بچوں کو کئی دن تک کھانا نہ ملتا۔ جب کھانے بچوں کی برداشت سے باہر ہو گئے تو انھوں نے اپنے والد سے کہا کہ آپ کیسے باپ ہیں کہ ہمیں کھانا بھی Provide نہیں کر سکتے۔ ان صاحب نے اپنے بچوں سے وعدہ کیا کہ کل مزدوری پر جاؤں گا اور انشاء اللہ اتنا کھاؤں گا کہ جس سے تم سب کا پیٹ بھر سکے۔ اگلی صبح وہ بچوں سے مزدوری پر جانے کا کہہ کر گھر سے روانہ ہو گئے اور گھر کے قریبی جنگل میں جا کر نماز عصر تک مسلسل عبادت کرتے رہے۔ عصر کی نماز پڑھ کر گھر واپس آئے تو پیٹ بھوک سے جکڑ رہے تھے۔ ان صاحب نے اپنے بچوں کو دلاسہ دیتے ہوئے کہا کہ کل دوبارہ مزدوری پر جاؤں گا تو آج اور کل کی اکٹھی اجرت مل جائے گی۔ اگلے دن وہ دوبارہ صبح سے عصر تک اسی جنگل میں عبادت کرتے رہے۔ عصر کے وقت اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو حکم دیا کہ جنت سے دو کلو آٹا، دیگر اشیائے ضرورت اور وہ بزار اثریاں لے کر اس شخص کے بچوں کو دے اور فرشتے نے علم کی تعمیل کی۔ سب چیزیں بچوں کے حوالے کر دیں۔ شام کو وہ صاحب گھر آئے۔ بچوں کے چہرے پر رونق اور خوشی دیکھی، چوہا بھی گرم تھا حیرت سے پوچھا "یہ کیا ماجرا ہے؟" بچے خوش ہو کر بولے "آپ ہی نے تو یہ سب ہمارے لیے بھیجا تھا۔"

بابا فرید رحمہ اللہ صاحب نے جب یہ قصہ مریدوں کے سامنے بیان کیا تو اس کے بعد فرمایا کہ جو لوگ رزق اور دنیا کے پیچھے بھاگتے ہیں، مال دنیا ہمیشہ ان سے گریزاں رہتا ہے۔ وہ لوگ جو اللہ سے لوگ لیتے ہیں اور مال دنیا سے منہ موڑ لیتے ہیں، مال کا تباہ شدہ شوق ان کے پیچھے بھاگتا ہے۔

یہ بات بالکل درست ہے اور ہم نے یہ ہوتے دیکھا بھی ہے لیکن انسان چونکہ بے صبر ہے وہ اس پوائنٹ تک نہیں پہنچتا کہ جس پوائنٹ پر وہ واقعی سچے دل سے رب کا ہو جاتا ہے اور پھر وہ دنیا کے پیچھے نہیں بلکہ دنیا اس کے پیچھے بھاگتی ہے۔

لیکن وہ پوائنٹ ہے جہاں یہ مستعد ہو جاتا ہے کہ انسان ریا کاری اور دکھاوے سے پاک ہو کر محض رب تعالیٰ کی محبت اور اس کی قربانوں کی خاطر ہوتے ہوئے ہے۔ تب انسان اس راہ میں آنے والی تمام آزمائشوں اور Tests سے گزرنا چاہتا ہے۔ پھر رب تو متعلق ہے لیکن یہ دنیا بھی اس کے پیچھے بھاگتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس وقت تک دنیا کی قدر و قیمت اس انسان کی نظر میں نیچے ہو چکی ہوتی ہے۔

ایک دلہہ کا آکر ہے کہ جناب حسن عظیمی بابت میں تک محسوس ہے، ان کی موٹھیں بہت چمک رہی ہیں۔ راستے میں ایک قحط نے جوئی ہوئی موٹھیں دیکھ کر کہا "حضرت اگر آپ چند منٹ کے لیے جاؤ تو میں آپ کی موٹھیں تراش دوں تاکہ یہ شریعت کے مطابق ہو جائیں۔" حضرت حسن عظیمی نے فرمایا "میں ہی صبح میں تو پھوٹی گوری بھی نہیں۔" قحط نے کہا "اس کی آپ لکھ کر دیں، جب کبھی پیسے ہوں گے اسے بیچے گا۔" قحط نے جب موٹھیں تراش دیں تو فقیر چونکہ قرض سے ڈر رہا تھا کہ اس لیے حضرت حسن عظیمی کے قدموں پر روضی سے اوپر چہرہ کر کے بولے "اب میں کیا کروں؟ مزدوری کہاں سے دوں؟" ان کے یہ کہنے ہی وہ درخت جس کے نیچے نائی دکان کھانے بیٹھا تھا، اچانک زور سے ہلا اور سولے کے دیناروں کی بارش شروع ہو گئی۔ جناب حسن عظیمی نے بڑی بے پروائی سے قحط سے کہا کہ ان دیناروں کو اپنی حالت کے مطابق تقسیم کر لیں۔ کہنے کے بعد بغیر دیناروں کی طرف دیکھے وہاں سے رخصت ہو گئے۔

جب انسان آزمائش میں سے گزر کر رب تعالیٰ کی مستعد محبت تک پہنچتا ہے تو وہ کھانا کا سوچا ہے کہ سونے کے دیناروں کی قیمت بھی اس کے لیے نکلے زیادہ نہیں رہتی۔ حضرت بابا فرید رحمہ اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ رزق چار قسم کا ہے۔

1- رزق مقسوم

2- رزق مضمون

3- رزق مملوک

4- رزق موعود

1- رزق مقسوم وہ ہے جو تقدیر میں لکھ دیا گیا جس کے بارے میں حضرت علیؑ نے فرمایا تھا کہ کوئی شخص مر نہیں سکتا تا وقتیکہ وہ اپنے رزق کا آخری نوالہ تک نہ کھالے۔ رزق مقسوم مل کر رہتا ہے۔ اگر انسان دنیا بھر کی تمام کوشش کر لے تو یہ رزق زیادہ نہیں مل سکتا اور جتنا زور بھاگ لے اس سے محروم نہیں رہ سکتا۔

2- رزق مضمون وہ رزق ہے جو انسان کو کھانے پینے کی چیزوں کی صورت میں جو اس کے لیے کافی ہوں ملتا ہے یعنی (ان کا) اللہ ضامن ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے امر کریم پر نہ ہو۔" (احد: 6)

3- رزق مملوک وہ رزق ہے جو انسان جائز طریقوں سے محنت کر کے کما لے، بہت سے اگلے طبقے کے لیتا ہے۔ اس کی ملکیت میں موجود اشیاء، مائیں، رزق مملوک کے ذمے میں آتے ہیں۔

4- رزق موعود وہ رزق کی یہ قسم قدرے غلط فہم ہے۔ یہ وہ رزق ہے جس کے بارے میں وعدہ کر لیا گیا کہ پھر میں بند کئے کو بھی رزق عطا کیا جاتا ہے۔ غلط فہم اس لیے کہ تمام اہل فقر اس قسم کے رزق پر توکل کرتے ہیں کہ چونکہ میرے رب نے وعدہ کیا ہے کہ میں پالنے والا ہوں، رب ہوں اس لیے وہ

مجھے ضرور رزق دے گا کیونکہ وہ اپنی ذمہ داریاں پورے احسن طریقے سے پوری کرتا ہے۔
 ”اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ نکال دے گا اور اُسے وہاں سے
 روزِ قیامت دے گا جہاں اُس کا گمان نہ ہو۔“ (الطلاق: 2, 3)

یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے غیب سے رزق آتا ہے۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ رازق رب ہے، پالنے والا
 رب ہے۔ میں بھی کہتا رہتا ہوں کہ میرا رزق صرف میرے رب کے کنٹرول میں ہے لیکن اس کے باوجود ہم
 سبھی گمراہ رہتے ہیں کہ کُل کمال کہاں سے ملے گا؟ رزق کیسے ملے گا؟ ہم اپنے سیٹیر کی خوشامد اسی خوف سے
 کرتے ہیں تاکہ ہمارا رزق لگا رہے۔ اسی موقع کے لیے میں عرض کیا کرتا ہوں کہ

We all believe in Allah but we don't trust Him.

زبانی کہتے اور دل میں ایمان کا جو فرق ہے، جس روز وہ دُور ہو گیا اُسی روز انسان کا ایک سجدہ اُسے ہزار
 سجدوں سے نجات دلا دے گا۔ اصل کھیل اسی یقین کا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ میں سے بہت سے صاحبان
 کو یہ بات قطعی پسند نہیں آئے گی اگر میں یہ کہوں کہ ہم رب کو وظائف، تسبیحات اور چلوں میں تلاش کر کے غلطی
 کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ وظائف، تسبیحات، نمازوں اور چلوں سے نہیں ملے گا۔ رب تعالیٰ کو پالنے کا آسان
 ترین طریقہ یہ ہے کہ اُس سے پیار پال لیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ پیار مجازی ہو یا حقیقی، بہت دُشوار کام
 ہے۔ پیار صرف کھونے کا نام ہے پالنے کا نہیں۔ اگر ہم رب تعالیٰ سے پیار پالنا چاہتے ہیں تو ہمیں ذہنی طور پر
 پیار بیک کرنا ہوگی کہ سب کچھ کھانا میرا مقدر ہے۔ پیار میں انسان دے کر خوش ہوتا ہے لے کر نہیں۔ پیار میں
 حساب کتاب نہیں ہوتا۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ نے تو دوستوں کے لیے کہا تھا

حساب دوستاں در دل

لیکن اللہ کے ساتھ پیار اور عشق میں تو دلوں میں بھی حساب کتاب نہیں رکھا جاتا۔ اُن تمام چیزوں کو ترک
 کر دیا جاتا ہے جن کے بارے میں Direct یا Indirect حتیٰ کہ Round about way میں بھی
 تاچندہ کی کاغذیں رکھیں گے۔

زندگی میں ایسے لوگوں کی تلاش میرا مشن رہا جو مجھے نہ تو لہذا پر نہ کوئیں، نہ روزہ رکھنے کی تلقین کریں،
 نہ صومِ نوافل نہ شبِ بیداری کی نصیحت کریں اور نہ مجھے اپنی جیب سے کچھ خرچ کرنے کی تاکید کریں۔ بس مجھے
 کوئی ایسی تسبیح بتا دیں جو تعداد میں اتنی کم ہو کہ میں بال بابتے ہاتھ پڑھ لوں اور مجھے رب مل جائے۔

یہ تلاش آج تک جاری ہے۔ اس تلاش کا فائدہ یہ ہوا کہ مجھے ایسے حضرات مل گئے جو 35,40 سال سے
 کلمہ پڑھتے رہے تھے اور انہوں کی تعداد میں اضافہ کرتے تھے لیکن انہیں رب نہ ملا۔ جب اُن سے
 بات ہوئی کہ آپ جس رفتار سے عبادت کرتے ہیں آپ کی پوزیشن سدرۃ المنتہی تک ہو گئی ہوگی تو چٹا چاکر
 پارہائی تو انہیں مل گئی لیکن رب نہ ملا۔ لیکن جب انہوں نے عبادت اور تسبیح کو ایک جا کر لیا تو پھر وہ ذاتی
 سال میں عبادت اٹھ گئے۔

رب مل جانے کا ثبوت یہ نہیں کہ رب اُن کے ذرا جگہ روم میں آکر بیٹھا کیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ انہیں
 رب نے علم، سمجھا اور فراست عطا فرمادی جو رب تعالیٰ کے ماضی اور خوش ہونے کی علامت ہے۔

رب تو بڑی جلدی ماضی ہو جاتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ سیدھے طریقے سے اُس تک پہنچنے کی کوشش کی
 جائے۔ اس کے لیے عبادت اور تسبیح کو اُٹھنے لے کر چٹا پڑے گا۔ جس طرح سے بچہ کڑواں تو آس کی دلی
 آپ سے خوش ہو جائے گی اسی طرح رب کو راضی کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ رب کے بندوں سے پیار
 کرنا شروع کر دیں۔

ہم سب اپنی اولاد سے پیار کرتے ہیں۔ بحیثیت باپ ہم نے بھی انتہا نہیں کیا کہ ہماری اولاد ہم سے
 مدد مانگے تو ہی ہم اُس کے کام آئیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم اُسے ذرا سی تکلیف میں نہ ڈال کر تو پالھتے ہیں اور
 کوشش کرتے ہیں کہ وہ رنجیدہ نہ ہو۔

جب ہم خلقِ خدا سے رب کے لیے پیار کرتے ہیں تو ہماری نظر نہ صرف دوستوں بلکہ دشمنوں کے بھی
 حالات پر رہتی ہے۔ دشمن کو مشکل میں دیکھ کر اسے محتاط انداز میں اُس کی مدد کرتے ہیں کہ اسے نہ تکلیف ملے
 کہ کوئی اُس کی مدد کر گیا۔ اس عمل سے رب تعالیٰ بہت راضی ہوتا ہے۔ ہم نے زندگی میں یہ قہار دیکھا کہ اگر
 کسی نے کسی شخص کو دیکھ کر نادانی میں یہ سوچا کہ یہ تو انتہائی حقیر شخص ہے اس کا رب سے کیا واسطہ؟ مگر رب
 اسے عزیز نہیں رکھتا اور یہ سوچ کر اسے کوئی ایسی بات کہہ دی کہ جس سے اُس کا دل دو ٹوک گیا تو دیکھئے میں آیا کہ
 رب فوراً اُس شخص کی مدد کو آیا اور صاف پتا چلا کہ رب کو یہ بات پسند نہیں آئی کہ اُس کے گناہ گار نہ لے کو بھی
 کوئی گناہ گار کہے اور اُس کا دل دکھائے۔

رب تو اپنے بندوں سے اس قدر پیار کرنے والا ہے۔ اُسے راضی کرتا ہے تو اُس کے بندوں کو راضی
 کر لیں۔

یہ میں آپ سے کہہ رہا ہوں ورنہ میں تو آج تک ایک بھی بندہ کو راضی نہیں کر پایا۔ جو بندہ بھی مجھ سے
 ملتا ہے، مجھے بڑا بھلا کہتا ہوا جاتا ہے۔

سوال: (الف) کچھ حضرات کے مطابق اپنے نام کے حروف کی تعداد کے برابر اللہ کے نام جہاں اس تعداد کے
 برابر ہوں، Collect کر لیے جائیں تو وہ اُس شخص کے لیے اسمِ اعظم ہوگا۔

(ب) کیا آیت الکرسی میں اسمِ اعظم پوشیدہ ہے؟

جواب: اسمِ اعظم اللہ کے وہ نام ہیں جنہیں پڑھ کر اللہ کے حضور جو بھی دعا کی جائے قبول ہوتی ہے۔ ہم
 حضرات جو علم ہنر اور علمِ اعداد کے ماہر ہوتے ہیں اُن کے مطابق کسی انسان کے نام کے حروف کی
 Numerical value کو اکٹھا کر لیا جائے اور پھر اُس کے برابر اللہ کے مختلف ناموں کی Numerical
 value لے لی جائے تو اللہ کا وہ نام اُس انسان کے لیے اسمِ اعظم ہوگا۔ یہ بات درست نہیں ہے۔

آپ کو اسمِ اعظم کا پتا چل ہی جائے تو میں آپ کو Warn کروں کہ اولیاء اللہ جب ایک خاص مقام

پہنچتے ہیں تو اسم اعظم ان کے علم میں آ جاتا ہے لیکن اگر وہ اسم اعظم استعمال کر کے کوئی دُعا کریں تو وہ دُعا قبول تو ہو جاتی ہے لیکن ولایت کی غیرت سے انھیں خارج کر دیا جاتا ہے۔ عمر بھر کی کمائی راگناں جاتی ہے۔ کسی فقیر کے لیے بہت سخت سزا ہے۔ اس لیے کوئی ولی اللہ کبھی اسم اعظم استعمال کر کے دُعا نہیں کرے گا۔

ہم سب اسماعیہ کی تلاش میں رہتے ہیں۔ شیطان ہمارے دل میں ڈالتا رہتا ہے کہ اسماعیہ کا نام معلوم کرو اور اسے استعمال کر کے دنیاوی کام کرالو۔ ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ ہماری عقل و نگاہ سب ناقص ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ کون سی چیز ہمارے لیے فائدہ مند ہے۔

ایک واقعہ یاد آیا لیکن اس کو بیان کرنے کے پیچھے طبعی طور پر خود نمائی مقصود نہیں۔ ایک صاحب ہمیشہ آکر ایک ہی دُعا کے لیے خُند کرتے کہ گا زلی مل جائے۔ میں کہتا آپ یہ خُند کیوں کرتے ہیں۔ اپنی خواہش کا اظہار رب کے سامنے کریں۔ رب اتنا رحیم و کریم ہے کہ اپنے بندوں کی تمام خواہشات پوری کر دیتا ہے بشرطیکہ وہ بندوں کے مفاد میں ہوں۔ اگر اقا عرضہ دُعا میں کرنے اور کرانے کے باوجود آپ کو کرا نہیں ملی تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کے لیے یہ بہتر نہیں۔ آپ یہ دُعا کریں کہ یا اللہ! تو میرے لیے جو بہتر سمجھتا ہے، عطا کر دے۔

تین ان صاحب کی گاڑی حاصل کرنے کی خواہش فہم نہ ہو سکی۔ یہ غالباً 86-85ء کی بات ہے، ان کی رہائش کا مکان آباد میں بھٹی روڈ پر تھی۔ ان کی وائف کے بھائی جو نیدر لینڈز میں رہتے تھے، By road اپنی Left-hand drive گرولامیں بہن سے ملنے آئے جنھوں نے اپنے بھائیوں سے اپنے خاوند کے جون کا ذکر کیا۔ بھائی اچھے تھے انھوں نے گاڑی کی چابی میز پر رکھی اور میں سے کہا کہ ”ہمارے بھتیجی سے کہنا کہ یہ گاڑی ہم ان کے لیے نیدر لینڈز سے لائے ہیں۔“ وہ صاحب میرے پاس آئے اور بتایا کہ گاڑی مل گئی ہے۔ میں نے کہا ”اللہ اسے آپ کے لیے مبارک کرے اور خوشیوں کا باعث بناوے۔“ دو روز بعد Weekend آگیا۔ ان دنوں ابھی موٹرے نہیں ہاتھا۔ انھیں اسلام آباد جانا پڑ گیا۔ نئی کار کے شوق میں انھوں نے ابھی ساتھ ہولیا۔ کالا شاہ کاکو کے قریب Left-hand drive گاڑی ہونے کی وجہ سے انھیں غائب لیتے ہوئے دوسری گاڑی کا پتہ نہ چلا۔ اتنا خطرناک ایکسڈنٹ ہوا کہ ان صاحب اور ان کے بیٹے کا موقع چاقاقل ہو گیا۔

ان کی وفات کے کافی عرصہ بعد ایک خاتون میر سے پاس آئیں اور شوہر اور بیٹے کی وفات کا ذکر کیا تو میر نے ذہن میں ایک دم Flash آکر کہیں یہ انہی صاحب کی واکف تو نہیں۔ میں نے کفرم کرنے کے لیے چہچہا کیا آپ کی رہائش بنگلہ کی روڈ پر ہے؟ انھوں نے اثبات میں جواب دیا تو میں نے کہا "بی بی! عجیب بات ہے کہ میں انھیں کار حاصل کرنے کی خواہش ترک کرنے کا کبھی نہ رہا۔" ہمیں معلوم نہیں جوتا کہ کسی خواہش کا پورا نہ ہونا پسند کیا ہے۔

ای طرح ایک واقعہ پیش آیا جس پر ایک پورے Page کا آئینہ بھی اخبار میں چھپا۔ ایک صاحب کی

ساجزادی کے تھان کے عالم تھا۔ بات Engagement تک پہنچی لیکن میں سے کہا کہ تاج نہ کیجیو گا۔ مجھے تو انھوں نے کہہ دیا کہ ٹیک ہے لیکن Engagement اسے دل میں تاج کر دیا۔ تاج کے دن ان بھڑ شہر کا انتقال ہو گیا۔

ہم نہیں جانتے کہ ایک خواہش کی تکمیل کے لیے کچھ کیا چیزیں ہوتی ہیں۔ اس لیے ہم کسی خواہش کو پورا کرنے کے لیے اسم اعظم استعمال نہ کریں۔ اگر اللہ ہمارا کوئی کام نہیں کرے تو حیرت و غور سے دیکھیں کہ اللہ کی کیا چیزیں ہیں جو اس کے کام نہ کرے؟ اس لیے اسم اعظم کی کریمہ چھوڑ دیجیے۔

آپ ایسا کیوں نہیں کر لیتے کہ رب کو درد سے بکا دیجے۔ بخدے کا رب کو درد سے بکا دیجی آپ کے لیے اسم اعظم ہے۔ یہ ہونی نہیں سکتا کہ تب رب بندے کی طرف متوجہ نہ ہو۔ ہم اپنی آن آؤ اسم اعظم کیوں نہیں بتا لیتے!

اسمِ اعظم کی کرپید نہ کیجیے۔ رب کے ساتھ کرشل رشتہ نہ بنائے جسے کہ میری تمام عبادت کا مقصد یہ ہے کہ
میرا یہ کام کر دے۔ یہ فرض پوری کر دے۔

آپ کبھی کسی مزار پر جا کر لوگوں کو دعا کرتے سنے۔ چار چھ مہینوں بعد شاید ہی کوئی ایسا شخص ملے جو دعا لے فریاد کر رہا ہو! یا اللہ! میں نے ساری عمر یہی سرکشی کی، تیرے احکامات سے ڈر جاتا رہا لیکن تو کتنا رحیم و کریم ہے کہ ہمیشہ میری اُن تمام حرکتوں سے صرف نظر کیا ہے۔ میں تیرے سامنے آتے ہوئے شرابا بھی ہوں اور ڈرتا بھی ہوں کہ کیا منہ لے کر تیرے سامنے آؤں گا۔ تو بڑی شرم و حیا والا ہے۔ لوگوں کے پردے دکھاتا ہے۔ ٹواپی اس صفت کے بدلے میری تمام سیاہ کاریوں اور سرکشی کو معاف فرماتا ہے۔"

رب تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق Commercial transaction سے دور کریں اور اس کے ساتھ Purely آقا اور نظام، رب اور بندے کا تعلق قائم کریں۔

ہم یا کم از کم میں ہر وقت رب سے فرمائش کرتا رہتا ہوں۔ مثلاً کہتا ہوں اے اللہ! اسنے میں کہا ہے کہ پٹرول کی قیمتوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ تو میری خواہ ہو جاتا کہ پٹرول کا خرچ ہو یا ہو سکے۔ لیکن میں یہ کیا بھول جاتا ہوں کہ یارب اتنی بڑی مہربانی، تو پیدا کرے گا کہ آج تک مجھے اپنا کارباج تک مجھے ملے گا۔ یہ کہ اپنے کروتات تو دیکھو۔ کیا منہ لے کر فرمائش کرتے ہو مجھ سے۔ رب بند۔ کہ کچھ نہیں جانتا کہ اور فرمائش کر دیتا ہے۔ رب تو وہ ہے جو میں مانگے مٹا کر دیتا ہے۔

ہم میں سے ہر آدمی اگر اپنی زندگی کو کھانکے لے کر پھرتا چلا ہے کہ ہم تو چند چڑیا ہی رہے ہیں۔ ہم
ہمیں بے حساب رزق عطا کرتا رہا اس نے ہمیں وہ نعمتیں بھی عطا کیں جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھیں۔ کیا
ہی اچھا ہوا اگر ہم اس سے اس کی بندگی، اطاعت اور غلامی مانگ کر ہیں۔ "واللہ انو میں تو فیض علی دے گا ہم
تیرے سچے بندے بن جائیں۔ ہم تیری کچی بندگی کر پائیں اور کبھی ہم تجھے لڑنا رہے کہ تیری عبادت کر لیں۔"

رب نے تو پالنے کا وعدہ اور دعویٰ کر رکھا ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ رب اپنے وعدے کا بہت سچا ہے۔ وہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ ہم پھر رب سے وہ کیوں مانگتے رہتے ہیں جس کا وہ وعدہ کر چکا؟ کیا ہمیں اپنے رب کے وعدے پر یقین نہیں؟

بہتر ہے کہ ہم Commerical transaction کے بجائے رب کے ساتھ آقا اور غلام کا رشتہ جوڑ لیں۔ غلام کی تمام ضروریات پوری کرنا آقا کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ جب ہم رب کے ساتھ ایسا تعلق جوڑ لیں گے تو ہم دنیاوی خواہشات کے پیچھے بھاگنے اور انھیں ہر حال میں پورا کرنے کے لیے اسم اعظم کی کرید میں رہنا چھوڑ دیں گے۔ پھر ہمارے چہروں سے ایسا اطمینان جھلکے گا جو اولیائے کرام کے چہروں پر ہوا کرتا ہے کیونکہ انھیں یقین ہوتا ہے کہ میرا رب موجود ہے۔ وہ میری دیکھ بھال، نگہداشت اور حفاظت کرے گا۔ میرے سارے کام تو رب کے ذمہ ہیں۔ پھر مجھے کس بات کی فکر!

جب انسان سچے دل سے یہ سوچ لیتا ہے تو اس کے اندر اور چہرے پر ہر وقت سکون رہتا ہے۔

سوال: مایوسی کفر ہے یا گناہ؟ بعض اوقات خواہشات یا دعائیں پوری نہ ہونے کی وجہ سے انسان مایوس ہونے لگتا ہے؟ مایوسی سے بچنے کا آسان راستہ کون سا ہے؟

جواب: مایوسی سے بچنے کا آسان ترین راستہ یہ ہے کہ رب کے ساتھ دل سے تعلق قائم کر لیا جائے اور وہ تعلق قائم کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ کسی بھی رات عشاء کی نماز کے بعد دو نفل نماز پڑھ کر رب سے کہیں ”یا باری تعالیٰ! آج سے میں نے اپنا آپ، اپنی اولاد، اپنے Dependents اور اپنے معاملات سب تیرے سپرد کر دیے۔ اب میرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ تو ان سب کو میرے بہترین مفاد میں حل کر دے گا۔“ اپنے تمام مسائل، پریشانیوں، فکریں، غمیں میں باندھ کر رب کے حوالے کر دیں اور پھر ان سے لا تعلق ہو جائیں۔ اس کے بعد اپنی مقدر و محروم کو بخش کر رہیں اور نتائج کو بھلا دیں۔ مڑے سے سنی بجاتے رہیں۔ رب جو غلط کرے، اسے اسے خوش دلی سے قبول کر لیں۔ ہر حال میں ہستے اور قیقبے لگاتے رہیں یہ سوچ کر کہ یہ میرا تو پرالہم ہی نہیں ہے، یہ تو رب کا پرالہم ہے۔ جب آپ ایسا کر لیں گے تو آپ پر یقین تو ذرا کی بات ہے کوئی رنجیدگی بھی قریب سے نہیں گزرے گی لیکن شرط یہ ہے کہ رب کے ساتھ یہ تعلق ایمان داری سے قائم کیجیے گا۔

Personality Grooming

اسکائیکس اور سوشلزم جیسے مضامین لوگوں کے صدیوں پر محیط تجربات کا مجموعہ ہیں۔ سماجیان علم و معیت نے ان تجربات کو اکٹھا کیا کہ پچھلے سو بڑے سو سال میں کن اقدامات کے کیا نتائج مگر تب ہوئے۔ ان اقدامات کو انھوں نے بطور Principle اپنا لیا۔ جب یہ Principles پر مبنی طرح Develop ہو گئے تو انھیں Scientific lines پر اکٹھا کر کے کتاب کی شکل دے دی گئی۔ کسی کتاب کا نام Fundamentals of Economics تو کسی کا Principles of Economics رکھ دیا گیا۔ یوں یہ علوم وجود میں آ گئے۔ Development کا سلسلہ جاری رہا۔ آپ دیکھیں کہ امریکہ اور کینیڈا میں بزنس ایڈمنسٹریشن نے 40's میں جنم لے لیا تھا۔ یورپ میں یہ علم 50's میں آیا۔ وہاں کی چند یونیورسٹیاں بزنس ایڈمنسٹریشن پر حتمی تھیں لیکن تب اس کی شکل وہ نہیں تھی جو آج ہے۔ 60's میں یورپ میں بزنس ایڈمنسٹریشن کے دو Major ہوتے تھے۔ ایک Finance اور دوسرا Marketing۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ Specialisation میں آ گئے۔ پروفیسر میری اور پروفیسر پیٹر ہوکر جیسے لوگوں نے اس میں بہت کام کیا اور Specialisation کو راہ دی جس کی وجہ سے اس Discipline یعنی بزنس ایڈمنسٹریشن میں بے شمار سمجھ بگڑے آئے۔ آج یہ عالم ہے کہ بزنس سے متعلق کوئی بھی Discipline ہو اس کا کوئی نہ کوئی سمجھ ضرور ہوتا ہے۔ طالب علم مختلف Subjects پڑھتا ہے لیکن Major emphasis کسی ایک خاص Subject پر ہوتا ہے۔

جب کارپوریٹ فکچر نے دنیا میں بہت زور پکڑا اور کارپوریٹ فکچر کے حوالے سے مضامین پر تحقیق ہوئی اور انھیں Major کا نام دیا گیا۔ اس تحقیق کے دوران یہ پہلو سامنے آیا کہ اگر ایک عام آدمی کو فوجی وردی پہنا دی جائے لیکن فوجی کی مخصوص ٹریننگ نہ دی جائے اور اس کے Common sense, aptitudes, natural knacks اور Intelligence level پر یہ بات چھوڑ دی جائے کہ وہ انتہائی حساس، Sophisticated، سچییدہ اور جدید ترین ہتھیار کو اپنی صواب دید کے مطابق استعمال کر لے پھر سب دو عام آدمی ایسے ہتھیاروں کو اپنی صواب دید کے مطابق استعمال کرے گا تو مطلوبہ برکت نہیں آئے گا۔ اس لیے زور اس بات پر دیا جاتا ہے کہ Weapon خواہ زیادہ Sophisticated نہ بھی ہو لیکن ہتھیار چلانے والے کی ٹریننگ بہت اعلیٰ پائے کی ہونی چاہیے تاکہ وہ اس Weapon سے Maximum کام لے سکے۔ اس

لیے اٹھائے جب ان سسٹمز، Politicians، پرنسپلز، Psychiatrists اور سائیکالوجس پیدا کیے تو اس بات پر بھی زور دیا کہ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد کی ٹریننگ کا اہتمام کیا جائے اور وہ پریکٹیکل لائف میں سکھے ہوئے علوم پر صحیح طرح عمل نہیں کر پائیں گے۔ جب ان خطوط پر کام شروع ہوا تو ریسرچ کی گئی کہ کون سے لوگ زندگی میں زیادہ کامیاب ہوئے، کون سے لوگ کم کامیاب ہوئے اور کون لوگوں کی زندگی میں Failures آئے۔

ریسرچ بیش Open mind کے ساتھ کی جاتی ہے، کبھی Fixed notions کے ساتھ نہیں کی جاتی۔ جو ریسرچ Preconceived آئیڈیاز کے ساتھ کی جائے اُس کے زلزلے کبھی درست نہیں آتے۔ ایسی ریسرچ پرانے کے تحقیق کے آئیڈیاز کا رنگ غالب ہوتا ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ جج نے جو آرڈر پاس کیا ہے

He has taken a myopic view.

اگر Fixed notion والا آدمی ریسرچ کرے گا تو اُس ریسرچ سے برآمد شدہ نتائج Myopic ہوں گے۔

جو لوگ بہت کامیاب ہوئے Averages رہے یا ناکام ہوئے اُن پر ریسرچ کے بعد پتا چلا کہ اُن سب Knowledge تقریباً یکساں ہی تھا، Academically وہ ایک دوسرے سے بہتر ہی تھے لیکن ناکام لوگوں کی Personality کا کامیاب لوگوں کی نسبت مختلف اور کم بہتر تھی۔ ریسرچ سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ بعض اوقات ایسے لوگ بھی ناکام ہوئے جن کی پرسنلٹی Overimposing تھی۔ اُن کی شخصیت (Personality) کے بوجھ کے نیچے لوگ دب گئے۔

کسی بھی آرگنائزیشن کی ترقی میں محض افراد نہیں بلکہ پوری ٹیم کام کرتی ہے۔ اگر ٹاپ پر بیٹھا ہوا آدمی Overimposing personality کا مالک ہے تو اُس کے ماتحت کام کرنے والوں کی Innovation اور Imagination ختم ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر وہ آدمی ناپسندیدہ عادات و اطوار کا مالک ہے تو اُس کے ماتحت بہتر کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کریں گے۔

They will not put in their best.

حریت تحقیق کے بعد یہ پتا چلا یا گیا کہ کون سے لوگ کم Knowledge رکھنے کے باوجود زیادہ کامیاب ہو جاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ تحقیق ایک نئی سائنس "Personality grooming" کے نام سے سامنے آئی۔

مجھے اور آپ کو یہ اندازہ نہیں ہوگا کہ جو Head of state کی پرستار کن انداز میں خطاب کرتا نظر آتا ہے، اس پر کتنی محنت کی گئی ہے۔ خود میرے ایک گویک کو جنرل فیاض کی Personality grooming کے لیے امریکہ سے ہوا گیا تھا اور وہ میری معاوضہ پر انھیں یہ کام سونپا گیا تھا۔ آپ کو جو بات بتانے لگا ہوں اس سے پتا چلے گا کہ کس طرح کوئی شخص دل میں اتر جاتا ہے یا دل سے اتر جاتا ہے۔ جنرل فیاض جب شروع میں دل پر تھکرے کے لیے آتے تو تقریر کے دوران ہانک کے ایک حصے کو ہار دیکھ جاتے۔ ایک لیڈر

پبلک کو Address کرتے ہوئے جب ایسا کرتے تو یہ انتہائی ناپسندیدہ عادت قرار پاتی ہے۔ میرے Colleague ان کو ٹریننگ دیتے تھے کہ دورانِ تقریر ہاتھوں کی Movement کتنی ہونی چاہیے، ہانک کہاں اختیار کرنا ہے، الفاظ کی ادائیگی میں کہاں Stress اور کہاں Pause دینا ہے۔ مشکل تھا اور کرتے ہوئے جولا شعوری طور پر ناک کھجاتے تھے اُس کو کیسے کنٹرول کرنا ہے۔ تمام Heads of state کی ٹریننگ کے لیے پروفیشنلز باقاعدہ Hire کیے جاتے ہیں تاکہ اُن کی پرسنلٹی پبلک کے لیے Acceptable ہو جائے۔ اسی طرح Large size میں پیش کش کیا گیا ہے سینئر ایگزیکٹوز کی Personality grooming کے لیے اپنے دفاتر میں ٹریننگ کا اہتمام کرتی ہیں یا انھیں اُن کمپنیوں کے دفاتر میں بھیج دیا جاتا ہے جہاں اس حد تک Personality grooming کی جاتی ہے کہ ملٹی نیشنل کمپنی کے ایگزیکٹوز کس سطح اور کس رنگ کا ڈریس پہنیں گے، بالوں کا سٹائل کیسا ہوگا، نشست و برخاست کا انداز کیا ہوگا وغیرہ۔

Personality grooming ہے کیا؟ اُس کی مختصر اور سادہ ترین تعریف یہ ہے۔

"کسی انسان کی شخصیت کو all-impressive, enforceable, effective Charismatic بنانا۔"

ذوالفقار علی بھٹو کی Personality بڑی Charismatic تھی۔ آپ Recall کریں کہ محض صاحب کس طرح کا ڈریس پہنتے تھے۔ اُن کے بارے میں Officially remarks تھے کہ وہ دنیا کے سب سے زیادہ خوش لباس (Well dressed) ہیڈ آف ٹیمٹ ہیں۔

صدر ایوب کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ وہ دنیا کے سب سے زیادہ Handsome ہیڈ آف ٹیمٹ ہیں۔ بھٹو کی کامیابی میں نوے فی صد اُن کی Charismatic personality کا دخل تھا۔ محض صاحب پر پبلک میٹنگ میں مختلف ڈریس پہننے، اُن کی ہاتھوں کی Movement، گفتگو، اور Body language کسی بھی علاقے کے کلچر، روایات اور ہاں کے باسیوں کے مزاج کے مطابق ہوتی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بہت سے لوگوں کے دلوں میں اتر گئے۔

Personality grooming مختصر Subject ہے۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں کے سینئر ایگزیکٹوز کی ٹریننگ عموماً تین ہفتوں میں ہو جاتی ہے۔ Personality grooming میں بنیادی چیز Confidence ہے لیکن Confidence تموار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے۔ ایک Overconfident انسان Acceptable نہیں ہوتا۔ لوگ اُس سے دور بھاگتے ہیں۔ اگر کسی انسان میں Confidence کم ہے تو بھی لوگ اُسے پسند نہیں کریں گے۔

ایک صاحب سائیکالوجسٹ کے پاس گئے کہ میں inferiority complex (مساس کمزوری) کا شکار ہو گیا ہوں۔ سائیکالوجسٹ ایک مہینے تک اُن صاحب کے ساتھ رہنا نہ سمجھنے لگے۔ سٹوڈنٹ کے sitting کرتے رہے اور آخر ایک روز کہنے لگے "جناب! میں آپ کی نفسیاتی گرہ تک پہنچ گیا ہوں۔ آپ inferiority complex کا شکار نہیں بلکہ ہیں ہی inferior۔ ہمارے معاشرے میں بچے کو Confident نہیں ہونے

Write

ماتر

Intent

قدرت

ماتر

ہوئے

بشکل

ماتر

ماتر

ہوئے

ماتر

ہوئے

ماتر

ماتر

ماتر

ماتر

یا جانتا۔ جو نیچے پچھلوں کے بل پٹے اور چیزوں کو ہاتھ لگنے لگتا ہے تو اسے فوراً ایک آواز سنائی دیتی ہے۔
نہیں۔ نہیں۔ یہ نہیں کرنا۔ "یوں وہ بچہ Warning کے سوا کچھ سنتا ہی نہیں۔ نتیجہ یہ لگتا ہے کہ اس میں
Confidence فہم ہو جاتا ہے اور وہ اپنی مرضی سے کچھ کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ اس کا نقصان یہ ہوتا ہے
کہ وہ اکثر گڑبگڑنا کو Face نہیں کر پاتا یا جھوٹ بولنا سیکھ لیتا ہے۔

شرارت کرنا بچے کی فطرت ہے۔ ماں باپ جب اسے شرارت نہیں کرتے دیتے اور جو نیچے وہ شرارت
کرتے لگتا ہے تو فوراً کہتے ہیں "No" تو بچہ چپ کر شرارت کرے گا اور یہ رویہ اس کی Personality میں
جھوٹ کو راہ دے گا۔ جب وہ پختہ لائف میں جھوٹ بولے گا تو لوگوں کے نزدیک نا پسندیدہ ٹھہرے گا۔
یاد رکھیے! Personality grooming میں خود اعتماد (Confident) ہونا پہلا قدم ہے لیکن اگلا
قدم Dependable or reliable ہوتا ہے۔ لوگ یہ سمجھیں کہ مصیبت کے وقت ہم اپنا Weight اس
پر رکھ سکتے ہیں۔ وقت ضرورت یہ اپنے شولڈر کو ہم سے ذور نہیں کرے گا۔ وہ بچہ جسے ہم ہر دو قدم پر "No" کی
کمانڈ دیتے ہیں وہ یا تو جھوٹ کی راہ پر چلے گئے گا یا احساس کمتری کا شکار ہو جائے گا۔ اس لیے بچے کو بچپن
قی سے Fair amount of confidence ضرور دیں تاکہ اس کی شخصیت خوب صورت اور متاثر شکن
بن سکے۔

ہم UK جا کر انگریزوں کے Systems کو Study کرتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ کس طرح ایک کروڑ
20 لاکھ آبادی والے ملک نے 20 کروڑ آبادی والے ملک پر حکومت کر لی۔ چند انگریز اس ملک میں آئے اور
انھوں نے 40 گنا (انگریز States بھی شامل کر لیں تو 100 گنا) بڑے ملک کو کنٹرول کر لیا۔
اگر ہم ان کے طرز حیات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انگریز کبھی اپنے بچے کو یہ نہیں کہے گا:

No, don't do it!

وہ اپنے بچے کو نا پسندیدہ حرکت کرتے دیکھتا ہے تو کہتا ہے۔

O' you have done wonderful. I think you could have
done it better.

انگریز پہلے بچے کو Encourage کرتا ہے پھر آتے Further improve کرنے کی ترفیب دیتا
ہے۔ مثلاً چھالی میں ہاتھ ڈالنا ہے تو باپ ڈالنے اور No کہنے کے بجائے کہتا ہے:

You did something good, I appreciate, but I think we
can do it better.

ساتھ ہی وہ سال پانی میں ہاتھ ڈال دیتا ہے۔ اس رویے کا نتیجہ یہ لگتا ہے کہ بچہ "No" نہیں سیکھتا۔
حتیٰ کہ ان کا تیس سال کا بچہ اس قدر Confident ہوتا ہے کہ ہمارے بچے بھی اسے خود اعتماد نہیں
ہوتے۔ بچے کی ان غلط پرفارمنس کا نتیجہ یہ لگتا ہے کہ وہ زندگی کے کسی بھی مرحلہ پر صحیح پلے ہوئے
نہیں ہوتے۔

ایک زمانہ میں جو میرے نمبر 2 تھے، عارف عالم، ان کی والدہ ماجدہ جیسے اور والدہ عظیمہ جیسے
پاکستان کے آئی جی پولیس تھے۔ نماز جمعہ کے لیے دفتر میں دو گھنٹے کا وقفہ ہوتا۔ میں نماز پڑھ کر دفتر واپس
آ رہا تھا کہ عارف عالم کو سامنے سے آتے دیکھا۔ عارف عالم نے اپنے انگریزی کی لب و لہجہ میں پوچھا

Hey Mr. Shah! How are you?

Where are you coming from?

میں نے مختصر جواب دیا:

Mosque.

انھوں نے کہا:

Offer you a glass of juice please.

میں نے کہا۔ ٹھیک ہے۔ جوس پیتے ہیں۔ دل میں سوچا کہ میں Pay کروں گا۔ میں نے اپنے لیے
جوس منگوایا اور انھوں نے گھڑا نما برتن میں بیٹر منگوائی اور پیتا شروع ہو گئے۔ میں جب انھیں یاد دلاتا کہ ہم
مینٹنگ کے لیے لیٹ ہو رہے ہیں تو وہ کہتے

One minute, Mr. Shah.

وہی ہوا۔ ہم لیٹ ہو گئے۔ سو اٹھ بجے مینٹنگ ہال میں پہنچے تو مینٹنگ شروع ہو چکی تھی۔ میں نے
معذرت کی

I am sorry Sir I am late.

باس نے مجھے تو کچھ نہ کہا لیکن عارف عالم سے استفسار کیا کہ آپ کو جمعہ کی نماز پڑھتے ہوئے رہے ہو؟
عارف عالم نے جواب دیا:

No Sir! I did not offer my Juma prayer.

I was sitting in a bar, having beer.

عارف عالم کا جواب سن کر میں سوچا رہا کہ اگر باس نے یہی سوال مجھ سے کیا ہوتا تو میرے اندر اتنا
حوصلہ نہ تھا کہ بتا سکتا کہ میں تو جمعہ کی نماز پڑھنے گیا ہی نہیں بلکہ بار میں بیٹھا شراب پیتا رہا۔
عارف عالم کو یہ جرأت اس کے بچپن نے دی تھی کہ وہ منافقت کا رویہ اپنانے کے بجائے سچ بولے۔
ایسے لوگ زندگی میں بڑے Dependable اور Reliable کہلاتے ہیں۔

اگر بچوں کو بات بات پر ڈالنے اور No, don't do it کہنے کے بجائے Positive way اختیار
کرتے ہوئے زیادہ بہتر کام کر کے انھیں دکھا دیا جائے تو نہ صرف اسے زیادہ بہتر مل جائے بلکہ
اس کے اندر Confidence بھی پیدا ہوگا اور اس کا ظاہر باطن بھی ایک ہی ہو جائے گا۔ جس کی وجہ سے
وہ بڑے حوصلے اور جرأت سے سچی اور اصل بات لوگوں سے کہہ پائے گا اور ان کی نظر میں
Dependable اور Reliable قرار پائے گا۔

Personality grooming میں دوسرا اہم عنصر یہ ہے کہ "لوگوں پر تنقید نہ کریں"۔ دوسروں کی خامیوں اور غلطیوں کو دیکھ کر ہم تنقید نہ کریں بلکہ Accept کر لیں کہ یہ بھی میری طرح کا انسان ہے۔ میری طرح اسی میں بھی خوبیاں اور خامیاں موجود ہیں۔ جس طرح لوگ مجھے برداشت کرتے ہیں میں بھی اسے برداشت کروں۔ جب انسان دوسروں کی خامیوں کو اجاگر نہیں کرتا، انھیں تنقید کا نشانہ نہیں بناتا تو وہ لوگوں کے نزدیک بڑا پسندیدہ شخص کہلاتا ہے۔

ہمارے معاشرہ میں ایک اور رویہ بڑا عام ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر گلہ شکوہ کرنا ہمارا معمول ہے۔ ماہرین تعلیمات کا کہنا ہے کہ اگر آپ اپنی شخصیت کو خوب صورت اور اپنی زندگی کو پرسکون بنانا چاہتے ہیں تو گلہ شکوہ کرنا چھوڑ دیجیے۔ اگر ایک شخص غم نہ دینے کے باوجود مقررہ وقت پر نہیں پہنچ پاتا تو اسے دیکھتے ہی گرجنے برسے کے بجائے نرم رویہ اختیار کریں۔ بجائے یہ کہنے کے کہ "تم نے مجھے اتنی دیر سڑک کنارے انتظار میں کھڑے رکھا" یہ الفاظ نگین "شیریت تو تھی کہ تم وعدہ کے باوجود نہ پہنچ سکے۔ تم تو وعدہ کی پاس داری کرنے والے انسان ہو۔" آپ کے اس رویے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگلی مرتبہ وہ اپنے وعدہ کی پابندی کرتے ہوئے وقت پر آئے گا۔

Personality grooming میں زبان کو گلے شکوے سے محفوظ رکھنا تیسرا عنصر ہے۔

چوتھا نکتہ یہ ہے کہ انسان کی شخصیت کو Impressive بنانے میں لباس بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ لباس ہم وہ پہنیں جو ہماری Physique کو Suit کرتا ہے۔ ایسا لباس ہماری پرسنلٹی کو Enhance کر دے گا۔ جس آدمی کی نظر ہم پر پڑے گی اس کے دل میں خوشی کا احساس پیدا ہوگا۔

لباس ہمارے جسم کی ساخت کے مطابق ہونا چاہیے۔ اچھے فیلر کی پہچان یہ نہیں کہ اس کی Stitching اور سٹیل کپڑے کی تراش خراش اچھی ہو بلکہ اچھا فیلر آپ کے جسم کے مطابق کپڑا ایسا ہے۔ اگر جسم بے ڈھب ہو گیا ہے، مثلاً بیٹہ کو پینٹ بڑھ کر Cylindrical ہو گیا ہے تو فیلر کپڑا ایسے وقت اس بات کا خیال رکھنے کا کہ پینٹ Cylindrical دکھائی دینے کے بجائے Slim اور Smart دکھائی دے۔

لباس کی مناسب تراش خراش کے ساتھ ساتھ اس کے رنگوں کا انتخاب بھی بہت اہم ہے۔ Light colours دکھائی دینے والی اور خوشی کا احساس دلاتے ہیں۔ گہرے رنگ انسان کے اندر مٹی کا احساس پیدا کرتے ہیں۔ اگر ایک بوسے کمرے کی دیواریں آپ نے گہرے رنگ سے Paint کر دی ہیں تو یوں لگے گا کہ جیسے دیواریں آپ کی طرف دھڑی چل آ رہی ہیں۔ اسی طرح اگر ہم نے مرد یوں میں گرمیوں کے رنگ، گرمیوں میں سردیوں کے رنگ یا بہار میں خزاں کے رنگ پہنے ہوں تو دیکھنے والے کی آنکھوں پر ہمارا دودھ نہیں بارہو جائے گا۔

Personality grooming میں الفاظ کا چناؤ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ پانچواں نکتہ یہ ہے کہ ہم اپنے الفاظ کے انتخاب میں محتاط رہیں۔ ہمارے ایک گریڈ 22 کے مضمون ہماری فہمیری میں آنے سے پہلے فہمیری آف ماسٹرس اینڈ ڈیپلومی میں فیڈرل سیکرٹری تھے، کراچی نوڈ پر آئے ہوئے تھے۔ ہم بھی وہیں تھے۔ ایک

افسر نے پوچھا "سر آپ رات کراچی میں ٹھیکیں گے؟" اب میرے جیسے انسان کا جواب تو یہ ہوتا کہ میں نہیں لوگوں کا تم نے ابھی تک میری جنگ اپنی نہیں کرائی! لیکن ان افسر نے بہت خوب صورت جواب دیا "Well, I think, I should look into the possibility of staying in Karachi over night."

جو بات چند لمحوں میں کہی جا سکتی تھی، انھوں نے ایک طویل سانس میں کہی۔ یہ ایسا انداز گفتگو ہے جس میں قطعیت نہیں، دو ٹوک انداز نہیں۔

میں نے دیکھا ہے کہ پڑھے لکھے لوگ ہماری طرح دو ٹوک انداز میں نہیں کہتے۔

Will you do it?

بلکہ دو نام لے کر مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

Mr.... I think, you may consider doing it for me.

یا یوں کہتے ہیں۔

I think, you may like to consider it doing for me.

ایک متاثر کن شخصیت کا مالک انسان الفاظ کے چناؤ کا بہت وحیانی رکھتا ہے۔

چھٹا نکتہ۔ Personality grooming کے دوران اس بات کا بھی بہت خیال رکھنا چاہیے کہ ملاقات کے وقت بلاوجہ بے تکلفی کا اظہار نہ کیا جائے۔ ہم جن سے بھی ملیں، خاص طور پر سینئر لوگ (قوم اور عمر میں سینئر ہوں یا دنیاوی عہدہ میں) ان سے غیر ضروری بے تکلفی کا مظاہرہ نہ کریں۔ یہ اس قدر بڑا پسندیدہ حرکت ہے جو ہماری Personality کو مزید پرلے جاتی ہے۔

آپ نے خود بھی محسوس کیا ہوگا کہ کوئی صاحب آپ سے دوسری یا تیسری بار مل رہے ہیں، ذرا سے بات پھیلاتے ہوئے بڑی بے تکلفی سے بات چلتے ہیں، کیا حال ہیں آپ کے؟ کہتے ہوئے انتہائی گرم جوش اور بے تکلفانہ انداز میں آپ سے بغل گیر ہوتے ہیں اور آپ دل میں عجیب احساسات لیے سوچ رہے ہوتے ہیں کہ میں تو انھیں زیادہ نہیں جانتا۔

ہمیں اپنی بے تکلفی کا کیولر Appropriate رکھنے کے لیے Conscious رہنا چاہیے کیونکہ بہت Reserved انسان بھی پسندیدہ نہیں ہوتا اور بہت بے تکلف انسان بھی زیادہ پسند نہیں کیا جاتا۔

ساتواں نکتہ۔ خوبیت سے ڈور رہنا بھی Personality grooming کا اہم حصہ ہے۔ ہم کسی کی فہمیری موجودگی میں وہ بات نہ کہیں جو ہم اس کے سامنے نہیں کہہ سکتے یا ہم اس کے سامنے وہ بات کہیں تو اس کی ہڈیاں ڈکھ۔ پرسنلٹی گرومنگ کی سائنس تو پچھلے 25,30 سال میں Develop ہوئی تھی آپ سمجھتے ہیں؟ یہ تمام باتیں چودہ سو سال پہلے نہ صرف جان فرمائیں بلکہ Exercise بھی کہیں۔ آپ سمجھتے ہیں؟ خوبیت سے صح فرمایا، اٹھنے بیٹھنے، گھر میں داخل ہونے کے آداب سکھائے کہ اگر آپ کسی کے گھر جائیں اور تین بار درخت دینے کے باوجود اندر سے جواب نہ آئے تو واپس آ جائیں اور اس بات کو مانگ نہ کریں۔ آپ سمجھتے ہیں؟

اور لباس کی سلائی پر بہت زور دیا۔ ایک اور بات جو بہت کم سامنے آئی لیکن جس کی آپ سید محمد طاہر نے بہت تاکید فرمائی وہ یہ ہے کہ آپ کے جوئے صاف ہوں، گرد آلود نہ ہوں اور بال Arranged and well combed ہوں۔ آپ سید محمد طاہر نے متوازن آواز کو پسند فرمایا۔ نہ اتنی مدھم آواز میں بات کی جائے کہ سامع کو بات سمجھنے میں دقت پیش آئے اور نہ اتنی بلند آواز ہو کہ سننے والے کو ناگواری محسوس ہو۔ بلند آواز کو گدھے کی آواز سے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔

دین اسلام میں چھوٹوں سے شفقت کا رویہ رکھنے اور بڑوں کا احترام کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ آداب مجلس سمجھائے گئے ہیں۔ جھوٹ سے بچنے اور دوسروں کی مدد کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

بجائے انگریزوں اور West کے اطوار نقل کرنے کے ہم چودہ سو سال پہلے بتائے گئے طریقوں اور آداب کو اپنائیں۔ آپ سید محمد طاہر کی حیات طیبہ کی نقل کر لیں تو ہماری Personality بڑی پسندیدہ ہو جائے گی۔

جو West تہذیب و تمدن میں اسلام سے چودہ سو سال پیچھے ہے ہم اُس کو کیوں Follow کرتا پاتے ہیں؟

مجھے نہیں معلوم کہ آپ میں سے کس کا واسطہ کسی ولی اللہ یا فقیر سے پڑا یا آپ میں سے کس نے کسی فقیر کے ساتھ وقت گزارا۔

اگر آپ کو کبھی ایسا موقع ملے تو آپ Observe کریں گے کہ فقیر نہ تو کسی کی غیبت کرتا ہے اور نہ کسی کا برا بھلا کہتا ہے۔ جب سب آپ کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں تو فقیر آپ کے کندھے سے کندھا ملا کر کھڑا رہے گا، آپ کا ہار اٹھائے گا۔ وہ کبھی سیلے کپڑوں میں نظر نہیں آئے گا۔ اُس کے لباس سے خوشبو اٹھنی محسوس ہوگی۔ وہ کبھی زیادہ بے تکلفی کا مظاہرہ نہیں کرے گا نہ ہی زیادہ Reserve دکھائی دے گا۔ دوسروں کی خامیوں کو نظر انداز کر دے گا اور معاف کرنے میں بہت جلدی کرے گا۔

وہ لوگ جو قسمت کے حسی تھے، انھیں فقیر کے ساتھ جب وقت گزارنے کا موقع ملا تو انھوں نے یہ سب عادات و افعال اور آداب اُن سے Pick کر لیے۔ ہم اپنی پہنچائی کو بڑی آسانی سے Groom کر سکتے ہیں لیکن ضرور صرف یہ ہے کہ آپ کو اور مجھے کبھی کسی فقیر کی صحبت میں کچھ وقت گزارنے کا موقع مل جائے۔

سوال: آپ کا کیا خیال ہے شہادۂ نبیہ ہماری زندگی میں ہو جائے گی یا ابھی اس میں تاخیر ہے؟

جواب: میرا ذاتی تجربہ ہے کہ وقت کا تعین نہیں کیا جاسکتا، یہ علم الغیب کا وہ حصہ ہے جو اللہ کسی کو عطا نہیں کرتا۔ اگر کوئی وقت کا تعین کر دے تو رب تعالیٰ اسے جھوٹا کہتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح رب دعویٰ کرنے والے کو جھوٹا کہتا ہے۔ لیکن انشاء اللہ حالات پائیدار رہیں گے اور مسلمان ایک بار پھر حکمرانی کریں گے۔ سوال: کائنات بہت وسیع ہے، زمین کی حیثیت ایک نقطے کے برابر بھی نہیں، پھر زمین کو اتنی اہمیت کیوں حاصل ہے؟

جواب: بہت Simple سا جواب ہے۔ رب کا عالم اور خلق اس Planet زمین پر رہتا ہے۔ جہاں نمبر 1

ہوتا ہے وہاں کی اہمیت سب سے زیادہ ہوتی ہے اس کے بعد اُس جگہ کی اہمیت ہوتی ہے جہاں نمبر 2 ہوتا ہے۔

دوسرا عظیم پاکستان اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے ہیں اس لیے اسلام آباد کی اہمیت بہت ہے۔ اسلام آباد کے بعد Provincial capitals کی اہمیت ہے کیونکہ ہاں صوبوں کے وزراء اعلیٰ ہوتے ہیں۔

رب تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے لیکن اُس کی Virtual نشست عرشِ معلیٰ پر ہے۔ یوں سب سے زیادہ اہمیت عرشِ معلیٰ کی ہے اور اُس کے بعد اُس planet کی اہمیت ہے جہاں رب کا نمبر 2 ہے۔

سوال: کیا ہماری کھکشاں کائنات کے درمیان میں ہے؟

جواب: جی ہاں! ہماری کھکشاں (Galaxy) کائنات کا تقریباً Centre بنتی ہے۔

سوال: کیا آپ کی ملاقات کبھی کسی شہید سے ہوئی؟ اور کیا آپ نے کبھی اُس سے رب کے عباد کے بارے میں پوچھا؟

جواب: میں استنبول میں تھا۔ استنبول کے قلعہ کے نزدیک ایک مقام ہے جہاں ہمارے اسلاف سنیہ سے جنگی کے اُس نکلے تک آئے تھے جس پر انھوں نے بیلوں کو ذبح کر کے اُن کی چربی فی قحی پھر اُس پتلی زمین پر سے بحری جہازوں کو دھکیلتے ہوئے دوبارہ سنیہ میں لانے کے بعد قلعہ پر Attack کیا تھا۔ اس قلعہ کے ساتھ تھوڑی سی جگہ ہے جہاں 32 صحابہ کرام دفن ہیں جن میں آپ سید محمد طاہر کے رضاعی بھائی حضرت احمد الانصاری بھی شامل ہیں۔ جب میں نے وہاں حاضری دی تو حضرت احمد الانصاری نے یہ معلوم کیوں میرا بی فرمائی اور ملاقات کا شرف بخشا۔ اُن کے انداز میں اس قدر گرم جوشی تھی کہ مجھے اُس تپاک کے ساتھ کچھ یاد ہی نہیں رہا کہ اُن سے کوئی سوال کر سکتا۔ اُن سے ملاقات کے بعد جب باہر نکلا تو وہاں 15، 16 صحابہ کرام کی انھیں آرام گاہ ہے۔ یہ وہ صحابہ ہیں جو قلعہ کی فسیل پر چڑھتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ اُن میں سے ایک صحابی سے ملاقات ہوئی تو میں اُن کی Personality کے سحر میں کھویا رہا۔ انھوں نے جو کچھ فرمایا وہ تو بیان نہیں کر پاؤں گا لیکن میرے اندر اُن سے یہ پوچھنے کا خیال نہیں آیا کہ شہادت کے وقت جب آپ کو رب تعالیٰ کا دیدار ہوا تھا تو آپ کی کیا کیفیت تھی۔ دراصل یہ پوچھنے کے لیے بڑا آدمی ہونا ضروری ہے تاکہ ملاقات کے وقت وہ صحابہ کرام کی شخصیت کے سحر میں نہ کھویا رہے بلکہ سوال و جواب بھی کر سکے۔ میں وہ عظمت کہاں سے لاؤں!!!

تصوف اور غلط فہمیاں

سوال: کیا صاحبان طریقت اور صاحبان کشف و الہام نبوت کے دعویٰ دار ہیں؟

جواب: ہرگز ایسا نہیں۔ مسلمان ہونے کی ابتدا ہی یہاں سے ہے کہ اللہ ایک ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ یہ ہمارے ایمان کا حصہ ہے کہ نبوت تمام ہو چکی۔ آپ ﷺ کوئی آخری نبی نہیں ہیں۔ اب قیامت تک کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔

وہ لوگ جو شریعت کے پابند رہے اور تقویٰ میں اس حد تک چلے گئے کہ رب اُن سے راضی ہو گیا اور انھیں اپنا دوست بنالیا تو وہ کیسے جہارت کر سکتے ہیں کہ نبوت کا دعویٰ کریں جب کہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ نبوت کا داعی نہ صرف دائرہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے بلکہ اپنے آپ کو ہمیشہ گمراہی کے اندھیروں میں ڈھونڈتا ہے۔ اولیائے کرام بھی نبوت کے دعویٰ دار نہیں رہے اور نہ وہ ایسا سوچنے کی جہارت کر سکتے ہیں۔

سوال: اللہ اپنے بندوں کو باوقار دیکھنا چاہتا ہے لیکن کچھ لوگ تلقین کرتے ہیں کہ آپ دوسروں کے لیے Footmat بن جائیں۔

جواب: ہمارے ذہن میں بھی گھنڈوں پیدا نہ ہو اگر ہم الفاظ پر نظر رکھنے کے بجائے گفتگو یا جملے کی روح تک چلے جائیں۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ دوسروں کے لیے Footmat بن جائیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ گھس گھس کر دالے پر لیٹ جائیں اور لوگ آپ پر گزروں جو تے صاف کر کے اندر داخل ہو جائیں۔

جب ہم کسی قسم کی بات میں سے تو ایک لحاظ سے سمجھیں کہ ایک سردار دہلی میں لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔ کسی نے پوچھا "کیا کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" سردار بولا "میں نے سنا ہے کہ ان خاک میں مل کر گھل و گھڑا ہوتا ہے۔"

سردار دہلی کی طرح ہم بھی ظاہری گفتگو پر نہ چلیں بلکہ اُن گفتگو کا اصل مفہوم سمجھنے کی کوشش کریں۔

Footmat بننے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے اندر موجود سارے بت توڑ ڈالیں۔ دوسروں کے لیے بچھو اور نہ ہمارا انسان بن جائیں۔ ہمارے اندر علم تقویٰ اور عاجزی کے بت ہوتے ہیں۔ ہم ان سے کوڑا ڈالیں۔ جب تک ہم ان باتوں کی پوجا کرتے رہتے ہیں، علم سے زور دہوتے چلے جاتے ہیں۔

جب ہم اپنی عاجزی اختیار کرتے ہیں تو اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ناقابل بیان عظمت عطا کرتا ہے۔

جب میں یہ کہتا ہوں کہ جو انسان لوگوں کے لیے Footmat بن جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کے

سرکاز Hat جاتا ہے تو میں اولیائے کرام کی مثال دیتا ہوں جنہوں نے عاجزی اختیار کی، اپنے پاس آنے والوں سے خود کو چھوڑا سمجھا۔ اس کے نتیجے میں انھیں جو اخلاقیات حاصل ہوئے ان میں سے ایک اللہ ہم بھی دیکھ سکتے ہیں۔ داتا صاحب جو عظیم گویا ہے زہدیت ہوئے کی حد تک ریت گھس لیکن ان کی خدمت میں حاضری دینے والے آج بھی وہاں سے اُٹنے قدموں واپس آتے ہیں۔ ان کی طرف پشت نہیں کرتے۔

عاجزی اختیار کرنے سے انسان بے وقار نہیں ہوتا۔ عاجزی و خجندیوں کا شیوہ ہے۔ داتا صاحب انھیں اپنی تعلیم کا بندوبست رب تعالیٰ خود کرتا ہے۔ یہ ان کی تعلیم کا حصہ ہے کہ عاجزی اختیار کی جائے۔ ہر انسان کو خود سے بہتر سمجھ کر اُس کی عزت کی جائے اس سے بے پناہ اعلا مات حاصل ہوتے ہیں۔

سوال: سورۃ البر اھمہ کی آیت نمبر 22 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور کہے گا شیطان جب چکا دیا جائے گا فیصلہ۔ بے شک اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا سچا وعدہ اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا لیکن میں نے اُن میں سے کوئی بھی پورا نہ کیا لیکن نہ تم میرا تم پر کوئی زور اہلہ میں نے تم کو دعوت دی تھی اور تم نے ایک کہا میری دعوت پر۔ سو مت ملامت کرو تم مجھے بلکہ ملامت کرو اپنے آپ ہی کو۔"

جواب: یہ بات سمجھانے کے لیے آسان لفظ استعمال کروں گا۔ آپ لفظ نہیں اُن کی روح دیکھیں گے۔ انسان کو نفس کی خواہشات بُرائی کی طرف لے جاتی ہیں۔ شیطان نفس کے لیے Attack کرتا ہے۔ جس طرح دنیاوی قانون کی نظر میں جرم کی پکائی کرنے والا بھی اکتا ہی مجرم ہے جتنا اُس مجرم کو Execute کرنے والا۔

شیطان ہمارے دل میں دوسرے ڈال رہا ہے اور نفس اُس خیال کی پیروی کرتے ہوئے نہیں کہ وہ کی طرف لے جاتا ہے اور اُس شے کی خواہش کرتا ہے یوں Blame براہ راست شیطان پر ہی آئے گا کہ وہ نفس کے ذریعے Operate کرتا ہے۔

سوال: اکثر یہ ہوتا ہے کہ قرآن پاک کا ترجمہ پڑھتے ہوئے کبھی کوئی معنی سمجھ آتے ہیں تو کبھی کوئی اور معنی راہ بھائی دیتی ہے۔

جواب: اس کی توجہیات ہیں۔

1۔ جب ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو اُس وقت ہم جس معنی کیفیت میں ہوتے ہیں اُس معنی کیفیت اور اس کا رنگ اُس چیز کے رنگ میں داخل ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر ہم غرض کو اردو میں ہوں اور کوئی شخص بُری بات کہہ دے تو ہم بُرا منانے کے بجائے نفس کو ماری دیتے ہیں۔

اور اگر بعینہ وہی جملہ اور وہی بات کوئی ہمیں ایسے لمحے میں کہے جب ہم اپنی طور پر سمجھتا ہوں کہ وہاں ہوں تو اُس شخص سے اُلجھ پڑتے ہیں۔ اُس کی بات برداشت نہیں کرتے۔

انسان کی اُس وقت کی سوچ اُسے ایک Myopic view دیتی ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہم کسی

کتاب میں کوئی جملہ یا فقرہ بار بار پڑھتے ہیں لیکن اس کی سمجھ نہیں آتی۔ ایک دن ایسا ہوتا ہے کہ چانک ایک لکچر میں اس کا مطلب Flash ہوتا ہے اور ایک دم وہ بات سمجھ میں آ جاتی ہے۔ مہینوں کی کوشش جس کلمہ کو Clear نہیں کر پاتی ہم لوگوں میں اس کو حل کر لیتے ہیں۔ ایسا ہماری ذہنی و اندرونی کیفیت کے زیر اثر ہوتا ہے۔ یہ تو اس کی سائنسی توجیہ ہے۔ دوسری روحانی توجیہ ہے۔

2۔ قرآن پاک کے ایک ظاہری اور مٹی معانی ہیں۔ انسان کی روح پاکیزگی و بالیدگی کے جس مقام پر پہنچ جاتی ہے اسی درجے اور مقام سے قرآن پاک کے مٹی معانی اس کی سمجھ میں آنے لگتے ہیں۔ جس وقت ہم پاکیزہ خیالات میں ہوں اس وقت قرآن پاک کے الفاظ میں ہمیں روشنی مختلف نظر آئے گی۔ اگر ہماری سوچ پاکیزہ نہیں تو اس وقت قرآن پاک کی تلاوت کے اثرات اور مفہوم کا ادراک مختلف ہوگا۔

اس لیے میں عرض کیا کرتا ہوں کہ قرآن پاک ترجمے کے ساتھ پڑھتے رہا کریں۔ جو سمجھ میں آتا ہے آنے دیجیے اس پر Confuse نہ ہوں۔ اسی طرح قرآن پاک کی کسی آیت کو سیاق و سباق جانے بغیر سمجھنے کی کوشش کریں گے تو اس کے معنی واضح نہیں ہوں گے۔

قرآن پاک کی دو ترتیبیں ہیں۔

1۔ ترتیب نزولی

2۔ ترتیب کتابی

ایک ہی Subject پر 30 پاروں میں مختلف مقامات پر مختلف آیات مل جاتی ہیں جب تک ہم ان تمام آیات کو اکٹھا کر کے نہیں دیکھیں گے ہمیں اصل معنی سمجھ میں نہیں آئیں گے۔

ایک اور توجیہ یہ ہے کہ قرآن پاک کی ایک خاص ترتیب ہے۔ سورۃ البقرہ تقریباً ڈھائی پاروں پر مشتمل ہے۔ یہ اصل احکامات کا Glorify اور زندگی گزارنے کا آئین ہے۔ باقی سارے سترائیس پارے اس آئین کی تشریح ہیں۔

تبدیلی کا کوئی بھی شعبہ ہو کوئی Dimension ہو اس سے متعلق احکامات سورۃ البقرہ میں مختصر امل جائیں گے اور اس کی تشریح باقی پاروں میں نہیں کی جائے گی۔ جب ہم ان احکامات کو تشریح کے ساتھ دیکھتے ہیں تو بات سمجھ میں آ جاتی ہے۔

بعض اوقات ایک مسئلہ پر ایک آیت کسی سورہ میں ملتی ہے تو اسی مسئلے سے متعلق چھ سات آیات باقی سورہوں میں مل جاتی ہیں۔ جب ہم انھیں ملا کر دیکھتے ہیں تو معنی واضح ہو جاتے ہیں۔

قرآن پاک کو سمجھنے سے زیادہ سمجھنا ضروری ہے۔ جب ہم پورا قرآن پڑھ لیں گے، اس کا ترجمہ پڑھیں گے اور معنی سمجھ لیں گے تو پھر جب بھی کوئی مسئلہ پیش ہوگا فوراً وہی مسئلہ Flash ہوگا کہ فلاں فلاں سورہ کی فلاں فلاں آیت میں اسے بیان کیا گیا ہے۔ جب ہم ان آیات کو Integrate کر کے پڑھیں گے تو مسئلہ

کے حل تک پہنچ جائیں گے۔ اگر ہم آیات کو Integrate کیے بغیر پڑھیں گے تو ان طرح الجھن کا شکار رہیں گے۔

سوال: معاشرے میں تبدیلی آدے سے میچے یا نیچے سے آدے آتی ہے جب کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ معاشرہ اپنی طور پر ٹھیک ہو جائے تو اچھا حکمران آ جائے گا۔

جواب: دنیاوی یا مغربی تعلیم تو یہ کہتی ہے کہ تبدیلی آدے سے نیچے کی طرف Travel کرتی ہے لیکن روحانیت میں کہا جاتا ہے کہ انسان خود ٹھیک ہو جائے تو معاشرہ خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔ روشنی سے ان کی جگہ دیا جئے سے روشنی ہوتی ہے۔

معاشرہ کیا ہے؟ اکائیوں کے مجموعہ کا نام معاشرہ ہے۔ ایک خط میں جتنے لوگ ملتے ہیں ان کی اجتماعی زندگی معاشرہ ہے۔ اگر اکائی ٹھیک نہیں تو بہت سی اکائیوں کا حاصل جمع بھی کچھ درست نہیں ہو سکتا۔ جس اکائی ہوگی ویسا ہی اکائیوں کا حاصل جمع ہوگا۔ اس لیے رب تعالیٰ نے فرمایا کہ جیسی قوم ہو ویسا ہی حکمران اس میں مسلط کر دیا جاتا ہے:

”اور یونہی ہم خالوں میں ایک دوسرے پر مسلط کرتے ہیں بلکہ ان کے کیے

کا۔“ (الانعام: 129)

اچھے حکمران کا انتظار ذہنی تساہل کی نشانی ہے۔ جب ہم اس انتظار میں بیٹھ جاتے ہیں کہ کوئی ٹھیک آدمی لیڈر بن جائے گا تو سارا معاشرہ ٹھیک ہو جائے گا تو انفرادی طور پر خود کو ٹھیک کرنے کی تحریک ختم ہونے لگتی ہے۔

اگر ہم میں سے ہر ایک تہیہ کر لے کہ باقی سب اچھے ہیں، بس میں بڑا ہوں، مجھے اپنے آپ کو ٹھیک کرنا ہے۔ پھر جب الیکشن ہوں گے تو اچھی عوام میں سے منتخب شدہ حکمران اچھا ہی ہوگا۔

سوال: دارالاحسان میں ایک مینار ”مینار صفا“ کے نام سے زیر تعمیر ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس مینار کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد بڑی تبدیلی آئے گی۔

جواب: مینار ایک خاص کچھر کی علامت ہے۔ گر جاگھر ہوں، اگر وہاں سے یا مندرہ ان کا مخصوص طور تعمیر ایک خاص کچھر کی عکاسی کرتا ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کی عبادت گاہوں میں چنار نظر آتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ مختلف ملکوں کی عبادت گاہوں میں ان میناروں کی تعداد مختلف ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں چار مینار چار خلفائے راشدین کو Depict کرتے ہیں اور گنبد کا مطلب ہے کہ ہم آپ کو جگہ طے کے استحقاق ہیں۔ ترکی اور سعودی عرب میں آپ کو ایک یا تین مینار بھی دکھائی دیتے ہیں۔

جناب صوفی برکت علی صاحب بہت بلند پایہ صاحب علم گزرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں فریق رحمت کرے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ کسی صاحب علم کی فراموشی ہوتی بات پر Comment کروں۔ حضور آپ اتنے چھوٹے اور معمولی آدمی سے یہ بات پوچھنے آئے ہیں جس کے پاس بصیرت ہے نہ فہم نہ دنیا میں جتنے بھی لوگ کام کر رہے ہیں علم بھلا رہے ہیں میری ذاتی رائے ہے کہ وہ

مجھ سے کہیں ملے ہیں۔ میں ان کے سامنے بالکل بے حقیقت انسان ہوں۔ صوفی برکت علی صاحب نے اگر اس جہادِ مفاہکے بارے میں ایسا فرمایا ہے تو بالکل صحیح فرمایا ہوگا۔ مجھے اس قصے کا علم نہیں۔ میری ان سے Physically صرف ایک ملاقات ہوئی تھی۔ وہ دوسرے آدمی تھے جنہوں نے مجھے تصوف کی اس راہ کی خبر دی تھی۔

مقامِ مفاہ والی بات میرے علم میں نہیں اس لیے میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ مینارِ مکمل ہونے کے بعد پاکستان میں کوئی بڑی تبدیلی آجائے گی البتہ یہ میں ضرور جانتا ہوں کہ پاکستان کی بہتری کے لیے تبدیلی زیادہ ضرور ہے۔

It is just around the corner.

تبدیلی آنے کو ہے، انشاء اللہ یہ آکر رہے گی۔ اللہ تعالیٰ بہتر ہی فرمائے گا۔ انشاء اللہ!

سوال: اسلامی بینکنگ حرام ہے یا حلال؟ کیا یہ سود کے زمرے میں آتی ہے؟

جواب: میں مفتی نہیں اور نہ فتویٰ دینے کا عہد ہوں۔ ہم اسلامی ملک میں رہتے ہیں۔ اسلامی شعائر کی پابندی کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ حکومت کی قائم کردہ اسلامی نظریاتی کونسل کا فتویٰ یہ ہے کہ اسلام میں بینکنگ حلال ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ اسلامی ملک میں رہتے ہوئے اسلامی نظریاتی کونسل کا فتویٰ تسلیم کر لیتا چاہیے۔ اگر اس میں کوئی غلطی ہوگی تو اس کا تمام بوجھ حکومت پر ہوگا ہم پر نہیں۔

سوال: ہر زوج کا اپنا رنگ، خوشبو اور Controlling word ہوتا ہے۔ کیا پڑھائیوں کے نتیجے میں یہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں؟

جواب: یہ Fix ہیں یہ تبدیل نہیں ہوتے۔ البتہ آپ کو اولیائے کرام کی جو خوشبو و قفا تو قفا تبدیل ہوتی محسوس ہوتی ہے وہ ان کی روح کی خوشبو نہیں ہوتی۔ وہ رب کی عنایات میں سے ایک عنایت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو خوشبو عطا فرماتا ہے۔ آپ اللہ کے دوستوں کے کسی حصے کو سونگھیں تو وہاں مختلف خوشبو آپ کو محسوس ہو گی۔ یہ بدل اس پڑھائی کا انعام ہے جس کا ولی اللہ و درگاہ جتا ہے۔ جب بھی وہ کسی پڑھائی کا لیے عرس کے لیے درگاہ کے آس کے جسم سے خوشبو اٹھتی محسوس ہوگی۔

سوال: ہمیں بھی پڑھائی یا وردہ کی Calculations میں جن Factors کو مد نظر رکھا جاتا ہے اگر مناسب سمجھیں تو ان پر روشنی ڈال دیں۔

جواب: میں نہ صاحبِ علم، نہ صاحبِ فکر، نہ صاحبِ فہم..... اور کئی بات ہے کہ Calculations کبھی میرے ذہن میں نہیں آتیں کیونکہ میں مسلمان ہوں اور مسلمان حساب میں کچا ہوتا ہے۔

میرے مرشد صاحب نے مجھے ایک پڑھائی دی تھی اور اس کا دوران یہ بھی بتایا تھا اور فرمایا تھا کہ جب وہ مدت پوری ہو جائے تو پھر اسے گھٹا کر ایک پڑھائی کرنا۔ ایک لکھنا زمانہ تھا۔ جب پڑھائی کا دور پورا ہونے کو تھا تو میں اس کا اس حد تک عادی ہو چکا تھا کہ آخری دن جان بوجھ کر تازہ کر لیا اور اگلے دن سے دوبارہ زبرد

سے اسے شروع کر لیا۔ اس بات کو 35، 36 سال ہو گئے۔ میں یہ حرکت تین بار کر چکا ہوں کہ جب بھی اس مکمل ہونے کو ہوتا ہے تو آخری دن تازہ کر لیتا ہوں اور اگلے دن وہ پڑھائی دوبارہ سے شروع کر لیتا ہوں۔

اللہ کو یاد کرنے میں Calculations اور حساب کیا کرتے؟ جس رب نے مجھے عطا کرتے وقت بھی حساب کتاب نہیں رکھا اور بے حساب رحمتیں نازل کیں اس رب کو پکارتے وقت میں Calculations کیوں کروں!

روحانیت میں اس شخص کو کبھی کبھی ملا جس نے حساب کتاب میں زندگی گزار دی جس نے کئی کئی بار کو پکارا۔ لیکن جس نے عشق میں ڈوب کر رب تعالیٰ کو پکارا اس کو قہولے ہی عرس میں ڈوب کر کیا۔ رب کو پکارنے میں حساب کیا؟

سوال: ہر صدی کے آخر میں جو مجدد آتا ہے کیا وہ کسی خاص خطے یا معاشرے کے لیے ہوتا ہے یا تمام امت مسلمہ کے لیے؟ ایک وقت میں کتنے مجدد دین کی تجدید کی Assignment پر کام کر رہے ہوتے ہیں۔

جواب: مجدد پوری اسلامی دنیا کے لیے ہوتا ہے لیکن وہ جس ملک میں پیدا ہوا اور جہاں بڑھا ہے وہاں اس کے اثرات زیادہ ہوں گے۔ اس کی زندگی کا اسلوب اس معاشرے کے مطابق ہو گا لیکن اس کے Works پوری اسلامی دنیا کے لیے پیغام ہوتے ہیں۔ ایک وقت میں ایک مجدد پیدا ہوتا ہے وہ نہیں۔

سوال: ہم آپ سے رب کی محبت کی وجہ سے محبت کرتے ہیں۔ آپ سے ملاقات و زیارت کا مقصد آپ کی محبت کے حصول کے سوا کچھ نہیں۔ آپ کے ساتھ بہت سے لمحات گزارا اور بہت کچھ پوچھا چاہتے ہیں۔ کیا مرشد کے ساتھ وقت گزارے اور براہ راست شناسائی کے بغیر بھی تعلیم و تربیت اور تزکیہ کے مقاصد کا حصول ہو جاتا ہے؟ ہم تو آپ کو مرشد سمجھتے ہیں۔

جواب: کچھ لوگ مجھے گھر پر ملنے آئے۔ بوقتِ رخصت کہنے گئے "شاہ صاحب! کبھی آپ ہمارے گھر آئیے۔" میں نے کہا "جب اللہ کو منظور ہوگا۔ حاضر ہو جاؤں گا۔" انہوں نے میری Wit سے کہا کہ آپ ان سے کہیے، آپ کی بات مان جائیں گے۔ انہوں نے کہا "میں کہہ رہی ہوں لیکن اس سے پہلے میری درخواست ہے کہ شاہ صاحب سے کہیے کہ کبھی آپ اپنے گھر بھی آجائے۔"

جس شخص کے پاس اپنے گھر جانے کا نام نہ ہونے کسی کے ساتھ کیا وقت گزارے گا۔ اگر آپ مجھ سے پیار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزا دے، آپ کو خوش رکھے اور آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ یہاں تک مجھ سے، اکتسابِ فیض کی بات ہے تو بھائی! میں کون سا اچھا اور نیک انسان ہوں جو آپ کو چھائی اور سنگی سکھاؤں گا۔ آپ کسی بھلے اور نیک آدمی کو مرشد چکڑے تاکر آپ اچھی راہ پر چل سکیں۔

سوال: ایک زندہ انسان کسی قریب المرگ کو اپنی زندگی کیسے دے سکتا ہے؟

جواب: بھائی! اگر کسی کو ایک شخص سے پیار ہے اور وہ شخص عالمِ نوح میں ہو تو پکار کر لے والا شخص اللہ کے حضور

پانچے دل اور اخلاص سے دعا کر دیتا ہے کہ یا ہاری تعالیٰ انھیں زندگی بخش دے۔ مگر ان کی زندگی کے دن پورے ہو گئے ہیں تو بے شک میری زندگی سے کچھ سال انھیں دے کر ان کی عمر دراز کر دے۔

رب تعالیٰ دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔ اس کی رحمت سے امید یہ ہے کہ وہ اس شخص کی زندگی سے بھی سال لے لے اور جس کے لیے دعا کی گئی ہے اسے بھی مہلت دے دے، اس کی عمر دراز کر دے۔

سوال (الف) سجدہ میں جب ہم زمین پر سر رکھتے ہیں تو لگتا ہے کہ جیسے حرف "ن" بن گیا ہو۔ رکوع میں 7 کا ہندسہ بنتا ہے۔ کیا یہ حقیقت ہے یا میرا وہم؟

(ب) کیا سورہ النور میں لفظ "طاق" سے مراد ہماری آنکھوں کے اندرونی گھڑے ہیں؟

جواب۔ اگر زیادتی زبان میں بات کریں تو نماز یوگا کی انتہائی Advanced form ہے۔ اگر کوئی اسے پانچ وقت پابندی سے پڑھے تو اس کے جسمانی اعضا لمبے عرصے تک قائم و دائم رہتے ہیں ماسوائے اس کے کہ انسان کو خدا بخواتم کوئی بڑی بیماری نہ لگ جائے۔

کس طرح کے Postures میں کون سے الفاظ، حروف یا ہندسے بنتے ہیں، میں نے ان پر کبھی غور نہیں کیا۔

سجدہ تنظیم کی ابتدا ہے اور اس وجہ کی تنظیم صرف رب تعالیٰ کو سزاوار ہے۔ سجدہ کرتے ہوئے "ن" بنتا ہے یا کوئی اور حرف اس سے کوئی فرض نہیں۔ فرض تو بس یہ ہے کہ پوری عاجزی سے سجدہ ہو جائے۔

رکوع میں جانتے ہوئے 7 کا ہندسہ نہیں بنتا۔ ہمیں رکوع میں اس انداز میں جانا چاہیے کہ ہماری کمر گردن اور سر ایک لائن میں رہیں۔ یوں کہہ لیں کہ اگر انگریزی حرف "L" کو کھڑا کر دیں تو بالکل اسی طرح کمر بالکل سیدھی ہو۔ کمر کو انگوٹھ کے ساتھ 90 ڈگری کا زاویہ بنانا چاہیے۔ یہ رکوع کا صحیح Posture ہے۔

اسی طرح جب ہم سجدہ کرتے ہیں تو ماتھا اور ناف کی Tip زمین کو Touch کرتے ہیں۔ اس دوران ہماری کمر سیدھی رہنی چاہیے۔ کمان نہ بنے۔ موڈب سجدے کا یہی انداز ہے۔ نماز کے مختلف ارکان ادا کرتے ہوئے کون سا حرف یا ہندسہ بنتا ہے میں نے کبھی اس پر تحقیق نہیں کی۔ نماز میں ہم رب تعالیٰ کی بڑائی بیان کرتے ہیں۔ نماز کی نیت کرتے ہوئے جب ہم تکیہ ادا کرتے ہیں تو کانوں تک ہاتھ لے جاتے ہیں۔ اس دوران ہماری ہتھیلیاں باہر کی طرف ہوتی ہیں جو ظاہر کرتی ہیں کہ:

1۔ ہم سب کی بڑائی بیان کر رہے ہیں۔ عام طور پر جب ہم کسی شے کی انتہا کو ظاہر کرتے ہیں تو ہاتھ کھڑے کر دیتے ہیں۔

2۔ کمان کی کوکھ جیسا کہ اللہ کے حضور توجہ کا خواست گزار ہونے کی علامت ہے کہ اے اللہ! تو سب سے بڑا ہے۔ ہم کچھ نہیں۔

لہذا تو اصل میں رب تعالیٰ کی شکر گزاری کا انداز ہے۔ اس کی بڑائی و بزرگی کا اقرار ہے۔ ہم اس کی

عظمت بیان کرتے ہیں۔ اس سے دعا کہ ہماری طلب گاریاں سچے ہیں۔ جو سب انکساریت اس کی بڑائی کو قبولی اور سچائی بیان کرتی چاہیے اور پھر اس کی رحمت اور ارحم الراحمین طلب کرتی چاہیے۔ یہ بہت اچھی اور عظیم مہارت ہے۔ نماز کے مختلف Postures کو مختلف حروف یا ہندسوں پر گنول کرنا سب سے گہرا۔

سوال۔ جب آپ سر پہنچانے کا فرقہ مبارک حضرت اویسؓ کو دیا گیا تو کیا اس وقت وہ عقب بن گئے تھے؟

جواب۔ حضرت اویس قرنیؓ نے جس طرح فوت کرنا آپ سر پہنچانے سے یاد کیا، ان کا مقام عقب سے کچھ بلند ہے۔ آپ اتنی بلند ہستی ہیں کہ آپ سر پہنچانے انھیں اپنی امت کے لیے دعا کے لیے کہا۔ صحابی کا منہ ہم کی بھی ولی اللہ سے بہت بلند ہے۔

سورة القلم کے خاص مضامین اور اسم اعظم

سورة القلم بالاطلاق کی سورہ ہے۔ اس کے دو رکوع اور 52 آیات ہیں۔ اس میں 1256 حروف ہیں۔ سورة القلم سورة ن کے نام سے بھی جانی جاتی ہے۔

جس لفظ یا حرف سے سورتیں شروع ہوتی ہیں عام طور پر وہ اسی لفظ یا حرف سے پہچانی جاتی ہیں۔ سورة القلم کی ابتدا ن سے ہوئی۔ "ن" حروف مقطعات میں سے ہے۔

اس سورہ میں آپ ﷺ کی دل جوئی اور Encouragement کی گئی ہے۔ آپ ﷺ کا نام پر جب وحی کے نزول کا آغاز ہوا اور آپ ﷺ نے کفار کو دعوت اسلام کا سلسلہ شروع کیا تو کفار کا رویہ سخت ہوتا گیا حتیٰ کہ انھوں نے آپ ﷺ کے بارے میں تحقیر آمیز الفاظ بھی کہے۔ ایسے ہی موقع پر سورة القلم نازل ہوئی۔ اس میں رب تعالیٰ نے قلم کی قسم کھا کر فرمایا کہ کفار مکہ جو کچھ آپ ﷺ کے بارے میں کہتے ہیں وہ غلط ہے۔

"قلم اور اس کے لکھے کی قسم تم اپنے رب کے فضل سے بھونچے نہیں اور ضرور تمھارے لیے بے انتہا ثواب ہے اور بے شک تمھاری خوبی (خلق) بڑی شان کی ہے۔"

(القلم: 1-4)

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس طرح Encourage کیا کہ اگرچہ کفار یہ چاہتے ہیں کہ آپ ﷺ ان کے ساتھ تمام معاملات اور تبلیغ اسلام میں تری اختیار کریں لیکن آپ ﷺ ان کی بات نہ سنیں بلکہ اپنا کام جاری رکھیں۔ رب تعالیٰ انھیں معاف نہیں کرے گا اور انھیں ایسی سزا دے گا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں۔

سورة القلم کی ابتدا حرف "ن" سے ہوئی۔ اس کے بعد قلم اور ان سطور کا ذکر ہے جو اس قلم سے لکھی جاتی ہیں۔ سید شریف جرجانی جو مفسر ہیں انھیں ولی اللہ بھی تھے فرماتے ہیں کہ حرف "ن" سے اجمالاً مراد "دعوات" ہے۔ اللہ نے حروف مقطعات کا علم آپ ﷺ کو عطا فرمایا۔ اولیائے کرام کو ایک خاص لیول پر پہنچ کر حروف مقطعات کا علم عطا ہوا ہے اور اس علم کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔

شریف جرجانی علیہ السلام کے مطابق "ن" سے مراد دعوات ہے۔ "ن" کے بعد حرف "و" استعمال ہوا ہے۔

عربی میں "و" سے مراد قسم ہے۔ اس کے بعد قلم کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ قلم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ابتدائی وحی جن پانچ آیات پر مشتمل ہے ان میں بھی قلم کا ذکر ہے۔ قلم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ قلم زمانے کی قید سے آزاد ہے۔ وقت اسے محدود نہیں کر سکتا۔ یہ جس کا ذکر بھی کرتا ہے اور مستقبل کا بھی۔ اس کے ذریعے سے انسان تک علم پہنچتا ہے۔ رب تعالیٰ نے قلم کی اہمیت یہ کہہ کر واضح کر دی کہ قلم والا اور بے قلم بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ اس لیے رب تعالیٰ نے قلم اور قلم سے لکھی جانے والی سطروں کی قسم کھائی۔ ابتدائی وحی میں بھی اسی لیے پڑھنے پر اور قلم اور وحی میں قلم کا ذکر تھا۔

سورة القلم میں اس بات کا بھی ذکر ہے کہ جب آپ ﷺ کفار کو دعوت کی مہارت ترک کرنے کی تلقین کرتے ہیں جن کو وہ صدیوں سے پوجتے آ رہے ہیں تو وہ آپ ﷺ کو (معاذ اللہ) بھونچ گئے ہیں۔ لفظ "بھونچ" بھونچ سے نکلا ہے۔ بھونچ لفظ "جن" سے مشتق ہے۔ عربی میں جن اس چیز کو کہتے ہیں جو پوشیدہ ہوتی ہے، دکھائی نہیں دیتی۔ اس لیے کہتے ہیں کہ جن آگ سے بے ہیں اور ہمیں دکھائی نہیں دیتے۔ جن کی Formation آگ کے اس حصے سے ہے جو دکھائی نہیں دیتا۔ آخر ہم ہمہ تن دیکھیں تو ہمیں پیلا ہٹ والا شعلہ دکھائی دیتا ہے جس کے ارد گرد ایک Blue حلقہ ہوتا ہے۔ لیکن اس Blue area کے باہر ایک اور حلقہ ہوتا ہے جو سفید ہوتا ہے لیکن دکھائی نہیں دیتا۔ کسی بھی شے کے Outer area سفید ہوتا ہے جو سب سے گرم Area ہوتا ہے۔ جن کی Formation اس White area سے ہوئی۔ اس لیے انگریزی میں Red hot کی Superlative degree کو White hot کہتے ہیں۔ جہاں لوہا Red سے اوپر چلا جائے تو وہ White hot ہے۔ سب سے گرم۔ جنوں کی تلقین چونکہ شے کے اس White hot area سے ہوئی اس لیے وہ ہمیں دکھائی نہیں دیتے۔ یوں لفظ "بھونچ" وجود میں آیا کیونکہ بھونچ دکھائی نہیں دیتا۔

سورة القلم میں آپ ﷺ کے اخلاق کی تعریف فرمائی گئی کہ آپ ﷺ اخلاق کے اس بلند مقام پر ہیں جہاں کوئی دوسرا نہیں پہنچ سکتا۔

اخلاق "مخلوق" سے مشتق ہے۔ خلق کے بارے میں صاحبان علم فرماتے ہیں خلق اس Container چیز یا جگہ کو کہتے ہیں جہاں پاکیزگی و طہارت رہے۔ دراصل اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں انسان کا نفس رہتا ہے۔ جب انسان نفس کو قابو کر لیتا ہے تو وہاں پاکیزگی و طہارت آتی ہے۔

ہر پیغمبر کو رب تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی نمایاں صفت عطا فرمائی ہے جسے میرا رب علیم اللہ والہ اللہ عظیم اللہ لیکن آپ ﷺ میں وہ سب صفات یک جا کر دی گئیں۔ اس لیے فرمایا گیا کہ آپ ﷺ تمام اخلاق کے اس بلند مقام پر ہیں جہاں کوئی دوسرا نہیں پہنچ پاتا۔

خلق کو ایک اور معنی میں بھی لیا جاتا ہے۔ جب ہم شے کرتے ہیں تو اس کے لیے ہمیں خود سے کچھ بڑا ہونا چاہیے۔ اس لیے ہمیں کوشش کرنا پڑتی ہے کہ ہم دوسروں کے لیے بھلائی کریں۔ لیکن خلق اس مقام کا نام ہے جس انسان

کسی Conscious effort کے بغیر نکلی کرتا ہے۔ جہاں اس کا حسن اخلاق بغیر کسی تردد اور محنت کے خود بخود بھلائی کرتا ہے۔ مثال کے طور پر ہم بلب کا سوچ آن کرتے ہیں تو بغیر کسی Effort کے وہ Glow کرنے لگتا ہے اور اسے جھراؤ نہ ہو جاتا ہے اس میں کوئی Effort شامل نہیں ہوتی۔

جب ہم کسی کو کچھ دیں تو یہ تنگ کر دیتا ہماری جبلت یا فطرت ہے۔ جب بھی ہم کوئی کام کریں تو یوں گتے جیسے اسے کرنا ہماری جبلت یا فطرت ہے۔ ایسا کرنا خلق ہے۔ آپ سلیڈ فلم کی سخاوت، سچائی، دیانت داری، راست گوئی اور کسی گواہ کی غلطیوں پر کچھ نہ کہنا آپ سلیڈ فلم کی فطرت تھی۔ یہ حسن اخلاق اللہ کو بہت پسند ہے۔

سورۃ الفلہ سے اگر ہم کچھ سیکھنا چاہتے ہیں تو وہ یہ ہے کہ ہم حسن اخلاق کے کس درجے کو مد نظر رکھیں۔ اگر ہماری خواہش سورج پر پہنچنے کی ہو تو ہم سورج تک نہ بھی پہنچ پائیں تو چاند تک تو پہنچ ہی جائیں گے۔ اگر ہم آپ سلیڈ فلم کے حسن اخلاق کو اپنا Objective بنالیں تو اس کی عظمت اور بلندی تک تو نہیں پہنچ پائیں گے کیونکہ یہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ آپ سلیڈ فلم کے حسن اخلاق کے مقام تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن کوشش سے ہم حسن اخلاق کے کسی بہترین یوں تک ضرور پہنچ جائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خیر کے تین سوا ساتھ اوصاف ہیں، جب اللہ عزوجل بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو ان میں سے ایک عطا فرمادیتا ہے، جس کی برکت سے اسے جنت میں داخل کرتا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کی: کیا میرے اندر ان اوصاف میں سے کوئی موجود ہے؟ ارشاد فرمایا: ابو بکر! مبارک ہو تم میں وہ تمام اوصاف موجود ہیں۔ (تاریخ دمشق، تاریخ الخلفاء)

سورۃ الفلہ کی تفسیر پڑھتے ہوئے ہم مد نظر رکھیں کہ یہ پیغام Message کیا دیتی ہے؟ اس میں دو طرح کا پیغام ہے۔

- 1۔ اللہ کو علم بہت عزیز ہے۔ اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ اس لیے ہم علم حاصل کریں۔
- 2۔ دوسرا پیغام یہ ہے کہ ہم کوشش کریں کہ خلق کے 360 درجات یا صفات میں سے زیادہ سے زیادہ صفات اپنے اندر پیدا کر لیں۔

سوال: اگر کوئی شخص قرآن پاک پڑھتا رہے کہ کوئی کام کرنے کی قسم کھائے لیکن باوجود وہ قسم پوری نہ کر سکے تو کفارہ کیا ہے؟

جواب: اگر کسی کی انتہائی بھداری کی وجہ سے قسم پوری نہ کر پائیں تو صدق دل اور خلوص نیت سے اللہ سے معافی مانگ لیں اور 10 مساکین کو اس قدر دے کہ وہ دقت کا کھانا کھا دیں۔ اگر اس کی استطاعت نہ دیکھتے ہوں تو تین روزے رکھیں۔ اللہ معاف فرمانے والا ہے۔ وہ خلوص دل سے توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرتا ہے۔

سوال: اگر کوئی شخص کہے کہ اگر آپ نے میرا یہ کام نہ کیا تو میں آپ کے لیے بدنام کر دوں گا۔ کیا ایسی چیز کا قبول ہو جاتی ہے؟

جواب: ہم سفارش عموماً نہیں کرتے جیسا جہاں میرٹ پر کام کر رہے ہیں نہ جو کہ ہم میرٹ سے بہت کم لگاؤ رکھ کر رہے ہیں تو دوسرے کا حق مار رہے ہیں جو کہ غلط ہے۔ اگر آپ کسی کا غلط کام نہیں کرتے اور وہ آپ کو بدنام دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ غیب کا علم جانتا ہے، دلوں کے حال سے واقف ہے، ازل سے اب تک کے معاملات جانتا ہے۔ وہ ان بدو عاؤں کو قبول نہیں کرتا۔ اس لیے آپ ایسی بدو عاؤں سے پریشان نہ ہوں۔

سوال: اولاد ماں باپ کے لیے کس طرح آزمائش ہو سکتی ہے؟

جواب: ایک نو جوان لڑکا اپنے دوستوں کے ساتھ سخت دھوپ میں چھت پر چنگ اڑا رہا تھا اس کے باپ نے فکر مندی سے کہا ”بیٹا! دھوپ بہت تیز ہے، نیچے آ جاؤ۔ شام کو چنگ اڑا لیتا۔“ بیٹے نے باپ کی بات پر دھیان نہ دیا اور چنگ اڑاتا رہا۔ باپ نے بیٹے کا یہ انداز دیکھا تو اپنے پوتے کو گود میں اٹھا کر چھت پر چلا گیا۔ بیٹے نے جب یہ دیکھا تو پریشانی سے بولا ”ابا جی! یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ میرے بچے کو لو لگ جائے گی۔“ باپ نے کہا ”میرے بیٹے! جس طرح تمہیں اپنے بچے کو دھوپ میں رکھ کر تکلیف ہو رہی ہے۔ اسی طرح اس کڑی دھوپ میں تمہارا چنگ اڑانا مجھے تکلیف دے رہا ہے۔“

آپ نے دیکھا ہوگا کہ خدا خواستہ اولاد کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو بعض اوقات بڑے سے بڑا ایک انسان بھی سفارش، جھوٹی گواہی اور رشوت سے اس مسئلہ کو حل کرانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ شخص جو دوسروں کے پاس شخص دعا کرانے کے لیے جانا مناسب نہ سمجھتا ہو وہ اولاد کے لیے دعا کرانے، تمویذ لینے کی ککالا ہوا۔ تک کرانے کے لیے چلا جاتا ہے۔ حالاں کہ وہ جانتا ہے کہ ککالا جاؤ گرانے والے کا ایمان باطل ہو جاتا ہے۔ اولاد کو آزمائش اس لیے کہا گیا کہ اولاد کو تکلیف میں رکھ کر والدین وہ کام بھی کر لیتے ہیں جنہیں وہ عام طور پر غلط سمجھتے ہیں۔

اولاد کو مشکل اور تکلیف میں رکھ کر بھی غلط اور ممنوع کام نہ کرنا بڑے ظرف اور وصلے کی بات ہے۔ بہت کم لوگ Resist کر پاتے ہیں۔

سوال: ہم اسم اعظم کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟

جواب: ہم نے کبھی سوچا کہ ہمیں اسم اعظم کی تلاش کیوں ہے؟ اس کے لیے میں آپ کو یہی مثال دے سکتا ہوں کہ میں کسی کے بیٹے کو یہ مثال دیکھ کر اس سے اپنا کام کرواؤں۔ میں کسی بھی انسان سے کہہ پھاؤں کہ میں وقت کام کراؤں گا جب میرا اس پر اعتماد قائم ہو جائے کہ وہ صورت و دیگر امور کا کام نہیں کرے گا۔

آپ اسم اعظم کی تلاش میں کیوں رہتے ہیں؟ کیا آپ کو رب پر بھروسہ نہیں؟ یا میں لوگوں کو رب پر بھروسہ ہے انہیں تو میں نے عجیب نون اور آواز میں رب تعالیٰ سے درخواست کرتے دیکھا۔

”اے ربا تو، کچھ اچھی۔ اب کیے ہو یہاں سے؟“

عام خیالہ دے دیکھیں تو یہ بڑے Rude words ہیں لیکن یہ انداز رب تعالیٰ پر بھروسے اور ان کی انتہا ہے۔ یہ بڑی دل سے نفی ہوئی فریاد ہے لیکن اسم اعظم کی جستجو کی وجہ سے ہم اس مان اور بھروسے کو بھول رہے ہیں۔

بھائی اب کے ساتھ دینی کا رشتہ قائم کر لیجیے۔ اس کے ساتھ اعتماد اور بھروسے کا وہ تعلق استوار کر لیجیے کہ جہاں آپ کو یہ یقین ہو جائے کہ رب مجھے بن مانگے دے گا کیونکہ وہ دیکھ رہا ہے کہ مجھے کس شے کی ضرورت ہے۔ جو رب اتنا مہربان ہے کہ بن مانگے عطا کرتا ہے۔ اس سے میں کیا کہوں!۔۔۔
یہاں ہم یہ اعتراض کریں گے کہ اگر دنیا کا مالکانا اتنا چھانٹیں تو پھر ہم یہ دعا کیوں مانگتے ہیں
”اے ہمارے رب! ہمیں دنیا و آخرت میں بھلائی عطا فرما۔“

بھائی! دنیا جاوہر شہم اور محلات سے حسین نہیں ہوگی۔ ذرا غور کیجیے ہمارے مختلف حکمرانوں کے بارے میں کہہ تیاں گشت کوئی رشتی ہیں کہ فلاں کے پاس اتنی دولت ہے۔ کبھی ہم نے سوچا کہ ان کے بارے میں کیسے کیسے SMS کر دیا کرتے ہیں۔ کیا واقعی ان کی دنیا حسین ہے؟

اگر دنیا حسین دیکھیں ہے تو اللہ کے دوستوں کے مزارات پر جا کر دیکھیے کہ رحمت اللہ علیہ کے بغیر ان کا نام نہیں لیا جاتا۔ ان کے پاس حاضری دینے والے واپس آتے ہوئے ان کی طرف پشت نہیں کرتے۔ صاحبانِ اقتدار اہلِ فقر کے پاس Appointment لے کر جاتے ہیں۔ ان صاحبانِ ظلم کی دنیا دیکھیے کہ جن کے دل میں حزم، دارا گور کھانے کی ہلکی سی خواہش بھی پیدا ہوتی تو چند ہی منٹ میں کوئی صاحبِ پلیٹ میں انگور لے کر حاضر ہو گئے۔ یہ دنیا حسین ہے یا وہ دنیا؟ اسم اعظم کا استعمال کر کے اپنا ایک کام کرانے اور اللہ کے دوستوں کی فہرست سے اپنا نام خارج کرانے سے کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم رب کو اپنا بنالیں۔ جب رب ہمارا ہو گیا تو ہماری کائنات ہماری ہے۔

سوال: میں اکثر خواب میں خود کو مختلف اولیائے کرام کے مزارات پر حاضری دیتے دیکھتا ہوں۔ مجھے کیا کرنا چاہیے؟

جواب: حراز پر فاتح خوانی کر کے اس کا ثواب صاحبِ مزار کو پہنچایا جاتا ہے۔ اگر آپ خواب میں کوئی مزار دیکھیں تو اگر آسمانی سے وہاں حاضری دے سکیں تو ضرور جائیے اور فاتحہ خوانی دُعا کے بعد واپس آجائیے۔
سوال: اسم اعظم قرآن پاک میں کس کس مقام پر ہے؟

جواب: اسم اعظم کی جتنی جگہیں رکھا ہے آپ یہ دُعا کیا کریں کہ رب تعالیٰ آپ کو اس راہ چلے جائے جہاں انسان لنگی کسی بھی جھوٹے سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ جنہیں رب کی راہ کا چمکا لگ جاتا ہے انہیں پھر یہ فکر نہیں رہتی کہ کون سا کام ہو گیا اور کون سا نہ ہو گیا۔ انہیں پھر اگر بارشہ بھی پڑے گی کہ کوئی حکم یا خدمت تو وہ کہتے ہیں۔

”میری دھوپ چھوڑ دو۔“

آپ وہ مقام حاصل کر لیجیے۔ وہ مقام تب آئے گا جب رب کے ساتھ ہر لمحے اور جتن کوشش قائم ہو جائے گا اور یہ احساس دل میں بیٹھ جائے گا کہ میرا رب واقعی بہت رحم و کرم ہے۔ ان کے ہوتے ہوئے میرا کوئی کام ترک نہ سکتا ہے نہ ضرورت کا تمام رہ سکتی ہے نہ نقصان ہو سکتا ہے اور کوئی غم ہو سکتا ہے۔

احمد شاہ ابدالی فوج میں ایک سپاہی تھا۔ فوج نے کسی بہم کے دوران ایک جگہ جاکر اذان ادا کی۔ جب اذان کا کھانا Serve ہو رہا تھا تو ایک ذرا کم اچھے صلیب والا شخص وہاں آیا اور کہا ”میں بھوکا ہوں کھانا کھاؤ۔“ تو انہوں نے ڈانٹ دیا کہ یہ تو لشکر کے لیے کھانا ہے۔ احمد شاہ ابدالی نے جب یہ سنا تو اپنے صلیب والے شخص کو سزا دے کھانا کھانے کے بعد فقیر نے احمد شاہ ابدالی سے کہا ”تم نے مجھے کھانا کھانا دیا تو کیا مجھے جو دھوکے نے گا۔“ یہ سن کر سپاہیوں نے قہقہے لگائے کہ جس شخص کے پاس خود کھانے کو کچھ نہ ہو تو کسی کو کیا دے سکتا ہے۔ احمد شاہ ابدالی نے Politely کہا ”بہت مہربانی۔ بس آپ میرے لیے دعا کر دیجیے گا۔“ فقیر نے رخصت ہوتے وقت کہا ”جاؤ! تمہیں بادشاہ بنانا ہے۔“ اس کی یہ بات سن کر سپاہیوں نے ایک بار پھر قہقہے لگائے۔ ان بہم میں مقابلہ بہت سخت تھا۔ لشکر کا بڑا نقصان ہوا۔ احمد شاہ ابدالی نے بہت جہاد کی کا مظاہرہ کیا جس پر بادشاہ نے ترقی دے کر اسے ایک چھوٹے درجے کا صوبیدار بنادیا۔ اس کے بعد احمد شاہ ابدالی نے اپنے Troops کی اتنی اعلیٰ کمائڈ کی کہ بادشاہ نے اسے ترقی دے کر کمانڈر انچیف بنادیا حتیٰ کہ ایک ایسا وقت آیا کہ جب اس نے بادشاہ کو ہنا کر خود حکمرانی سنبھال لی۔ تب اسے اس فقیر کی دعا یاد آئی۔ فقیر کو پتا کرایا تو بتا دیا کہ وہ جلاب گئے ہیں۔ اس وقت پنجاب پر سکھوں کی حکومت تھی اور سکھ مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھارہے تھے۔ فقیر سکھ مہاراجہ کے دربار میں گیا اور احتجاج کیا کہ مسلمانوں پر ظلم و ستم سے باز آ جاؤ۔ سکھ مہاراجہ نے ظلم کی انتہا کرتے ہوئے حکم دیا کہ ابنتی چاندی اس فقیر کے حلق میں انڈیل دی جائے۔ جس سے اس فقیر کا انتقال ہو گیا۔

جب یہ خبر احمد شاہ ابدالی تک پہنچی تو وہ غصے میں آ گیا کہ سکھ مہاراجہ نے میرے مرشد کے ساتھ ایسا کیا کہ سلوک کیا۔ وہ افغانستان سے آیا اور پنجاب پر حملہ کیا۔ لاہور فتح کیا اور حکم دیا کہ تین دن تک سکھوں کا قتل عام کیا جائے۔ جب رات کو احمد شاہ ابدالی سویا تو اس فقیر کو خواب میں دیکھا جنھوں نے سچائی کی کہ تمہیں ہر شے اس لیے تو نہیں بنایا گیا تھا کہ تم انسانوں کا قتل عام کرو۔ فوراً سے بڑھ کر وہ احمد شاہ ابدالی نے آگے کھینچے اور قتل عام بند کرنے کا حکم دیا۔

وہ فقیر صابر شاہ صاحب تھے جن کا مزار بادشاہی مسجد کی تقریباً Back پر ہے۔
آپ دیکھیے کہ صابر شاہ صاحب نے احمد شاہ ابدالی کو بادشاہ بنانے کے لیے کوئی اسم اعظم استعمال نہیں کیا۔ صبر سے بڑا اسم اعظم تو یہ ہے کہ ہم صبر من اخلاق پیدا کریں۔ خلق خدا کے ساتھ ہمارا یہ بہت سہولتی کا ہوا و مہربانی صرف زبان نہیں بلکہ دل کی ہوتی چاہیے تب اسم اعظم خود بخود کام کرنے لگتا ہے۔ اللہ کا وعدہ ہے

Vermin

Interpl

Interpl

Interpl

Interpl

Interpl

Interpl

Interpl

Interpl

Interpl

Interpl

Interpl

Interpl

Interpl

Interpl

Interpl

Interpl

Interpl

کہ تم میرے بندوں کے کام کرو میں تمہارے کام کروں گا۔ تم میرے بندوں پر مہربان ہو جاؤ میں تم پر مہربان ہو جاؤں گا۔ یہ اسم اعظم بہت Valid ہے۔ اس اسم اعظم کو پکڑیے۔ اگر ہم نے خلق خدا کے کام آنا شروع کر دیا تو پھر اسم اعظم ہی نہیں اور بھی بہت سے نامعلوم خزانے ہمارے ہاتھ لگ جائیں گے۔
آپ دور است پکڑ لیجیے اور اُس مقام پر چلے جائیے جہاں کبھی ہوئی ہر بات اسم اعظم بن جاتی ہے۔ فقیر نے کہا "یاد شاہ جادو" تو ایک عام سپاہی پادشاہ بن گیا۔ ہم وہ مقام کیوں نہیں حاصل کر لیتے! میں تو نکما ہوں۔
ساری عمر گنوا دی۔ کم از کم آپ ہی یہ راہ پکڑ لیجیے۔

نشت نمبر 36

فلسفہ حیات

سوال: جب انسان پانچ چھ دن روحانیت کی بلندی پر گیا ہو اور ان دنوں کی عبادت وہ چاہے تو کیا وہ عبادت پوری کرنا پڑے گی یا اُسے چھوڑا جاسکتا ہے؟
جواب: جب انسان روحانیت کی بلندی کے کسی مقام پر جاتا ہے تو (میرے خیال میں) یہ پانچ چھ دنوں کا سفر نہیں ہوا کرتا بلکہ پلک جھپکنے کی بات ہوتی ہے۔
کسی زمانے میں کہا جاتا تھا کہ روشنی سب سے تیز رفتاری سے سفر کرتی ہے لیکن چند سال قبل تجربات سے پتا چلا کہ روشنی سے ایک لاکھ گنا زیادہ تیز رفتاری سے سفر کرنے والی چیزیں موجود ہیں۔
صاحبان کشف جب کشف کے ذریعے روحانی سیر کرتے ہیں تو نیوٹن کے عالم اسباب سے عالم ارواح، عالم بالا، سمندریازمین کے کسی بھی حصے یا تہ کی سیر کر لیتے ہیں۔
اگر عبادت سے مراد فرض عبادات ہیں تو اُس کی معافی نہیں۔ قضا نمازیں پڑھنا ہوں گی۔ نوافل کی قضا نہیں۔ اگر عبادت سے آپ کی مراد ذکر اذکار، اوراد و وظائف اور تسبیحات ہیں تو ان میں ناقہ ایک ہی صورت میں قابل معافی ہے کہ اگر حالات و واقعات کی وجہ سے اُن کی ادائیگی کا معاملہ انسان کی استطاعت سے باہر ہو گیا لیکن اگر جان بوجھ کر ناقہ کیا تو زیرو سے سزا ت کرنا ہوگا۔
سوال: کسی مغربی دانش ور کا کہنا ہے کہ اگر ہم زندگی کی Dichotomy کو سمجھ لیں تو بہت سی باتیں خود بخود سمجھ آ جائیں گی۔

جواب: جب تک ہم مغرب کی دانش کو اسلام کی دانش کے مقابل میں نہیں دیکھیں گے Confusion کا شکار رہیں گے۔ میراثیاتی تجربہ یہ ہے کہ اگر ہم صرف مغرب کی دانش کو دیکھتے ہیں تو زندگی کی آگئی اور پوری ہے جس کے نتیجے میں جو بہت سی Complications (مجید گیال) پیدا ہوتی ہیں۔ اُن میں سے ایک عقلی سکون سے محرومی بھی ہے۔ مغربی طرز زندگی اپنانے سے انسان کو حقیقی طور پر تو شاید سکونت اور سکون محسوس ہوگا ہو لیکن آخر کار فرسٹریشن اُس کا مقدر رہتی ہے۔ اسی طرح مغربی طلاق اپنانے سے زندگی میں اور مراد پانچ بھٹا چلا جاتا ہے۔ آپ کو مغرب میں بے شمار ایسے لوگ ملیں گے جو اپنے آپ سے انگوڑے کر رہے ہوتے ہیں، جو اپنے Pets ملی کتے سے اس طرح پیار کر گئے ہیں جیسے ہم اپنے بچوں سے۔ یہ اپنے Pets کا مٹ چوتے اور ان کی

Death پر آنسوؤں سے روتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ بہت رحم دل ہیں بلکہ وہ احساسِ تنہائی کا شکار ہوتے ہیں۔ یہ احساسِ تنہائی انھیں Pets کے ساتھ وابہات پیدا کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

میں اسی مغرب کے طرزِ زندگی اور ان کی سوچ کو غلط نہیں کہتا۔ ان کا فلسفہ حیات اُن کے Angle سے درست ہو گا لیکن غلط نہ رہے۔ ماحول میں جو فچرل Bond ہے وہ مغربی طرزِ زندگی کو زیادہ قبول نہیں کرتا۔

اگر ہم اسلامی فلسفے کو غور سے دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ اسلام اجتماعی زندگی کا درس دیتا ہے۔ انسان صرف اپنے لیے نہیں بلکہ اپنی فیملی، پڑوسیوں، رشتہ داروں اور تمام امتِ مسلمہ کے لیے جیتا ہے۔ انسان کی جان پر اسلام کا حق ہے۔ اس کے لیے وہ اپنی جان قربان کر دیتا ہے۔ مسلمان اپنے کام چھوڑ کر دوسروں کے کام کرتا ہے۔ اپنی ضروریات پر دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دیتا ہے۔ اپنا مال دوسروں پر خرچ کرتا ہے۔ ہمارا دین درس دیتا ہے کہ ہم غمخواروں نہیں بلکہ اجتماعی زندگی میں جب کہ مغرب کے فلسفے کے مطابق محنت سے کمائی گئی کمائی پر صرف میراث ہے۔ اس کے برعکس اسلام کہتا ہے کہ اپنا مال دوسروں پر خرچ کرو۔ خود پیوند شدہ لباس پہن کر دوسروں کو سننے کیجئے پسندو۔ مغرب کہتا ہے کہ بچہ 16 سال کے بعد Independent ہے، وہ جو چاہے کرے۔ مال باپ بہن بھائیوں کا اس پر کوئی حق نہیں۔ اسلام مال باپ کا بچے پر اور بچے کا مال باپ پر حق واضح کرتا ہے۔

مغربی اور اسلامی تعلیمات میں یہ فرق بھی ہے کہ مغرب سے جدا کرتا ہے۔ آپ سب جانتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کے مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے آپ ﷺ کے سال کافی دشوار تھے۔ اہل مکہ نے آپ ﷺ کو ذرا یا دھڑکا یا ترغیب بھی دی۔ سوشل بائیکاٹ بھی کیا لیکن جب آپ ﷺ اپنی جدِ استقامت سے ڈٹے رہے اور اللہ کا پیغام پکھالنے میں مصروف رہے تو ہجرت سے پہلے کے آخری تین سالوں میں کفار کی مخالفت میں بہت شدت آگئی تھی کہ وہ آپ ﷺ کی (معاذ اللہ) جان لینے کے درپے ہو گئے اور اس حوالے سے منصوبہ بنانے لگے۔ اسی عرصے میں آپ ﷺ پر سورہ ابراہیم نازل ہوئی۔ اس سورۃ کا نام ابراہیم علیہ السلام کے لیے رکھا گیا کیونکہ اس کے چھے رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اس سورۃ کی تلاوت کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کے سخت حالات کے باوجود رب تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دینِ حق کی تبلیغ کی تاکید فرمائی اور واضح فرمادیا کہ کفار و یزیدی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دے رہے ہیں۔ انھوں نے دنیا کی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھا لیا ہے۔

مغربی طرزِ زندگی دیکھ کر بھی میں اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک موجودہ زندگی ہی اصل زندگی ہے۔ ان کی نظر آخرت کی زندگی پر نہیں جاتا۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروکار ہیں، تو میدانِ رسالت پر بھی ایک حد تک یقین رکھتے ہیں مابین یا تو ریت کو الیہا کی کتاب ماننے اور دوبارہ اٹھانے یا سنے پر یقین رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے Concepts یہ ہیں کہ آج کی دنیا کو منہوا لیں آخرت کی زندگی کے بارے میں بعد میں دیکھا جائے گا۔

مسلمان محض آج کی زندگی پر نظر نہیں رکھتا۔ وہ جانتا ہے کہ یہ زندگی کا اندازہ ہے جس کے اس طرح گزارنا ہے کہ آج میں تنگ اموال کروں تاکہ میری آخرت کی زندگی مستور رہے۔

سوال: موجودہ حالات دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ جیسے غزوہ ہند نہ ہو ایک سو ایسے میں کیا ہے آپ کو کیسے تیار رکھنا چاہیے۔

جواب: جنگِ ہند Insight ہو یا نہ ہو، اس کا مستقبل قریب میں امکان ہو یا نہ ہو۔ لیکن مسلمان پر فرض ہے کہ مسلمان کسی بھی ایسی Situation کے لیے خود کو تیار رکھے۔ ہم جیسا کہ کئی چاریاں آتی ہیں کہ اگر دشمن اچانک حملہ بھی کرے تو منہ کی کھائے۔ لیکن یاد رکھیں کہ جنگیں چھپا ہوا نہیں بلکہ Moral strength کی بنیاد پر لڑی جاتی ہیں۔ جس قوم کی Moral values مضبوطی زیادہ Strong ہوتی ہیں تو میں اسی شاندار انداز میں جنگیں جیت جاتی ہیں۔ جب تک مسلمان دنیا کی محبت میں نہیں ڈوبے تھے ہر لمحہ رہے۔ اپنے وقت کی سپر پاورز روکن اور Persian Empires ناما مقابلہ کر پائیں۔ بہت کم ہیں۔ سامان کے ساتھ عرب کے ریگستان سے اُٹھے والوں نے روکن اور Persian Empires کو ہر گھم کر دیا۔ حالانکہ مسلمان تعداد میں بھی کم تھے اور سارے سامان بھی اُن کے پاس زیادہ تھا لیکن اُن کے پاس اعلیٰ Moral values تھیں۔ مسلمان میدانِ جنگ میں بھی اخلاقی اقدار کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ اگر ہم بھی آج دشمن پر غلبہ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ اپنے نفس پر غلبہ پائیں۔ اگر نفس پر غلبہ حاصل ہو گیا تو دشمن پر غالب آنا آسان ہو جائے گا۔ جب تک ہم نفس کے غلام ہیں اور ہمارے دل میں راجہ دانی مال و دار اور دنیا کی محبت ہے تو ہم دشمن کا مقابلہ نہیں کر پائیں گے۔ جنگ جیتنے کے لیے ہتھیار تیار کرنے سے لیاواہ Moral strenght بڑھانے کی تیاری ضروری ہے۔

سوال: پاکستان کے کچھ علاقوں میں جاری کشمکش کی وجہ سے کوئی کہتا ہے کہ یہ امریکہ کی جنگ ہے تو کسی کے نزدیک یہ پاکستان کی جنگ ہے۔

جواب: یہ جنگ کب اور کیسے شروع ہوئی تھی۔ یہ ماضی کا قصہ بن گیا۔ اگر یہ ہمارے کسی آدمی کی غلطی کی وجہ سے شروع ہوئی تھی تو بھی یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ آج جو لوگ جہاں تین ہورہے ہیں کیا وہ ہمارے بھائی، ہمارے بڑے یا ہمارے ہم وطن ہیں؟ سب سے پہلے اپنے ہم وطنوں کو Safe کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ فرض کریں اگر ہمارا کوئی بھائی کسی شخص سے لڑ پھڑکرا جائے اور وہ شخص آکر ہمارے گھر پر حملہ کر دے تو ہم بحث میں اُٹھنے کے بجائے کہ لڑائی کس نے شروع کی پہلے منہ کرنے والوں سے نہیں گے اور بعد میں یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ سارے مجسمے کی بنیاد کس نے ڈالی۔ قصص کس کے ذمہ جانے گا۔

اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ ہمارے ہم وطنوں پر حملہ ہو رہا ہے۔ پہلے ان کو جانکندہ محفوظ ہو جائیں۔ باقی فیصلے بعد میں ہوتے رہیں گے۔

سوال: کارپوریت سیکٹر میں دس بارہ گھنٹے کام کرنے کے بعد نماز اور بہت سی دیگر ذمہ داریوں کی ادائیگی رو جاتی ہے۔ ایسے میں کیا کیا جائے؟

جواب: مسلمانوں کے لیے رزق حلال کمانا عبادت ہے۔ جو لوگ دفاتر میں دس بارہ گھنٹے محنت کر رہے ہوتے ہیں وہ اپنے اور فیملی کے لیے رزق کما رہے ہوتے ہیں لیکن نماز کے اوقات میں نماز ادا کرنی چاہیے۔ اگر دفتری مصروفیات زیادہ ہونے کی وجہ سے اپنے اہل خانہ کو زیادہ وقت دینا اور حقوق العباد کی ادائیگی قدرے دشوار ہو تو الحمد للہ اہم جو انٹیلی جنس کی وجہ سے اپنی Duties کو دوسرے اہل خانہ کے ساتھ تقسیم کر کے حقوق العباد ادا کر سکتے ہیں۔ اور Long weekend پر خود آرام کرنے کے بجائے اپنے گھر والوں کو وقت دے کر ہفتے بھر کی کسر نکال سکتے ہیں۔ تمام ذمہ داریوں کی ادائیگی ضروری ہے لیکن پھر بھی اپنے اور اپنے اہل خانہ کے لیے رزق حلال کمانا زیادہ اہم ہے۔

سوال: نرو جانیٹ کی نظر میں پاکستان کا مستقبل کیسا نظر آتا ہے؟

جواب: نہ یہ ملک ہم نے بنایا تھا نہ اس ملک کے مستقبل کی پریشانی ہمیں ہونی چاہیے۔ رب تعالیٰ نے ایک تنہا شخص کو یہ نعت اور توفیق بخشی کہ وہ کھڑا ہو اور مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ وطن کے لیے جدوجہد کرے۔ یہ وطن وجود میں آ گیا تو اللہ تعالیٰ اسے قائم و دائم رکھے ہوئے ہے اور اُمید یہی ہے کہ رب تعالیٰ نہ صرف اسے قائم و دائم رکھے گا بلکہ دن بدن بہتری کی طرف لے جائے گا۔

مضامین سورۃ النور

اس سورہ کا تعلق انسان کی معاشرتی زندگی سے بھی ہے اور خانگی زندگی سے بھی۔ سورۃ النور کی ابتدا میں جلال دکھائی دیتا ہے۔ اس سورہ کا آغاز بڑے زوردار انداز میں ہوا۔ رب تعالیٰ نے ہم کو عیدِ استقبال کیا اور فرمایا کہ جو احکامات تمہیں دیے گئے ہیں وہ تم پر فرض ہیں۔ یہ بہت اہم نکتہ ہے۔ احکامات دینے سے پہلے یہ کہہ کر انسان کے لیے احکامات کی بجا آوری سے پہلو تھپی کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ ہم نے تم پر احکامات فرض کر دیے۔ یہ بہت Categorical statement ہے۔

انسان کی زندگی میں گھر کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کوئی انسان بڑا اور Constructive کامیاب تک نہیں کر پاتا جب تک اسے گھر کا سکون نہ ملے۔ بڑے کام کو Concentrate کرنے کے لیے گھر کا سکون بہت اہم ہے۔ بہت سے جھگڑوں کی وجہ گھر کا سکون ہی ہوتی ہے۔

گھر کے اندر خاندانی زندگی اور معاشرتی زندگی کے بنیادی پہلوؤں پر سورۃ النور میں احکامات نازل کیے گئے۔

سورۃ النور اٹھارویں پارے میں ہے۔ یہ دینی سورہ ہے ہجرت کے بعد نازل ہوئی۔ اس کی 34 آیات اور نور کو ع ہیں۔ اس کی 35 ویں آیت میں النور سورۃ السلوات والارض کے الفاظ سے اس سورہ کا نام Derive ہوا۔

اسلام میں پروئے کے ابتدائی احکامات سورۃ الاحزاب میں نازل ہوئے جب کہ سورۃ النور میں ان احکامات کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا۔ اس کے علاوہ حدود اور قصے الٹک کا بھی اس سورہ میں ذکر ہے۔

ایک ایسی معاشرتی برائی جو پورے معاشرے کو ہلا کر رکھ دیتی ہے یہ ہے کہ کسی شادی شدہ انسان کا اپنی خواہشات کی وجہ سے پاؤں Slip کر جائے اور انسان (مرد یا عورت) اپنے لاکھ پارٹنر کے ساتھ Faithful نہ رہے یا غیر شادی شدہ انسان اپنی خواہشات کے ہاتھوں بھڑک کر Slip کر جائے۔ ان معاملات کو اس سورہ میں Discuss کیا گیا ہے کیونکہ اگر Wife اپنے Husband سے یا Husband اپنی Wife سے Faithful نہ رہے یا غیر شادی شدہ لڑکے یا لڑکی سے کوئی ایسی تعرض ہو جائے تو اس وجہ سے آپس میں دشمنی جنم لیتی ہے اور معاشرتی تعلقات خراب ہو جاتے ہیں۔ اگر ایسا معاشرہ ہو جہاں ایسی تعرض کو تعالیٰ

کے طور پر نہ پیش کیا جاتا ہو۔ یہی وہاں کہہ نہ سکتے۔ معاشرتی تقاضے لازمی پیدا ہو جائیں گی جیسا کہ ہمیں مغربی ممالک میں نظر آتی ہیں۔ کیونکہ ایسی افروشی کے نتیجے میں دیہاتوں میں آنے والی انسانی جان ہاپ کی شفقت اور نہ ہی ماں کی موت حاصل کر پائے گی۔ مغربی دنیا میں بھی ایسے بچے Shelter homes میں ملتے ہیں۔ ایسے بچوں کی Psyche تباہ نہیں ہوتی۔ ان میں انتقام کا جذبہ شدید ہوتا ہے اور یہ عموماً جرائم کی طرف چلے جاتے ہیں۔ یہ افروشی ایسا جرم ہے کہ ایسا نفس معاشرے کا ہی نہیں بلکہ اللہ کا بھی مجرم ٹھہرتا ہے۔ کچھ جرائم میں انسان معاشرے کا مجرم ٹھہرتا ہے جیسے کسی کی جان لینا، کسی کو قتل کرنا۔ اس میں اگرچہ اللہ نے خون کا بدلہ خون رکھا لیکن ساتھ یہ گنجائش بھی رکھی کہ اگر مقتول کے لواحقین قاتل کو معاف کر دیں تو اس کو سزا نہیں دی جائے گی۔ وہ رب کا نہیں بلکہ مقتول کے لواحقین کا مجرم ہے۔ قاتل کو سزا دینا یا معاف کر دینا مقتول کے گھر والوں کی صواب دید ہے۔ اگر کوئی کسی کا مال زبردستی استعمال کر لے یا چوری کر لے تو چور کا ہاتھ کاٹ دینے کی سزا ہے۔

لیکن جس سے ایسی افروشی سرزد ہو اسے دوسری پارٹی معاف بھی کر دے تب بھی سزا تو Defer ہوگی نہ Waive off ہوگی۔ اس فیصلے سے معاشرے کو پاک رکھنے کے لیے ایک طرفہ معافی کی گنجائش بنادی گئی ہے اور سزا کے کچھ ہی ایجنٹ Set کر دیے گئے ہیں۔ کیونکہ اسلام کسی انسان کو محض سزا کے طور پر سزا دینے پر یقین نہیں رکھتا۔ میرے خیال میں اسلام کا پینل کوڈ مختصر ترین ہے۔ اس پینل کوڈ کو ٹور سے Study کرنے سے پتا چلتا ہے کہ سزا دینے کے سزا نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ جرم کرنے والے کو ایسی سزا دی جائے کہ وہ آئندہ جرم کرنے کے تصور سے ہی لرز اٹھے اور دوسروں کے لیے بھی عبرت ہو۔ اگر غیر شادی شدہ انسان سے ایسا جرم سرزد ہو جائے تو اسے سزا دے لگائے جائیں۔ اگر شادی شدہ ایسی افروشی کا مرتکب ہو تو اسے Publicly رجم کیا جائے۔ یہ بڑی دردناک موت ہے۔

انسانوں کو اس جرم سے دور رکھنے کے لیے ایسی سزا رکھ دی گئی کہ وہ اس کے خیال سے ہی کانپ اٹھیں اور دوسروں کے لیے بھی باعث عبرت ہوں۔ یہ سزا اور اصل ہماری معاشرتی زندگی کو Safe بنانے کے لیے ہے۔

سورۃ النور میں قصہ ایک بیان ہوا۔ مسلمانوں کا عروج دیکھ کر دشمن سازشیں کرتے ہی رہتے تھے جب تک انھیں یقین نہیں آتا کہ مسلمان اتنے طاقتور ہو گئے ہیں کہ جب چاہیں ہمیں سزا دے دیں۔ تب تک غزوات ہوتے رہے لیکن جب دشمنوں کو پتا چل گیا کہ وہ مسلمانوں کو Physically شکست نہیں دے سکتے تب دشمن اور منافقین سازشیں پھارتے آئے۔ منافقوں کے سرور عبداللہ بن ابی نے ایسی سازش کی جس سے مسلم معاشرے میں زلزلہ آ گیا۔ یہ ایک ایسی سازش تھی جس میں آپ ﷺ کے خاندان کے بارے میں افواہیں اٹھائی گئی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور میں اس معاملے کو صاف کیا اور پوری طرح اسے یوں واضح کر دیا کہ قیامت تک کوئی دوبارہ ایسی جرات نہیں کر پائے گا۔

قصہ ایک غزوہ بنی المصطلق کے بعد پیش آیا۔ غزوہ بنی المصطلق کے بارے میں مورخین کا کہنا ہے کہ

ہاں یہ شعبان صحیحہ میں پیش آیا۔ بنی المصطلق کے مطابق سورۃ النور صحیحہ میں چھ ماہ سے پہلے کا واقعہ ہے۔ ان کے نزدیک غزوہ بنی المصطلق غزوہ خندق سے ایک سال بعد پیش آیا۔ غزوہ خندق شمال میں پانچ گھنٹے میں پیش آیا۔ بہر حال ایک بات ملے ہے کہ سورۃ النور غزوہ بنی المصطلق کے بعد نازل ہوئی۔

گھر ہر انسان کے لیے آرام و سکون کی جگہ ہے۔ گھر کی چار دیواری کے اندر اس کی اپنی جگہ ہے۔ یہی ہے۔ گھر کے دروازے کے باہر معاشرتی زندگی ہے۔ اس لیے اسلام نے احکامات واضح کر دیے کہ کسی کے گھر پر اجازت داخل نہ ہوں۔ اس کے گھر نہ جھانکیں اور نہ ہی کان لگا کر بات سنیں۔ دروازے پر ہاتھ نہ دینے کے بعد بھی اگر صاحب خانہ دروازہ نہ کھولے تو آپ وہاں لوٹ آئیں اور نہ اندر جائیں کہ صاحب خانہ نے میرے لیے دروازہ نہیں کھولا اور مجھے Attend نہیں کیا۔

سوال: سورۃ النور کی تلاوت سے حاصل ہونے والے فوائد کیا ہیں؟

جواب: اس سورہ کو پڑھنے سے عام طور پر یہ اثرات ملتے ہیں کہ عداوت کرنے والے کی اولاد وسیع کی راہ پر رہتی ہے۔

سوال: ہندو معاشرے کے اثرات کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں دوسری شادی کو برا سمجھا جاتا ہے۔ دوسری شادی میں حاکم رکاوٹوں کی وجہ سے بھی پاؤں Slip کر جاتا ہے۔

جواب: آپ نے درست فرمایا کہ اسلام ہمیں بہت سی چیزوں کی اجازت دیتا ہے جن میں ہندو معاشرہ میں رہنے کی وجہ سے ہم ان چیزوں کو برا سمجھنے لگے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ لوگوں میں اس تعلیم کو عام کیا جائے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہم انھیں حلال قرار نہ دیں اور جن کو اللہ نے حلال کہا ہم انھیں حرام نہ سمجھیں۔

اس تعلیم کو عام کرنے سے غلط تصورات ختم ہونا شروع ہو جائیں گے۔ Subcontinent میں Multiple marriages یعنی Polygamy کو برا سمجھا جاتا ہے۔

میں ایک بار اپنے دفتری فرائض کی انجام دہی کے لیے اٹھا گیا۔ میٹنگ کے بعد رات گیارہ بجے ہوٹل میں دُنیادی اور عبادت کے فرائض سے فارغ ہونے کے بعد بیل پر نیم دراز ہو کر بیوی دیکھ رہا تھا جس پر ایک ہی چیخ اُٹھا "دور درشن"۔ اس پر جو پروگرام چل رہا تھا اس میں چار لوگ اسٹیج پر بیٹھے تھے جن کے طبقے سے اندازہ ہوا کہ وہ مسلمان ہیں۔ خاتون Host جو شاید فلموں میں بھی کام کرتی ہیں ایسی Language استعمال کر رہی تھیں جو بیوی کے معیار کے مطابق نہ تھی۔ وہ ان چاروں حضرات کو اپنے سوالوں سے رگیدہ رہی تھیں اور Multiple marriages کے حوالے سے سوال کر رہی تھیں۔ Audience میں ایک اٹھارہ اٹھ سالہ بچی بھی اپنے سوالات میں بہت Aggressive تھی۔ کہنے لگی "جب مسلمان مردوں کو ایک سے زیادہ سے شادیوں کی اجازت ہے تو عورت کو کیوں نہیں؟"

اسٹیج پر موجود حضرات اس کا جواب نہ دے پائے۔ شاید انھوں نے ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت نہیں

Written

قی ما سے

Interpret

بہت قدرت کا

بہت اہم ہے

ہے۔

بہت اہم ہے

بہت اہم ہے

بہت اہم ہے

بہت اہم ہے

بہت اہم ہے

بہت اہم ہے

بہت اہم ہے

بہت اہم ہے

بہت اہم ہے

بہت اہم ہے

بہت اہم ہے

پاٹھانہ وہ سب سے زیادہ سوالات سے انڈر پریشر ہونے کی وجہ سے جواب نہیں دے پا رہے تھے۔ میں نے ہونٹ
آپ پر گورڈیشن پروگرام میں کال Through کرنے کو کہا اور کال فوراً Through ہو گئی کیونکہ آپ میٹر نے
کہا کہ ایک پاکستانی بڑا یا آ یا ہوا ہے وہ بات کرنا چاہتا ہے۔

میں نے کہا "اچھا سوچو دوسرا صاحب شاید انڈر پریشر ہو مگر جواب نہیں دے پا رہے، میں آپ کے
سوال کا جواب عرض کر دیتا ہوں۔ اگر اسلام میں عورت کو بھی ایک ہی وقت میں چار شادیوں کی اجازت دے
دی جائے تو ایسی Chaotic society پیدان چڑھے گی جسے کوئی سنبھال نہیں پائے گا۔ مرد اپنی ذمہ داریوں
سے دور بھاگتا ہے۔ Multiple marriages کے نتیجے میں جو اولاد پیدا ہوگی اُسے اُس عورت کے
چاروں شوہروں میں سے کوئی بھی اپنی اولاد کے طور پر Own نہیں کرے گا۔ ہر مرد اس ذمہ داری کو دوسرے
پر ڈال دے گا۔ جب اُس بچے کو کوئی بھی شوہر Own نہیں کرے گا تو اُس بچے کو کس باپ کا نام دیا جائے گا؟
جب اُس بچے کے پاس باپ کا نام نہیں ہوگا تو وہ معاشرے میں کیا کہلائے گا؟ اسی طرح بچے کی
Maintenance کون ادا کرے گا کیونکہ مرد تو اپنے سگے بچے کو اکثر Afford نہیں کرتا۔ تیسری بات یہ
ہے کہ ایسے بچے کو کسی مرد کی جائیداد میں سے حصہ نہیں مل پائے گا۔ وراثت کے معاملات میں لڑائی جھگڑے اور
فساد شروع ہو جائے گا۔ عورت کے ساتھ یہ جھگڑا رہے گا کہ تم جس مرد کے ساتھ زیادہ وقت گزارتی ہو اُس سے
Maintenance charges لو، میں کیوں دوں! اور کوئی شوہر ماننے کو تیار نہیں ہوگا کہ عورت اُس کے
ساتھ زیادہ وقت گزارتی ہے۔ یوں ایک Chaos پیدا ہو جائے گا۔ انڈیا میں جو معاشرہ ہے وہ Multiple
marriages کی وجہ سے کرب کر مخالفت کرتا ہے کہ یہ عورت کے ساتھ نا انصافی ہے کہ وہ خود تو ایک خاندان کی پابند
ہے اور خاندان چار شادیاں کر لے۔ اسلام میں عورت کو ایک وقت میں ایک سے زیادہ شادیوں سے منع کرنے
کی وجہ یہ ہے کہ اسلام معاشرے کو Chaos سے بچانا چاہتا ہے۔"

مرد کو اس راہ سے بچانے کے لیے کہ جہاں وہ اپنی Wife کا Faithful نہیں رہتا۔ اُسے Multiple
marriages کی اجازت دے دی گئی لیکن اسلام نے اُس پر یہ پابندی بھی لگائی کہ وہ تمام بیویوں کے ساتھ
انصاف سے کام لے اور یہ ایک انتہائی مشکل امر ہے۔ کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی مرد اپنی تمام بیویوں کے
ساتھ یکساں لگاؤ رکھ سکے۔ لائف پارٹنر کی خوبیاں یا خامیاں اُسے اُس سے بہت قریب یا بہت دور
کر دیں گی۔

تاکہ اس میں ایک اور یہ بات ہے کہ بچوں کی شادی کے وقت والدین اُن کی مرضی کو اہمیت نہیں دیتے۔
اسلام میں جہاں پردے کی اتنی پابندی ہے کہ عورت کی آواز غیر مرد نہ سنے اور عورت ماحرم کے سامنے پوری
طرح خود کو حاشیے کے بعد چھپانے والی شادی کے معاملے میں لڑکے اور لڑکی کو ایک دوسرے سے بات کرنے
اور ایک دوسرے کیسے کی اجازت دی گئی۔ والدین پر فرض کر دیا کہ آپ بچوں کی پسند پوچھ لیں۔

تاکہ اُس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک وہ دونوں (لڑکا اور لڑکی) خود "قبول" ہے نہ کہہ دیں۔ اولاد

کے Behalf پر باپ "قبول" ہے "نہیں کہہ سکتا" لیکن ہم اللہ کے دیے ہوئے اس فن کا ادراک سے محبت لینے
ہیں۔ ہم اپنی اولاد بالخصوص اپنی بیٹیوں کو یہ حق نہیں دیتے کہ وہ اپنی مرضی سے کہہ سکیں کہ ہم جان بوجھ کر
کرن چاہتی ہیں۔ جو حق اللہ نے ہماری اولاد کو دیا ہے ہم والدین کو چاہیے کہ وہ حق اُن کے پاس سنبھالیں۔
اسی طرح چار شادیاں اسلام میں جائز ہیں، ہم انھیں حرام قرار دے دیں اور حق اُسے نہ انھیں۔

سوال: کیا ایک کنواری مسلمان لڑکی اپنے والدین کی مرضی کے بغیر نکاح کر سکتی ہے؟

جواب: ہمیں دیکھنا ہے کہ نکاح کی شرائط کیا ہیں۔

1۔ لڑکا اور لڑکی بالغ ہوں۔

2۔ نکاح پر راضی ہوں۔

لیکن اولاد پر اخلاقی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ والد جنھوں نے اپنے خون پیسے کی تحویل اور والدہ
جنھوں نے اپنے خون سے بنے دودھ سے بچوں کی پرورش کی رزاقوں کو باگ کرنا نہیں چاہا اُسے لوٹ محبت
کی، اُن کے سامنے اپنی پسند رکھ دیں تاکہ وہ اپنے تجربے کی کسوٹی سے پرکھیں کہ اولاد کی پستہ ڈال دیا کی ضرورت
صحیح ہے یا نہیں۔

سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کلمہ میں نکاح کرو اور کلمہ میں پیغام
بھیجو۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث 1968)

لیکن بچے اپنے جذباتی پن کی وجہ سے اس بات کو سمجھ نہیں پاتے۔ انھیں چاہیے کہ جب وہ اپنی پستہ
والدین کے سامنے رکھیں تو پھر اُن کی محبت، تجربے، تعلیم اور Wisdom پر اعتماد رکھیں اور والدین کے فیصلے کو
اپنے فیصلے پر ترجیح دیں۔

سوال: راہ تصوف میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دامن کو کیسے پکڑا جائے؟

جواب: ہم شرعی احکامات کی پیروی کریں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فرمودات سے روشنی لیتے رہیں تو
ہماری روح کی پاکیزگی کا سفر زیادہ تیز ہو جائے گا کیونکہ یہ فرمودات علم کا بہت اعلیٰ نمونہ ہیں۔ شرعی احکامات
کی پابندی کرنے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نادر فرمودات سے روشنی حاصل کرنے والا انسان علم کی جانب
بہت تیزی سے سفر کرتا ہے۔ جو لوگ انسان میں علم بڑھتا ہے تو ان کو رب تعالیٰ اُس کی عقل میں اضافہ کرتا
چلا جاتا ہے۔ یوں وہ انسان صاحب علم و فراست ہونے لگتا ہے۔ یہی اصل تصوف ہے۔

قلبی وارداتیں

قلبی وارداتیں دو طرح کی ہوتی ہیں:

1۔ احوال

2۔ مقام

احوال کی واردات میں ہر فقیر، اہل علم، درویش کسی نہ کسی چیز میں قدرت کا جلوہ دیکھ لیتا ہے۔ یہ کیفیت احوال اللہ تعالیٰ ہر فقیر کو عطا فرماتا ہے لیکن اہل مقام بہت کم صوفیاء درویش ہوتے ہیں۔ اہل مقام وہ ہیں جنہیں خلوت میں قدرت کا جلوہ دیکھنے کا موقع مل جاتا ہے۔

اہل مقام زیادہ بڑے اہل علم ہوتے ہیں لیکن اس مقام تک پہنچنے کے لیے جس راستے اور سفر سے وہ گزرتے ہیں وہ خاصا ٹھن ہے۔ اس کے Test بھی بڑے مشکل ہیں اور Distractions بھی بے تحاشا ہیں۔ مختلف چیزیں انسان کو راستے سے ہٹاتی رہتی ہیں۔ شیطان مختلف کھیل کھیلتا رہتا ہے۔ شیطان کا ایک حربہ بڑا کمال ہوتا ہے کہ وہ انسان کو یقین دلا دیتا ہے کہ تم علم کے کمال کو پہنچ گئے ہو، ہر لحاظ سے مکمل ہو۔ تم سب سے زیادہ باتوں کو جانتے ہو۔ سب سے زیادہ صاحب کمال ہو۔ جہاں انسان اس حربے کا شکار ہوا (اور وہ بہت جلدی اس کا شکار ہو جاتا ہے) وہیں وہ اپنے مقام سے گر گیا۔

یہی تو شیطان کے ساتھ ہوا۔ جب اسے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا تو یہ حکم ہونے اور اس کا انکار کرنے سے پہلے تک وہ فرشتوں میں بہت اعلیٰ مقام رکھتا تھا۔ اس نے چپے چپے پر سجدے کیے تھے لیکن وہ اس مقام سے گر گیا جب اس نے کہا کہ یہ پتلا جو منی سے بنا ہے اور جس کی کوئی افادیت نہیں، میں اسے کیوں سجدہ کروں جب کہ میں آگ سے بنا ہوں جو بڑھت ہے اور اپنا رنگ بدلنے کی بھی صلاحیت رکھتی ہے۔ جب شیطان کو یہ خیال ہوا کہ میں اس مٹی کے پتلے سے اعلیٰ ہوں اور اسی لیے اس کمال کو پہنچا ہوں تو اس خیال کی بنیاد پر نہ صرف اس نے جنت کی بلکہ اس جنت پر اسرار بھی کیا۔

شیطان انکار کرنے سے نہیں بلکہ جنت پر اسرار کرنے کی وجہ سے اطمینان کھایا۔ حکم سے سر تابی حضرت آدم علیہ السلام سے بھی سرزد ہوئی لیکن فرق دونوں میں یہ تھا کہ شیطان نے نافرمانی پر اسرار کیا اور اطمینان ہو

گیا، حضرت آدم علیہ السلام نے غلطی کی مگر نافرمانی کی گئی اور اس نے اطمینان نہ کر سکا کہ چاہے وہ جنت میں خلافت بھی عطا کر دی۔

شیطان جس خیال سے اپنے مقام سے گرا وہی خیال وہ انسان کے دل میں لگتا ہے اور اس کا یہ حربہ شاذ و نادر ہی رانگاں جاتا ہے۔ اہل مقام پر ہی یہ حربہ ٹھن آتا ہے تاکہ کچھ جیسے ایسا دروازہ کھولے گا۔ یہی اس میں پھنس جاتے ہیں۔

ہم جیسے دنیا داروں کے ذہن میں بھی یہ خیال آ جاتا ہے کہ میرے پاس بہت علم ہے۔ میں دوسروں سے زیادہ جانتا ہوں۔ میرے پاس ایسا علم ہے کہ مجھے مزید کچھ سیکھنے کی ضرورت نہیں۔ جہاں انسان کے دل میں یہ خیال آیا تو نہ صرف اس کے آگے بڑھنے کا عمل رک گیا بلکہ نیچے گرنے کا عمل شروع ہو گیا۔ اس کے ذہن کی ابتدا ہو گئی۔

انسان کا سفر جاری رہتا ہے۔ اس میں جمود نہیں آتا۔ یہ بھی ممکن نہیں۔ اس میں یا تو انسان کے آگے بڑھنے کا عمل ہوتا ہے یا وہاپسی کا۔ کہیں جمود نہیں آتا۔

انسان اس وقت تک آگے بڑھتا رہتا ہے جب تک اس میں سیکھنے کی خواہش ہوتی ہے۔ جہاں سیکھا اس پر عمل کر لیا تو اس کی ترقی ہو گئی۔ اس راہ کی منزل بہت اونچی ہے اور اس منزل پر صرف آپ سیکھا ہی پہنچ سکے۔ باقی کوئی منزل کو نہ پہنچ سکا۔ باقی سب اس راہ کے مسافر ہیں۔ کوئی ایک میل دور تو کوئی دس میل دور۔

یاد رکھیں! اس وہم کا شکار ہو کر کہ میں اچھا ہوں، انسان اپنے اس زوال کا سفر شروع کر دیتا ہے جو اسے پاتال کی گہرائیوں میں لے جاتا ہے۔

رب تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں غصہ رکھا۔ جب اسے غصہ آتا ہے تو اس کی عقل، سمجھاؤ، علم سب ہو جاتا ہے۔ عقل، علم اور سمجھ غصے سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ اللہ نے تو اس لیے انسان کی فطرت میں غصہ رکھا تھا کہ انسان اپنی حفاظت کر سکے۔ لیکن انسان کی کم علمی غصے کو اس مقام پر لے گئی جہاں وہ غصے سے یوں مغلوب ہو جاتا ہے کہ اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اگر کسی انسان کی اصلیت دیکھنا ہو تو تین چیزیں دیکھیں۔

1۔ غصے میں وہ کیا کہتا ہے کیونکہ غصے میں جو اندر ہو وہ باہر آ جاتا ہے۔

2۔ بہت زیادہ خوشی میں اس کا رویہ کیا ہے۔

3۔ جب اسے کسی کے ہاتھوں بڑا نقصان یا دکھ پہنچا تو اس کا رویہ کیا ہے کیونکہ ایک صورت میں بھی اس کی اصلیت کھل جاتی ہے جو اس کے اندر ہو وہ اگل دیتا ہے۔

حکیم القرآن کو عقل کا Icon (تمثال) کہا جاتا ہے۔ وہ حکمت کا نشان ہیں۔ حکیم القرآن عقلی انسان کا علم ہے

ہمیں وہ تعالیٰ نے انھیں بے بنیاد علم و حکمت سے نوازا تھا۔ بہت نیک انسان تھے۔ ان کے آقا کا ایک باغ تھا جس کی دیکھائی حکیم لقمان کرتے تھے۔ چونکہ علم و حکمت کی وجہ سے یہ کم آئیز تھے اور لوگوں سے زیادہ کھلتے ملتے نہیں تھے اس لیے ان کے ساتھی اس کم آئیزی کو بے وقوفی پر محمول کر کے فائدہ اٹھانے کی کوشش کیا کرتے اور درختوں پر لٹکے ولا چل خوا کھا لیتے لیکن آقا کے سامنے حکیم لقمان کا نام لگاتے۔ جس کی وجہ سے آقا رفتہ رفتہ حکیم لقمان سے تامل و تدبیر رہنے لگا۔ یہ صورت حال دیکھ کر ایک روز حکیم لقمان نے بڑے مود باندا انداز میں آقا سے جارحی کی وجہ دریافت کی تو آقا نے کہا "تم میرے درختوں کے پھل چرا کر کھا جاتے ہو، تمہارے ساتھی اس کے گواہ ہیں۔" حکیم لقمان نے کہا "میرے آقا میں ثابت کر سکتا ہوں کہ پھل میں نہیں بلکہ کوئی اور کھاتا ہے۔" ایک دن جب بہت کم پھل آقا کے پاس پہنچائے گئے تو وہ بہت برہم ہوا۔ حکیم لقمان نے کہا "ابھی فیصلہ ہو جاتا ہے کہ پھل میں نے کھا ہے یا باقی لوگوں نے۔ آپ سب غلاموں کو اکٹھا کر کے خوب گرم پانی پلائیے اور پھر انھیں دوڑنے کا حکم دیں۔ جب وہ دوڑیں گے تو انھیں قے آئے گی اور جو کچھ انھوں نے کھایا ہوگا وہ باہر آ جائے گا۔" آقا نے ایسا ہی کیا۔ جب سب کو قے آئی تو دیکھا کہ ہر غلام کی قے میں پھل کے ٹکڑے ہیں جب کہ حکیم لقمان کی قے صاف پانی ہے۔ یوں بھید کھل گیا کہ اصل بے ایمان اور چور کون تھا۔ یوں مجھ لیجئے کہ طعمہ بھی کچھ کھانے کے بعد گرم پانی پی کر دوڑنے کے مترادف ہے۔ جب طعمہ آتا ہے تو انسان کی اصل طبیعت سامنے آ جاتی ہے۔ اس کے اندر جو کچھ ہوتا ہے وہ اگلے لگتا ہے۔ عقل مند غصے کو قابو میں رکھتے ہیں تا کہ ان کے پیٹ میں جو کچھ دودھ میاں نہ ہونے پائے۔

روحانیت میں نصرتِ حق قائل ہے۔ وہ فقیر جسے طعمہ بہت آتا ہے وہ روحانیت میں بہت آگے نہیں بڑھ پاتا۔ روحانیت میں آگے بڑھنے اور رب تعالیٰ سے انعام پانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ہم دوسروں کے جبر کو Smiling face کے ساتھ سہتے رہیں۔ لوگوں کے طعن و طنز اور تحقیر کو مسکراتے چہرے کے ساتھ برداشت کر لیں۔ لیکن یاد رکھیے کہ اگر دل میں طعناں مارا اور صرف ظاہری طور پر مسکراتے رہے تو بات نہیں بنے گی۔

بات صرف تب بنے گی جب کوئی انھیں کہے کہ تم سے بڑا چور میں نے کوئی نہیں دیکھا تو انسان خود کو یوں سمجھائے کہ یہ بڑا بھلا آدمی ہے۔ یہ جھوٹ نہیں بولتا، میں یقیناً چوری ہوں گا جو اس نے مجھے ایسا کہا۔ مجھے اس کا شکریہ ادا ہونا چاہیے کہ اس نے میری ایک غلطی Point out کر کے مجھے اپنی اصلاح کرنے کا موقع فراہم کیا۔

اسی طرح اگر ایک شخص طعن و طنز یا تحقیر کرتا ہے تو انسان خود کو سمجھائے کہ میں یقیناً ایسا ہی ہوں جو اس نے مجھے ایسا کہا۔ جب وہ اس سے شک سے کہنے لگے کہ آپ کو مددگار نے گتے تو پھر ولایت اس سے زیادہ ڈر نہیں۔ جب اس کی اصلاح بہت جلد سے ہوتی ہے اور وہ بہت جلد اپنی اصلاح کو تسلیم کرتا ہے۔

فقیر یا دودھ کش کو آپ ہمیشہ بہت خوش اخوار پائیں گے۔ اس کے طور طریقے، اس کی اقدار، نشست و

پر خاست و نشست میں ایسا سلیقہ و تربیت دکھائی دے گا جو دل کو بھاتا ہے کیونکہ وہ اس سلیقہ و تربیت سے اخلاقی سنت نبویؐ کو محسوس سے منور ہے۔ آپ سیکھنا کہ اخلاقی منہج انسان سے اخلاقی عمل میں۔ وہاں سے لی گئی روشنی سب کو بھائے گی۔ اس لیے فقیر دوستوں ہمیشہ خوش اخوار و خوش سلیقہ ہوتے ہیں۔ لیکن یہ عمل بار رہے کہ مولانا دروم کے بقول "روحانیت کی راہ میں ہمراہی ہے قیام و حیات۔"

مولانا دروم حضرت علیؑ نے اپنی تصانیف میں جگہ جگہ "highlight" کیا کہ روحانیت کی راہ میں ایسے لوگ آگے ہیں جو درحقیقت وہ نہیں جو خود کو ٹکا چڑھتے ہیں۔

مولانا دروم حضرت علیؑ نے اہل علم کی دو قسمیں بتائی ہیں۔

1- جو علم کے گھوڑے پر سوار ہو جاتے ہیں۔ علم کی کتاب میں ان کے پاؤں اور علم کی گامان کے ہاتھ ہیں ہوتی ہے اور وہ علم کی سواری کو صحیح سمت میں دوڑانے لگتے ہیں۔ یہ اصلی علم والے لوگ ہیں۔

2- دوسری قسم وہ ہے جس میں علم انسان پر سواری کر رہا ہوتا ہے۔ اس پر کتب اور معلومات کا بوجھ لگا ہوتا ہے۔

مولانا دروم حضرت علیؑ نے دوسری قسم بیان کرنے کے بعد خاصے تحت الفاظ استعمال کیے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ انسان اہل علم کی اس قسم میں داخل ہو جائے جہاں انسان علم کی سواری کرتے لگے۔

مولانا دروم حضرت علیؑ کے مطابق دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو چند احادیث، آیات اور بزرگانِ دین کے اقوال یا ذکر لیتے ہیں اور جگہ جگہ انھیں Quote کر کے لوگوں کو یہ تاثر دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں کہ وہ صاحبِ علم ہیں۔

میں بھی لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے بعض اوقات یہ بات کہا کرتا ہوں کہ رب تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور وہ مقام عطا کیا کہ فرشتوں نے اسے سجدہ کیا۔ جسے فرشتوں نے سجدہ کیا وہ انسان اٹھا کمزور کیسے ہو سکتا ہے کہ جنات اس پر قابو پالیں یا اسے اپنی مرضی کے مطابق چالیں۔ یہ تو انسان ہے جو جنات پر قابو پالے گا اور ان پر سواری کر لے گا اس لیے کہ وہ جنات سے افضل ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ انسان جسے فرشتوں نے سجدہ کیا اس پر مسائل سوار ہو جائیں۔ یہ تو انسان ہے جو مسائل پر سوار ہو گا وہ مسائل کو اپنی مرضی کے مطابق حل کرے گا۔ مسائل اسے اپنی مرضی کے مطابق پریشان نہیں کریں گے۔

ہم فرادِ اسی بات پر پریشان ہو جاتے ہیں۔ کم از کم ہمراہی یہ تو کیا ہے کہ اگر کوئی مجھے ذریعہ تکمیل پر تنگھاں مل رہا ہو تو میں فوراً گاڑی ڈرائیو کر کے سو فیصد سولہ اور دھڑکنا صاحب کے پاس جا کر کہتا ہوں کہ ڈاکٹر دیجیے کہ مجھے ذریعہ تکمیل پر تنگھاں مل جائے۔ شام کو آتا ہوں تو تنگھاں مل جائے کہہ دیتا ہے۔

جب میں پھولے پھولے مسائل کو اس طرح سر پر سوار کر لیتا ہوں تو اپنے مقام سے بہت نیچے آ جاتا

ہوں۔ جب میں اشرف المخلوقات کہہ رہا تھا۔ مسائل افضل ہو گئے کیونکہ میں نے مسائل کو کنٹرول نہیں کیا بلکہ مسائل نے مجھے قابو کر لیا۔

اللہ نے فرمایا کہ میرے دوستوں کو خوف نہیں۔ لیکن یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ہمیں خوف و پریشانی کا سامنا رہتا ہے۔ یہ دراصل ایک ولی اللہ اور عام انسان کے رویوں کا فرق ہے۔ اللہ نے انسان کی سرشت میں جو خوف رکھا وہ بھی اُس کی حفاظت کے لیے رکھا۔ مثلاً اگر مجھے آگ سے جلنے کا خوف نہ ہو تو میں آگ کو پکڑنے کی کوشش کروں گا اور اپنا ہاتھ جالوں گا۔ یہ خوف دراصل Defence mechanism ہے لیکن ولی اللہ کا خوف، ڈکھ رنج Momentary ہوتا ہے۔ ایک لہر آتی اور لوٹ گئی۔ صاحبِ علم کو جب کبھی کسی ڈکھ، رنج یا خوف کا سامنا ہو تو وہ ایک لمحے محسوس کرے گا اور پھر ٹھیک ہو جائے گا۔ عام انسان کا بیٹا انتقال کر جائے تو اُس کی کمر لوٹ جاتی ہے وہ ڈکھ سے بے زار ہو جاتا ہے جب کہ ایک ولی اللہ کا ڈکھ وقتی ہوتا ہے۔ وہ کچھ عرصے میں سنبھل جاتا ہے۔

ایک عام انسان اور ولی اللہ میں یہی فرق ہے اور اسی فرق کو اللہ تعالیٰ نے Refer کیا ہے۔ انسان میں یہ صلاحیت اور خوبی تب پیدا ہوتی ہے جب اُس کے پاس علم آجائے۔ جب وہ صاحبِ مقام ہو جائے پھر رب تعالیٰ پر اُس کا بھروسہ اُس درجے کا ہوتا ہے کہ کوئی چیز اسے بلا نہیں پاتی، پریشان نہیں کر پاتی۔ ڈکھ یا پریشانی لہجوں کی ہوتی ہے۔ لہجوں میں وہ دوبارہ باہل ہو جاتا ہے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ انسان کی فطرت نہیں بدلتی۔ جو چیزیں فطرت میں ہیں وہ ختم نہیں ہوتیں۔ کچھ لوگ اُن پر قابو پالیتے ہیں۔ وہ اپنی سرشت اور جبلت پر قابو پا کر خود کو Superior ثابت کرتے ہیں تو کچھ اُس کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔

مولانا دہم علی صاحب نے اعلیٰ علم کی جو دوسری قسم بیان کی تھی کہ اُن پر معلومات اور کتب کا بوجھ لدا ہے۔ جیسے ہم ٹوٹی کھولتے ہیں تو اُس وقت تک پانی اُس میں سے آتا رہے گا جب تک ٹینک خالی نہ ہو جائے۔ لیکن تو اس سوچے کہ اُس ٹوٹی یا ٹنگے کے پاس اپنا کیا ہے؟ پانی ٹینک میں ہے۔ ٹوٹی یا ٹنگے کی اپنی Value تو کوئی بھی نہیں۔ اسی طرح جب انسان نے معلومات محض اکٹھی کی ہوتی ہیں تو وہ اُس گھاس کے مانند ہوتا ہے جسے ہم نے کسی دریا یا تالاب، ٹینک یا ٹنگے سے بھرا ہوتا ہے اور پھر اُسے ایک طرف رکھ دیتے ہیں تاکہ اُس کی اندر مٹی یا ریت کے ذرات نیچے بیٹھ جائیں۔ یہ کچھ دیر میں اُس پانی میں موجود کثافتیں Settle down ہو جاتی ہیں لیکن اگر اُس گھاس کو ہلا دیں تو وہی کثافتیں پھر اُپر اٹھ آتی ہیں۔ اسی طرح جب انسان کے اپنے اندر علم نہیں ہوتا تو شیطان کا ہکا بھکا، بہکاوا، غصے کی ذرا سی خواہش، حالات کا تھوڑا سا جبر اُس کے اندر کی کثافتوں کو ظاہر کر دیتا ہے۔ یہ علم ہے جو اندر کی کثافتوں کو ظاہر کرتا ہے۔ فکرمند کے بعد جو پانی گھاس میں بیٹے گا وہ صاف ستھرا اور پینے کے لائق ہوگا۔ یہ صرف علم ہی ہے جو انسان کی کثافتوں کو زور دے رہا ہے۔

سوال: یہ کیسے چاہئے کہ اہل حجاز اُفق ولی اللہ ہے؟

جواب: ولی اللہ کے حجاز پر ماضی کی کھن قب کا باعث ہے اور یہ جانتا ضروری نہیں کہ اہل حجاز اُفق ولی اللہ ہے۔ اُفق سے لیے اُس اتنا ہی کافی ہے کہ قبرستان جائیں تو منہ کے مطابق اہل قور کو سلام کریں۔ اگر خود ولی اللہ کے اُس کا جواب اہل قور کو پہنچا دیں۔ یہ بات خود اُفق سے اپنے لاکھ سے بھی ہے کیونکہ اُس کا قراب خود اُفق سے اپنے ہمارے اعمال میں بھی گھونچ جائے گا۔

اہل حجاز کے ولی اللہ ہونے یا نہ ہونے کی گریہ میں نہ پڑیں۔

اللہ نور ہے

سوال سورہ النور کی آیت نمبر 35 میں ارشاد ہوا جس کا ترجمہ ہے۔

"اللہ آسمان و زمین کا نور ہے۔"

ایک فقیر اس نور کی تشریح کیسے کرے گا؟

جواب۔ جب کہ ہم نہیں تھا صرف رب تعالیٰ اور اس کے فرشتے تھے تو رب نے چاہا کہ وہ کوئی ایسی تخلیق کرے جس سے اس کی ذات کا اندازہ ہو سکے۔ یہ وہ وقت تھا جب صرف اللہ تعالیٰ کا نور قائم تھا یا فرشتے تھے۔ رب تعالیٰ کا نور جس کو اس آیت میں Refer کیا گیا ہے یہ وہ نور نہیں جو اس وقت سے پہلے تھا بلکہ بعد کے نور کو Refer کیا گیا ہے۔

ایک تو رب کا نور ذات ہے دوسرا نور قدرت ہے۔ رب کا نور قدرت بہت چمک دار و دھیمارنگ کا ہے جسے کسی مرکز کی ویلنٹین لیمپ کی روشنی بہت دور دھیمیا چمک دار ہوتی ہے۔ ایسے خوش نصیب لوگ بھی ہیں جنہیں یہ شرف رب نے انہیں ان انھوں نے رب کا نور کسی نہ کسی طریقے سے دیکھ لیا۔

نور ذات دیکھنے کا شرف بہت کم لوگوں کو حاصل ہوا۔ نور ذات کا رنگ ہی دکھائی دیتا ہے کیونکہ نور ذات کا بطور کوئی سہ نہیں سکتا۔ نور ذات آسمانی رنگ سے بھی بہت ہلکا چمک دار نیلا رنگ ہے۔ بہت کم لوگوں کو یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ وہ اس نور کے جگمگ کو دیکھ لیں۔

جب رب نے چاہا کہ وہ کائنات کی تخلیق کرے تو اس نے اپنے نور کے قلبی حصے سے نور کا حصہ لیا یا یوں

کہہ لیجئے کہ اپنے نور کے قلبی حصے سے ایک نور پیدا کیا جس کا نور حانیت میں اصطلاحی نام نور المراد یہ ہے۔

اس نور سے آپ سید عالم کی تخلیق ہوئی۔ پھر نور المراد یہ کے قلبی حصے سے رب تعالیٰ نے ایک اور نور پیدا کیا جسے نور الہدیٰ کہتے ہیں۔ پھر نور الہدیٰ کے وہ حصے کیے۔

1۔ نور الہدیٰ المستقیم

2۔ نور الہدیٰ العالین

نور الہدیٰ المستقیم سے تمام انبیاء کی اصلاح تھیں یہی جب کہ نور الہدیٰ العالین سے دیگر تمام انسانوں

کی اصلاح تھیں۔

اب ہمیں یہ بات سمجھ آ جائے گی کہ جب نور المراد یہ کے قلب سے نور الہدیٰ کو پیدا کیا ہوا تھا تو نور الہدیٰ شرم و حیا کی وجہ سے پردے میں چلا گیا شرم و حیا کے پردے کی وجہ سے نور حانیت پیدا ہوئی یا اس حانیت نے پھر ساری چیزوں کو قائم دیا۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ یہ کائنات آپ سید عالم سے محبت کی وجہ سے بنائی گئی آپ سید عالم اپنے قلب کا نور ہیں، یہ نور حانیت میں اسی نکتے کی طرف اشارہ ہے۔

رب کے نور کا نام نور العالی ہے۔ نور العالی کی چمک اس قدر بڑی ہوئی ہے کہ وہ سیاہی مائل چمک دار ہو گئی ہے جیسے کوئی چیز جب گرم ہوتی ہے تو ہم اسے Red hot کہتے ہیں لیکن جب Red hot کے Point کو Exceed کر جاتی ہے تو White hot ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب چمک حد سے بڑھ جاتی ہے تو ہم اسے اندھیرے میں تبدیل ہونے لگتی ہے لیکن وہ اندھیرا لایا نہیں کہ جس میں کچھ دکھائی دے۔

اس سیاہی مائل نور کی مثال ایسا ہے کہ انسان حالت خند میں اندھیرے میں ہوتا ہے۔ اس اندھیرے میں اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا لیکن جب وہ اس میں خواب دیکھتا ہے تو وہ اندھیرے میں ہے کہ ہارک سے ہارک Detail بھی دیکھ لیتا ہے۔ آپ کوئی خواب یاد کیجیے۔ آپ کو گھمے گا کہ اندھیرے میں ایک دم ایسا Patch آگیا تھا جو دکھائی دیتا ہے۔ نور اتنا سیاہی مائل چمک دار ہوتا ہے کہ اس میں ہارک سے ہارک Detail بھی نظر آ جاتی ہے۔ نور المراد یہ کی شکل تھری کی سی ہوتی ہے۔ یہ احتمالی چمک White ہوتا ہے۔

یہ جو ہم کہتے ہیں کہ ہر شے میں اللہ کا نور ہوا ہے۔ اس بات کی ہمیں اس حد سے سمجھ جانی ہے جب یہ پتہ چلتا ہے کہ تمام چیزیں نور الہدیٰ المستقیم اور نور الہدیٰ العالین سے بنی ہیں اگر ہم نور الہدیٰ کی Backward درنگ کریں تو وہ نور العالی کا حصہ بن جائے گا۔

آپ سید عالم کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ سید عالم عرض پر فرما لیے مجھے تھے نور رب تعالیٰ اور آپ سید عالم کے مابین بالمشافہ گفتگو ہوئی۔ اس وقت رب تعالیٰ اور آپ سید عالم کے درمیان ایک لیکن سا پروردگار۔ دو پردہ بھی نور ہی کا تھا۔ رب تعالیٰ کے نور نے پوری کائنات کو گھیر لیا ہوا ہے، وہ پوری کائنات میں بستا ہے۔

سوال۔ عام طور پر اللہ کے کون سے نور کی زیارت لوگ کرتے ہیں؟

جواب۔ ایسے خوش نصیب لوگ جو نیکی کی راہ پر چلتے ہیں ان میں سے بہت سے لوگوں کو نور کی جھلک دکھائی گئی۔ جو لوگ نیک ہیں اور رب کو پاکارتے رہتے ہیں انھیں جس نور کو دیکھنے کا شرف ملے گا وہ نور ان کا نور الہدیٰ چمک دار ہے جس کا ذکر سورہ النور میں ہوا۔ یہ نور قدرت ہے۔ نور ذات ہر انسانی کے لیے نکتہ کا

Writer
نور
Interph

نور ذات کا
نور
نور

نور کا چمک
نور
نور

نور
نور
نور

نور
نور
نور

چمکے اور ہے اس کی زیارت کا شرف بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ طور پر اللہ کی چمکی کی تاب نہ لاسکے اور بے ہوش ہو گئے۔ عام لوگ اسے کیسے Absorb کر لیتے ہیں؟

جواب: ہوش غیب لوگوں کو رب کی چمکی نہیں بلکہ رب کے نور کا کس خواب میں دکھائی دیتا ہے۔ رب کی چمکی کوئی اور چیز ہے جب کہ رب کی قدرت کے نور کی جھلک کچھ اور ہے۔ وادی طوی میں رب کی جو آواز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سنی وہ بھی نور الہدیٰ ہی کی تھی۔ جو چمکی کوہ طور پر ڈالی گئی وہ رب کی چمکی تھی۔ رنگ نہیں تھا۔ رب کی چمکی کی تاب کوئی نہیں لاسکتا۔

میں گفتگو میں اکثر حضرت احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا حوالہ دیا کرتا ہوں کہ انھوں نے رب تعالیٰ کی خواب میں زیارت کی تھی۔ انھوں نے رب کی چمکی نہیں دیکھی تھی بلکہ رب تعالیٰ کی قدرت کے نور کا کس یا رنگ دیکھا تھا۔ یہ نکتہ قابل غور ہے کہ رب کی قدرت کے نور کا جو رنگ ہے وہ چمکی نہیں بلکہ کس ہے۔

سوال: مجذوبین اور مسالکین سے کیا مراد ہے؟

جواب: جو لوگ اللہ کے عشق میں یوں ڈوب جاتے ہیں کہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھیں وہ مجذوبین کہلاتے ہیں۔ جب کہ سالک وہ ہیں جو اللہ کے عشق میں اپنے ہوش و حواس کو قائم رکھتے ہیں لیکن ان پر بھی کبھی کبھی عاقبت جذب طاری ہو جاتی ہے۔

نوہ حانیت میں اس کے لیے دو اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں:

1- حالت سحر

2- حالت سکر

حالت مجذوبہ ہے جب ولی اللہ اپنے ہوش و حواس میں دو امور معمولات زندگی سرانجام دے رہا ہو۔

حالت سکر جذب کی حالت کو کہتے ہیں۔ جب انسان اللہ کے عشق میں ہوش و حواس سے بے گانہ ہو جاتا ہے اس حالت میں کئی ہوتی بات عام طور پر چلی نہیں۔

سوال: حق چادر یا۔ حاجی، خواجہ، قطب، مرید۔ ان کا آپس میں کیا تعلق ہے؟

جواب: اگر آپ نور کریں تو پتا چلتا ہے کہ یہ وہ چادر بزرگ ہیں جن کے دیے سے دیا جلا ہے۔ حاجی سے مراد ہے حاجی وارث پاک رحمہ اللہ جن کا تعلق مکہ سے 35 میل ذرا ایک قصبہ دیول شریف سے تھا۔ جب وہ حاجی ہو گئے تو واپس آنے کے باوجود آخری ایام عمر تک احرام نہیں کھولا۔

خواجہ سے مراد حضرت معین الدین چشتی رحمہ اللہ المعروف خواجہ غریب نواز صاحب ہیں۔

قطب سے مراد ہیں حضرت قطب الدین گھنیا ریکا کی حوالہ دینے اور فرید سے مراد ہیں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمہ اللہ۔

ان چاروں کو دوست کہا جاتا ہے لیکن مراد یہ ہے کہ ان کی ہمت سے یہ سلسلہ اجلا ہے۔ سلسلہ وار ہے۔
ہی حاجی صاحب سے ہے لیکن ان کی چشمہ سلسلے سے بہت دور تھی اور تھیں۔ خواجہ غریب نواز صاحب اور حضرت
مرشد تھے قطب الدین گھنیا ریکا کی صاحب خاصہ کے اور جناب قطب الدین گھنیا ریکا کی صاحب خاصہ
مرشد ہیں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر صاحب ملا صاحب کے۔ یوں چاروں سے جدا جدا ہے۔

written

لکھا ہے

interpret

کی خدمت

یہاں ہے

ہے

یہ کو ہے

تہا ہے

یہاں ہے

یہاں ہے

یہاں ہے

یہاں ہے

یہاں ہے

یہاں ہے

یہاں ہے

یہاں ہے

یہاں ہے

نعمده و نصلي، عليٰ رسولہ الكريم اما بعد فاعوذ باللہ من الشيطان الرجيم

بسم اللہ الرحمن الرحيم

السلام علیکم خواتین و حضرات!

یہ خط کسی خاتون نے UK سے لکھا ہے۔ خاصاً تفصیلی خط ہے۔ میرے بارے میں لکھا ہے کہ میرے خیال میں آپ اس صدی کے مجدد ہیں۔ پھر دُعا کرنے میں تنگی کا مظاہرہ کیوں کرتے ہیں؟ آپ کی باتیں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی محبت دل میں اور بڑھا دیتی ہیں۔ اللہ کے فضل سے آپ کی دُعا کی طلب گار ہوں (پھر میرے بارے میں اچھے خیالات کا اظہار کیا ہے۔۔۔ اس کو رہنے دیجیے) آپ خواہ گستاخی سمجھیں لیکن ضرور کہوں گی کہ جب آپ کی تعلیمات اتنی اچھی ہیں کہ بے اختیار انسان کا دل نیکی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اگر آپ کی دُعا کے خوش قسمت لوگوں میں اپنا نام لکھوا لیا جائے تو آپ دُعا کرنے میں تنگ دلی کا مظاہرہ نہ کریں کیونکہ اللہ کے خزانے تو بھرے پڑے ہیں۔

شاہ صاحب مجھے کچھ باتیں Clear کرتی ہیں۔

سب سے پہلے تو میں ان خاتون کا شکریہ ادا کر دوں کہ انہوں نے مجھ پر احسان کیا کہ میری ایک خامی کی جانب توجہ دلائی کہ میں تنگ دل انسان ہوں۔ میں کوشش کروں گا کہ مجھ میں تھوڑی سی کشادہ دلی آجائے۔ میں ان خاتون سے بھی Request کروں گا کہ اللہ کے حضور میرے لیے دُعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ میرے دل کو تھوڑا سا بڑھا کر دے تاکہ اُس کی مخلوق کو مجھ سے شکایت نہ رہے کہ میں تنگ دل انسان ہوں۔ بہر حال میں احسان مند ہوں کہ آپ نے میری ایک خامی Point out کر دی۔ ان خاتون نے جو پوائنٹس کلیر کرنے کو کہا ہے ان میں سے پہلا یہ ہے۔

پوائنٹ 1: آپ کے اچھے بچپن کے وہ اقدار اور سہولت کی بیعت خراب ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اُن کے مرشد اچھے اور مثالی نہیں جیسے میں نے کسی کی بیعت تو کی ہو لیکن میرے مرشد صاحب نے میری تربیت اس طرح نہ کی ہو جیسی کہ ہونی چاہیے۔ اُن سے بات نہ ہو پاتی ہو یا وہ مجھے عورت سمجھ کر زیادہ بات نہ کرتے ہوں۔ لیکن میں دل سے اُن کی قدر اور عزت کرتی ہوں۔ انہیں مرشد مانتی ہوں لیکن ساتھ آپ کے

بتائے ہوئے نوائل بڑی محبت سے مجھ کے در پر آتی ہوں۔ آپ نے ایک بچہ میں بتایا تھا کہ مرشد تفصیلی پڑھنے سے گناہوں اور گنہگاروں کی گمانی ہو جاتی ہے۔ کیا یہ مرشد کوئی چھوٹا سا ہے؟
بی بی ایہ آپ کا حسن ظن ہے کہ میری باتیں آپ کو اچھی نظر آتی ہیں۔ وہ میری سادگی سے بالکل مختلف ہے۔ اللہ مجھ پر رحم فرمائے کہ میری باتیں سن کر کسی بیعت خراب ہو جائے یا کوئی اپنے مرشد سے دور ہو جائے۔

میری ایک بات یاد رکھیے، انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے مرشد کو دنیا کا بہترین انسان سمجھے اور اسے کیونکہ جب تک انسان کسی کو بہترین نہیں سمجھتا، اس کو Idealise نہیں کرتا اور جس کو Idealise نہیں کرتا اس کی باتوں پر عمل نہیں کر پاتا۔ یہی انسانی فطرت ہے۔ کوئی اور انسان کتنی ہی اچھا کیوں نہ ہو ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے مرشد کو دنیا کے ہر شخص سے بہتر سمجھیں تاکہ ہم دل و جان سے اُن کا احترام بھی کر سکیں اور اُن کی باتوں کو بہتر سمجھ کر اُن پر عمل بھی کر سکیں۔ آپ اپنے مرشد کو بہتر سمجھیں اور حقیقت اس حال میں ہے۔ میں ہر سنی بھائی سے کہہ رہا ہوں کہ میں پوری دنیا میں سب سے کم تر اور چھوٹا انسان ہوں۔ آپ نے جن کے ساتھ بیعت کی وہ یقیناً عظیم انسان ہوں گے۔ آپ انہیں بہترین انسان سمجھیے، انہیں Idealise کیجیے تاکہ اُن کی باتوں پر عمل کر سکیں۔

جہاں تک سورۃ الشفابین پڑھنے کی بات ہے تو یہ کلام پاک کا حصہ ہے۔ آپ ضرور پڑھیے لیکن اسوئل بات یہ ہے کہ کوئی بھی وظیفہ شروع کرنے سے پہلے آپ کو اپنے مرشد سے بات کر لینی چاہیے کہ مجھے یہ چیز اچھی لگتی ہے، میں پڑھوں یا نہ پڑھوں؟ پھر آپ کے مرشد جو آپ سے فرمائیں آپ اُس پر عمل کر لیجیے۔ لیکن میں آپ کو As a matter of principle عرض کر دوں کہ سورۃ الشفابین قرآن پاک کا حصہ ہے اور اسے کوئی بھی پڑھ سکتا ہے لیکن پھر عرض کر دوں کہ جب ہم کسی کو اپنا مرشد مان میں تو اپنی مرضی کو لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیں۔

اپنی مرضی یا عقل استعمال کرنے کے Disadvantages کے سلسلے میں ایک واقعہ میں بیان کیا کرتا ہوں کہ ایک شخص کو جب اپنے مرشد کے پاس 30، 32 سال ہو گئے تو مرشد صاحب نے اعلان کیا کہ کل عصر کی نماز کے بعد میں آپ کو اپنی تلواریں عطا کر دوں گا۔ سب مریدین نے اُن صاحب کو اس اعزاز پر مبارکباد دی۔ اگلے دن عصر کے بعد جب سب اسٹنڈے ہو گئے تو مرشد صاحب نے اُن صاحب سے کہا کہ آپ کی عمر جو تلواریں بندھی ہے اُسے اتار کر زمین پر رکھ دیں تاکہ میں اُس کی جگہ اپنی تلواریں بانٹ دوں۔ اُن صاحب نے اپنی تلواریں کھولی اور قریب کھڑی اپنی زوتہ کے ہاتھ میں تھما دی۔ مرشد صاحب نے کہا ”میرے خیال میں آپ اسکی Deserve نہیں کرتے کہ آپ کو اپنی تلواریں اللہ میرے مرنے کے بعد آپ کو عین کی ایک سڑک پر کیسے اجنبی ملے گا جیسے آپ کی پیغمبر پیمان لیں گی اور آپ کو میری تلواریں ملے گی۔“

سب لوگ صورت حال کی تبدیلی پر حیران تھے کہ مرشد صاحب نے تلواریں اس مرید کو کیوں نہیں دیں۔

مرید نے ہمت کر کے مرشد صاحب سے اس کا سبب دریافت کیا تو انھوں نے بڑے نکتے کی بات بتائی کہ میں نے انھیں گوارہ کھول کر زمین پر ڈالنے کو کہا تھا لیکن انھوں نے اسے زمین پر ڈالنے کے بجائے پیگم کے ہاتھ میں تھما دیا۔ جو شخص مرشد کے حکم کے مقابلے میں اپنی عقل استعمال کر رہا ہے وہ ابھی اس مقام پر نہیں آیا کہ مرشد اسے اپنی تلوار سے دے۔

کچھ عرصہ بعد ان مرشد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اللہ نے ان شاگرد کو بہت علم عطا فرمایا۔ علم ہی کے سلسلے میں انھیں ایک باریک بین چاہنا پڑا۔ جب وہ چین کے ایک شہر گئے تو انھیں اپنے مرشد صاحب کی بات یاد آئی۔ ایک روز جب وہ اپنی پیگم کے ساتھ کسی سڑک پر جا رہے تھے تو پیگم نے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا کہ یہی وہ شخص ہے جس کے پاس تمھاری تلوار ہے۔ اس سے جب بات ہوئی تو اس نے مرشد صاحب کی تلوار ان شاگرد کو دے دی۔

یاد رکھیے امرشد کی بات اور حکم کے مقابلے میں اپنی عقل و سمجھ کو استعمال کرنے والا شخص علم کے اس مقام تک نہیں جاپاتا جس تک اسے جانا چاہیے۔

نبی نبی آپ اپنی سمجھ سے کام نہ لیجیے بلکہ جو بھی معاملہ ہو مرشد کے سامنے رکھ دیں۔ وہ جو بھی فرمائیں، کر لیجیے۔ اس راہ کا اصول یہی ہے۔

پوائنٹ 2: کیا سورۃ الطہا اور نوافل عوام الناس کے لیے ہیں یا صرف آپ کے مریدین کے لیے؟
نبی نبی میں دنیا کا گناہ گار ترین آدمی ہوں۔ علم سے قطعی طور پر تہی دامن ہوں۔ میرے مریدین کہاں سے آگئے۔ میں تو اس مقام پر شاید ہی بار پیدا ہو کر بھی آ جاؤں تو نہ پہنچ سکوں۔ میں جو بات بھی کہہ رہا ہوں وہ ہر آدمی کے لیے ہے اس پر جو چاہے عمل کر لے۔ لیکن وہ صاحبان جو کسی کے ہاتھ پر بیعت کیے ہوئے ہیں وہ اسے ضرور چھو لیں مرشد صاحب کی اجازت کے بغیر نہیں۔

پوائنٹ 3: اگر سورۃ الفہم، بسم اللہ کا وظیفہ اور نوافل صرف آپ کے مریدین کے لیے ہیں تو یہ بہت زیادتی ہے۔ کاش آپ کیسے کر دیا کریں کہ یہ عوام الناس کے لیے ہے یا نہیں۔

نبی نبی! میں معافی چاہتا ہوں! میرے ذہن میں یہ نہیں تھا کہ یہ بات کہیں Confusion پیدا کرے گی اور میں ضرور غصہ کر دیتا کہ یہ سب کے لیے ہے۔

یہ قانون مزید گھسی ہیں۔ شاہ صاحب اعلیٰ انبیاء کی میراث ہے جو سب تک پہنچنا چاہیے۔

نبی نبی! میں گواہی دیتا ہوں کہ علم واقعی انبیاء کی میراث ہے۔ میں جس طرح کی لایعنی باتیں کرتا ہوں اسے علم نہیں کہا جاسکتا۔ علم تو بہت آگے کی بات ہے۔

پوائنٹ 4: آپ مختلف آیات اسورۃ اور وظائف کے بارے میں بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انھیں Body chemistry کے مطابق پڑھنا چاہیے۔ لیکن آپ سید عالم کا فرمان ہے کہ سورۃ الملک ہر مومن کے دل میں ہوئی چاہیے۔

شاہ صاحب اس سوال پر چھنا سیرا حق ہے۔ حضرت عمر فاروق سے بھی کئی کثرت کے علم حاصل ہوئے مگر وہ چھنا تھا۔ مجھے بھی پوچھنے کا حق ہے۔

نبی نبی! یہ بات سمجھ لیجیے کہ آپ سید عالم کا مقام ہر کے بعد سب سے زیادہ ہے۔ کوئی کم ہمت انسان وہ نہیں ہے جو گوارہ اپنی آواز کو آپ سید عالم کی آواز سے بلند کرے گا۔ آپ سید عالم نے جو فرمایا اس کی تہذیب نہ صرف ہم سب پر فرض ہے بلکہ وہ حرف آخر ہے۔ وہ وظائف، آیات اور سورتیں جس میں پائے کی تھیں آپ سید عالم نے فرمائی انھیں ضرور پڑھنا چاہیے۔ سورۃ الملک بھی ان میں سے ایک ہے۔

آپ نے فرمایا کہ آپ سید عالم کا فرمان ہے کہ سورۃ الملک ہر مومن کے دل میں ہوئی چاہیے۔

نبی نبی! میرے علم کی حد تک یہ فرمان آپ سید عالم کا سورۃ یس کے بارے میں ہے۔ سورۃ الملک کے بارے میں مجھے علم نہیں۔

جو چیز دل میں ہوتی ہے وہ کبھی رحمان سے اور کبھی نہیں ہوتی۔ انسان اسے کبھی نہیں جانتا اور دے دیا جاتا نہیں، اس پر عمل کرتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن پاک پڑھنا باعث رحمت و برکت ہے۔ قرآن پاک پڑھ کر ہر آدمی نجات ہے۔ ہم نجات کی راہ پر کیوں نہ چلیں؟ ہم سورۃ الملک پڑھیں پھر اس کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔

سوال کرنا نہ صرف آپ کا بلکہ ہر شخص کا حق ہے۔ کوئی شخص اگر سر راہ روک کر بھی مجھ سے سوال کرے تو میں کوشش کروں گا کہ اس کا جواب دے دوں۔

پوائنٹ 5: کیا آپ عورتوں کو کم تر سمجھتے ہیں کہ ان کے سوالوں کے جواب نہیں دیتے؟ مجھے آپ کے پیچھے بہت پسند ہیں۔ ہر روز امت اخبار میں آپ کے پیچھے سے اقتباس پڑھتی ہوں جو تربیت کا حصہ ہے۔

نبی نبی! ہم سب الحمد للہ مسلمان ہیں۔ اسلام میں ہر بات کو واضح کر دیا گیا ہے اور کسی کو حق نہیں کہا اس میں ترمیم و تحریف کرے۔ اسلام میں عورتوں کو بہت تکریم دی گئی ہے۔ جب رب تعالیٰ نے خواتین کو قاتل احرام بنایا ہے تو میں کون ہوتا ہوں ان کے احرام میں کمی کرنے والا لایا ہرگز نہیں کہ میں عورتوں کو کم تر سمجھتا ہوں

صرف میں یہ احتیاط کرتا ہوں کہ جو سوالات خواتین کی طرف سے ہوتے ہیں۔ ان کی Privacy کو مد نظر رکھتے ہوئے میں عموماً ان کے نام نہیں پڑھتا Gender ظاہر ہونے دیتا ہوں کہ سوال قانون سے پوچھا ہے یا صاحب نے۔ ورنہ ہر سوال کا جواب دیتا ہوں خواہ وہ کسی نے بھی پوچھا ہو۔

آپ کی بڑی عنایت کہ آپ "امت" اخبار میں شائع ہونے والا اقتباس پڑھتی ہیں۔ اللہ کرے کہ وہ آپ کی توقعات پر پورا اترتا رہے اور علم بڑھنے کا سبب بن جائے۔ شاید میں اسی طرح غلطی دہاؤں۔ کیونکہ جب اپنے نامہ اعمال پر نظر ڈالتا ہوں تو وہاں گناہوں کی سیاحی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ میں لگتا ہے جیسے میرا اعمال پر کسی نے برش لے کر سیاہ پیٹ چھڑوایا ہو۔

پوائنٹ 6: سکنت (Wisdom) کو قرآن پاک میں جہر کثیر کہا گیا۔ آپ نے ایک بار حضور پروردگار

پوائنٹ 7: شاہ صاحب! مجھے معاف کر دیں اور میرے لیے وہ دعا کر دیں جو آپ کو بخند ہو۔ میں حقیقتاً بہت بے وقوف ہوں۔ بے وقوفوں، غلطیوں اور کمزوریوں سے گہری چڑی ہوئی۔ میں فکر گزار ہوں۔ چاہتی ہوں۔ کسی لکچر میں میرا نام لیے بغیر مجھے ڈانٹ دیں یا تنبیہ کر دیں۔ آپ کی ڈانٹ سے مجھے خوشی ہو گی لیکن خیال رہے کہ میں عورت ہوں مجھے ڈسوانہ کیجیے گا۔

بی بی! اللہ مجھے معاف فرمائے کہ میں کسی کو سوا کروں۔ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ کبھی بھی اللہ کے کسی بندے کو سوا کروں۔ یہ سنت رب نہیں ہے۔ سنت رب تو یہ ہے کہ دوسروں کے گناہ پر پردہ ڈالا جائے۔

میں آپ کو ڈانٹنے کا حق نہیں رکھتا کیونکہ آپ سے بہتر نہیں ہوں۔ کسی کی خامیوں کو دی Point out کر سکتا ہے جو دوسروں سے بہتر ہو۔ کسی کو بے وقوفیوں پر دی ڈانٹ سکتا ہے جو خود عقل مند ہو۔ میں اپنے اندر یہ خوبیاں ابھی تک پیدا نہیں کر سکا اس لیے میں آپ کو نہ ڈانٹ سکتا ہوں نہ خامیوں کو Point out کر سکتا ہوں۔

پوائنٹ 7: شاہ صاحب! میں نے متعدد بار آپ کو خواب میں دیکھا ہے۔ جو دیکھا وہ ابھی تک اہم پر نقش ہے۔ آپ میرے گھر کی گھڑی کے باہر کھڑے ہیں اور مجھے باہری سے ایک سفید کپڑا اور مٹن دیتے ہیں کہ اسے اس کپڑے پر سی دو۔ تھوڑی دیر بعد آپ گھر آتے ہیں اور سفید چادر والے پٹنگ پر بیٹھ جاتے ہیں۔ وہاں اور بھی لوگ موجود ہیں جو آپ سے دعا کروانے آئے ہیں۔ میں اسی پٹنگ پر دو ایک سائیکل پر بیٹھ کر مٹن مانگنے لگتی ہوں تو مٹن نہیں ٹانگا جا رہا۔ آپ اچانک دھماکے کی طرف دیکھتے ہیں تو مجھے سمجھ آ جاتی ہے کہ دھماکا کالا نہیں سفید ہونا چاہیے۔ جب سفید دھماکے سے مٹن سکتی ہوں تو آپ خوشی کا اظہار کرتے ہیں کہ اب ٹھیک ہے۔

بی بی! اس سے اندازہ کر لیجیے کہ میں کتنا افسوس ہوں کہ کسی کو چین سے سوتے نہیں دیتا۔ اُن کے خوابوں میں گھسا چلا آتا ہوں۔ میں تو لوگوں کی خدمت کرنے کے بجائے اُن سے کام کر کر خوش رہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے میں اُس کی مخلوق کے لیے مصیبت بنا رہتا ہوں۔

بی بی! میں نے آپ کی خواہش کے مطابق آپ کا پورا خط پڑھا ہے کہ شاید آپ کو خوشی مل جائے۔

تقدیر مطلق کے بارے میں بتایا تھا کہ تقدیر ہر مملکت تقدیر کا پانچ سے دس فی صد ہے اور یہ وہ تقدیر ہے جسے کوشش سے تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔ اگر انسان پیدائشی یا جلی طور پر بہت بے وقوف ہو تو وہ عقل مند کیسے ہو سکتا ہے۔ کس طرح کی کوشش سے حکمت و دانائی حاصل کر سکتا ہے؟

شاہ صاحب! میں پیدائشی طور پر بہت بے وقوف ہوں مجھے حکمت کے حصول کا کوئی نسخہ بتا دیجیے۔

بی بی! اللہ پر ہر مملکت عقل مندی یا بے وقوفی کا کوئی تعلق نہیں۔ تقدیر ہر مملکت وہ ہے جو حکمت رب تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھی جب کہ تقدیر مطلق وہ ہے جسے ہم اپنے اعمال سے لکھ لیتے ہیں۔ اگر میں نیک اعمال کروں گا تو نیک کیلاؤں گا۔ یہ میرے اپنے اختیار میں ہے۔

By instinct کوئی عقل مند یا بے وقوف نہیں ہوتا۔ عقل مندی یا بے وقوفی کا تعلق انسانی دماغ کے اُن خلیوں کے ساتھ ہے جو مرتے اور نئے بننے رہتے ہیں۔ عقل کا تعلق براہ راست مشاہدے سے بھی ہے۔ جس انسان کا جتنا زیادہ Exposure ہوتا ہے۔ وہ جتنے لوگوں سے ملتا ہے انھیں گہری نظر سے Study کرتا ہے اور اُن کی اچھی باتیں اور خوبیاں Pick کر لیتا ہے تو وہ دن بدن عقل مند اور سمجھ دار ہوتا چلا جاتا ہے۔

ہماری عقل مندی کا تعلق تین چیزوں سے ہے:

1- مشاہدہ

2- Learning

3- Exposure

کسی انسان کو جتنا زیادہ Exposure ملتا ہے اُسی قدر اُس کا مشاہدہ تیز ہوتا چلا جاتا ہے۔ جس قدر مشاہدہ تیز ہو اُسی قدر اُس کا Vision وسیع (Broad) ہوتا چلا جاتا ہے اور جتنا کسی کا Vision وسیع ہو۔ اتنی ہی اس میں حکمت ہوتی۔

اگر میں حکمت اور عقل مندی کا طالب ہوں تو مجھے چاہیے کہ اپنی عمر سے بڑے پڑھے لکھے اور اپنے سے بہتر لوگوں میں بیٹھوں۔ اُن سے میں بہت کچھ سیکھوں گا۔

اس کے علاوہ مجھے چاہیے کہ میں بڑے نامور اور کامیاب لوگوں کی یادداشتیں اور سوانح عمریاں پڑھوں۔ انھوں نے زندگی میں جو کچھ سیکھا وہ سنوں اور پڑھوں۔ یادداشتیں Memoirs اور سوانح عمریاں (Biographies) پڑھنے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ہم ایک شخص کی 70 سالہ زندگی کے اہم اور سبق آموز واقعات چند سو روپوں کے عوض پڑھ لیتے ہیں اور اُن سے بہت کچھ اخذ کر لیتے ہیں اس طرح جب ہم لوگوں کی سوانح عمری پڑھتے ہیں تو گویا Wisdom حاصل کر رہے ہوتے ہیں۔

حکمت کے حصول کے لیے سفر بہت اہم ہے۔ سفر وسیلہ عقلمندی ہے۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے فرمایا کہ فرمان ہے کہ لازم ہے کہ وہ رب تعالیٰ کی زمین پر چلے گا کہ رب کی قدرت کا مشاہدہ کرے۔ یہ سب چیزیں عقل، علم اور حکمت میں اضافہ کر دیں گی۔

کرپشن نے نقصان پہنچایا ہے نہ ہنگامی نے بلکہ اس ملک میں مال و زر کے حصول کی شہرہ خوار عمل و ریل من
حرید کی آرزو نے جان لی چائی ہے۔

یہ آرزو ہمیں بتاتی ہے کہ جن کی وجہ سے ہم چاروں سے زیادہ پادشاهوں پھیلانے میں جن کی وجہ سے ملت میں
گھیر لیتی ہے۔ ان آرزوؤں کو کاہل کرنا بہت ضروری ہے۔ اس کا آسان ترین عمل یہ ہے کہ گھس کی چھوٹی سے
چھوٹی خواہش کی مخالفت کر لی جائے تاکہ خواہشات کا سلسلہ دراز نہ ہو سکے۔ جب آرزوئیں کم کر دی جائیں
لگیں تو پھر کچھ کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور کچھ ختم ہونے لگتے ہیں۔ پھر اس فقیر کی مانند زندگی گزارنے لگتی ہے
جس کے پاس کھانے کو روٹی، پہننے کو مناسب لباس اور رہنے کو مکان نہیں ہوتا لیکن اس کے ہاں خود وہی چیزیں
اور سکون کی زندگی بسر کر رہا ہوتا ہے کیونکہ فقیر نے اپنی آرزوؤں کو کم کر لیا ہوتا ہے کہ باقی خواہش کا غم خوار نہیں
کرنا ہی چھوڑ دیتا ہے۔

غربت مٹانے اور امیر ہونے کا ایسا بہترین فارمولا آج تک کوئی انکسار نہیں کرے گا جیسا
حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آج سے چودہ سو سال پہلے دے دیا تھا:
”میں نے اپنے اخراجات کو اتنا کم کر لیا کہ امیر ہو گیا۔“
اخراجات کو کم کرنا آرزوؤں کو باہر سے ملنے ہے۔

سوال: اگر حضرت بہاؤ الدین زکریا جہڑیہ کے دل میں مال و زر کی محبت نہیں تھی تو انھوں نے اُسے جمع کیسے
کر لیا کیونکہ دولت کی محبت کے بغیر اُسے جمع نہیں کیا جاسکتا۔

جواب: حضرت بہاؤ الدین زکریا جہڑیہ خاندانی رئیس تھے۔ اُن کی جاگیر اور کاروبار بڑی بڑی تھی۔ انھیں
درتے میں بے پناہ دولت ملی تھی۔ انھوں نے جب یہ فرمایا کہ میں نے مال و دولت کو دل میں جگہ نہیں دی تو
رب تعالیٰ نے اس سچائی کو یوں ثابت کیا کہ کچھ عرصہ بعد جب ریاست میں شدید قحط پڑا اور شنگ سائی کی وجہ
سے اناج بالکل نہ اُگ سکا۔ حاکم ریاست کی طرف سے اناج تقسیم ہوا حتیٰ کہ تمام قحط زدگان ختم ہو گئے۔ تب
حضرت بہاؤ الدین زکریا جہڑیہ نے اپنے گوداموں کے منہ کھول دیے اور اعلان کیا کہ ہر ضرورت مند Free
of cost اناج لے جائے۔

حضرت بہاؤ الدین زکریا جہڑیہ کے پوتے حضرت شاہ رکن عالم جہڑیہ میں بھی حکومت
Genetically ترانسفر ہوئی تھی۔ ایک روز حضرت بہاؤ الدین زکریا جہڑیہ کی محفل میں ایک شخص آیا اور کہا
کہ میں مسافر ہوں، سید ہوں، میرے پاس کوئی سواری نہیں۔ حضرت شاہ رکن الدین عالم جہڑیہ جو اُس
وقت آٹھ نو سال کے تھے اور کھیل رہے تھے، اُس شخص کی یہ بات سنتے ہی کھیل چھوڑ کر اس شخص کے اوپر بڑھ کر
گھوڑا لاکر اُسے دے دیا۔ وہ گھوڑے پر بیٹھا اور ہوا ہو گیا۔ محفل میں موجود ایک آدمی نے کہا: ”مفسر رہا اس
شخص کو جانتا ہوں۔ یہ سید نہیں بلکہ میرا بیٹا ہے اور اسی شہر میں رہتا ہے۔ اُس نے آپ سے جھوٹے دعویٰ کیے۔“
حضرت شاہ رکن عالم جہڑیہ نے فرمایا: ”میرے علم میں ہے کہ یہ لوکل میراثی ہے لیکن میں نے گھوڑا

آرزوئیں

انسان کی زندگی میں جلت کے ذریعے آرزوئیں جنم لیتی ہیں۔ انسان جبلی طور پر خواہشات کی طرف
باہل ہوتا ہے۔ اگر وہ ایک بار آرزوئیں پوری کرنے کے سلسلے میں پڑ جائے تو یہ بڑھتی چلی جاتی ہیں حتیٰ کہ
انسان اُس مقام پر چلا جاتا ہے جہاں آرزوؤں کی تکمیل ممکن نہیں رہتی۔ حالاں کہ انسان اگر اپنی زندگی میں
دیکھے تو ایک وقت میں گھڑوں کا ایک ہی جوڑا پہن سکتا ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ ایک کے اوپر دوسرا اور دوسرے کے
آپر تیسرا جوڑا پہن لے۔ ایک وقت میں وہ ایک ہی کمرہ میں رہ سکتا ہے لیکن اس سب کے باوجود اُس کی
آرزوؤں کا سلسلہ دراز ہوتا چلا جاتا ہے۔ وہ مختلف خواہشات پالنے لگتا ہے اور پھر اُن کی کوئی حد نہیں رہتی۔
ایسی ہی ایک خواہش مال و زر کے حصول کی ہے جس کی مثال مولانا درود جہڑیہ نے یوں دی ہے کہ انسانی
زندگی کشتی کی مانند ہے اور مال و زر یا دولت پانی کی مانند۔ کشتی کو صرف اتنا ہی پانی چاہیے کہ جو اُس کے وزن کو
اٹھائے اور کشتی تیرتی رہے۔ اگر زیادہ پانی کشتی کو تیرائے رکھ سکتا ہے تو پھر خواہ کسی جگہ پانی کی گہرائی پانچ
موت بھی ہو جائے تو کشتی کو فرق نہیں پڑے گا۔

سلسلہ سواروہ سے تعلق رکھنے والے اپنے وقت کے مشہور نوٹ حضرت بہاؤ الدین زکریا جہڑیہ بہت
امیر تھے۔ اُن کے ہم عصر لوگ اپنے کرامات پر پریشان ہوتے رہتے تھے کہ فقیر تو کبھی اس قدر مال و زر
کے مالک نہیں ہوتے۔ وہ انھیں لیمز میں بھی نہیں لگتے کہ آپ کیسے فقیر ہیں کہ اتنی دولت اکٹھی کر رکھی ہے۔
حضرت بہاؤ الدین زکریا جہڑیہ اعلیٰ ظرف انسان کی طرح اُن کی تنقید خاموشی سے سنتے رہے لیکن جب
ایک آواز میں زیادہ ہی بلند ہو گئیں تو انھوں نے جواب دیا کہ میں نے مال و زر جمع ضرور کیا ہے لیکن اُسے دل
میں جگہ نہیں دی۔ رب تعالیٰ نے بعد میں اُن کے اظہار کو ثابت بھی کر دیا کہ وہ درست فرما رہے تھے۔

قرنی نہیں پڑتا۔ اُسے صرف اُس وقت فرق پڑتا ہے جب یہ پانی کشتی کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔ جب
خواہشات بہت بڑھ جاتی ہیں تو وہ اُس پانی کی مانند ہو جاتی ہیں جو کشتی کے اندر داخل ہو کر اُسے ڈبو دیتا ہے۔
اسی طرح خواہشات نفس کی کثرت عموماً انسان کو بہرہ رسانی کی طرف لے جاتی ہے۔
جس محفل میں بھی یا میں ایک سوال درایا جاتا ہے کہ اس ملک کا بہتے کیا ہیں؟ میرے نزدیک اس ملک کو

اسے جس ملک میں آسٹ ہو گیا ہے جس کا اس نے حوالہ دیا تھا۔

حضرت بہاء الدین زکریا رازی رحمہ اللہ میں اس قدر عقائد تھے کہ ان کے استے چھوٹے پوتے میں بھی اس کے اثرات تھے۔

آپ کا سوال ہے کہ دل میں مال کی محبت نہ ہو تو وہ جمع نہیں ہو سکتا۔ یاد رکھیے! جب مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا جاتا ہے تو وہ کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ رب تعالیٰ انفاق فی سبیل اللہ کرنے والوں پر انعامات کی بارش کر دیتا ہے۔ دنیا میں ایک کاوس کن اور آخرت میں ایک کا ستر گنا ملتا ہے۔ حضرت علیؑ کے گھرا کثر فاقے رہتے تھے۔ ایک بار دو تین روز کے فاقے کے بعد کہیں سے آٹا میسر ہوا تو بی بی صاحبہؑ نے روٹی بنا کر حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں پیش کی۔ وہ حوالہ توڑنے ہی لگے تھے کہ دروازے پر کسی نے صدا لگائی کہ اللہ کے نام پر کچھ دے دو۔ انھوں نے کئی روز کے فاقے کی پروا کیے بغیر روٹی اُسے دے دی۔ کچھ ہی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ ایک صاحب وہاں روٹیاں لیے کھڑے تھے کہ فلاں صاحب نے آپ کے لیے بھیجی ہیں۔ حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ نے تعداد دریافت کی تو پتا چلا کہ آٹھ روٹیاں ہیں۔ فرمایا "یہ روٹیاں میری نہیں، واپس لے جاؤ۔" تھوڑی دیر بعد دوبارہ دستک ہوئی۔ دروازہ کھولا تو کوئی صاحب روٹیاں لائے تھے۔ حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ نے تعداد دریافت کرنے کے بعد وہ روٹیاں بھی واپس لوٹا دیں۔ تیسری بار دستک ہوئی اور دس روٹیاں پیش کی گئیں تب انھوں نے فرمایا "یہ روٹیاں واقعی میرے لیے ہیں کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے کہ میں تمہیں دس گنا زیادہ دوں گا۔"

جب انسان اللہ کے نام پر مال و زر خرچ کرتا ہے تو پھر اُسے اسی طرح وسیع رزق ملتا رہتا ہے۔ اُس پر چاروں طرف سے عطا کی بارش ہوتی لگتی ہے بشرطیکہ وہ اخلاص نیت سے صرف اللہ کے لیے ایسا کر رہا ہو کہ اللہ نے مجھے جو رزق دیا ہے اس میں اُس کی مخلوق کا حصہ ہے۔ میرا فرض اُس حصے کو مخلوق تک پہنچانا ہے۔ جب انسان اللہ کی مخلوق پر خرچ کرتا ہے تو اُس کا بے پناہ انعام اور اجر ملتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک شخص اُنھیں کوہ طور پر جاتے دیکھا کرتا تھا۔ ایک روز اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ "جب آپ کی رب تعالیٰ سے گفتگو ہو تو میرا ایک سوال اُس سے پوچھیے گا کہ میری تقدیر میں آخری سال تک کتنا رزق لکھا ہے؟" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اللہ سے یہ پوچھا تو اللہ نے اُس رزق کی مقدار بتادی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور سے واپس آکر جب اُس شخص کو اُس مختصر رزق کے بارے میں بتایا تو اُس کی تقدیر میں لکھا تھا تو اُس شخص نے ایک نئی فرمائش کر دی کہ "اے موسیٰ علیہ السلام! آپ رب سے کہیے گا کہ جو چیز میری سب سے زیادہ چاہی ہو اس لیے وہ میرا رزق فرما دے۔" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اُس کی فرمائش اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کی تو اللہ تعالیٰ نے مختلف فرشتے کو حکم دیا کہ اُس شخص کو اُس کی تقدیر میں مرقوم سالانہ رزق یک مشت دے دو۔ حکم کی تعمیل ہوئی اور اُس شخص کو اس کا سالانہ رزق اکٹھا دے دیا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوچا کہ یہ شخص تو اپنے سالانہ رزق چھوٹے شخصوں میں تقسیم کر دے گا نہ ہلے باقی عمر کیسے گزارے گا۔ چند دنوں بعد ان کا گزر درود و دعاں گئی سے ہوا تو یہ کچھ اور حیران ہو گئے کہ ان کے محلے اور خاندان کے سبھی لوگ وہاں کھانا کھا رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیویوں تک یہ معلوم نہ کھیتے تھے لیکن رزق ختم ہونے کا نام نہیں لے سکتا تھا۔ آخر ایک مددگار انھوں نے رب تعالیٰ سے سوال کیا کہ "ایسا ہی تعالیٰ اُس شخص کی قسمت میں تو بہت تھوڑا سالانہ رزق تھا اور وہ چند دن ہی چل سکتا تھا لیکن وہ شخص تو ایک عرصے سے مخلوق خدا کو کھانا کھلا رہا ہے، اس کے باوجود اس کا رزق ختم نہیں ہوا۔ ماجرا کیا ہے؟"

رب تعالیٰ نے فرمایا "اے موسیٰ علیہ السلام! اُس شخص نے میرے ساتھ سرمایہ کافی شروع کر دی ہے۔ وہ میرے بندوں کو کھانا کھلا رہا ہے اور میں اُسے ایک کے عوض دس عطا کرتا چلا جا رہا ہوں اور ایسا میں جب تک کرتا رہوں گا جب تک وہ میری رضا کے لیے میرے بندوں کو کھانا کھلا رہے گا۔"

جب انسان رب تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو اُس کے پاس رزق اور مال و زر بے شمار ملتا ہو جاتا ہے۔ رزق کا یہ جمع ہونا دولت سے محبت کا نتیجہ نہیں بلکہ انفاق فی سبیل اللہ کا ثمر ہے۔ یہ سوچنا درست نہیں کہ اگر ہم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہیں گے تو شاید ہماری دولت کم ہو جائے گی۔

بات صرف اتنی ہی ہے کہ ہم کسی بھی قسم کی توقع، صلے اور بدلے سے بہرہ ور نہ ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اللہ کے بندوں پر مال خرچ کریں اور پھر دیکھیں کہ کس طرح رزق میں کس طرح ہم پر بڑھتا ہے۔

سوال: کیا دوران سفر درود پاک بغیر وضو کے پڑھا جاسکتا ہے؟

جواب: پڑھا جاسکتا ہے لیکن ادب کا تقاضا ہے کہ بے وضو درود پاک نہ پڑھا جائے۔

سوال: مجھے جیسے کچھ تالائق سنوڈنٹس اپنے مرشد کی توجہ پانے کے لیے کبھی بے پروائی سے اور کبھی جان بوجھ کر غلطی کرتے ہیں تاکہ ڈانٹ ہی سکی لیکن اُن کے پاس کسی بہانے نے زیادہ پیٹھے کا وقت مل جائے۔ اگر ایسا نہ کریں تو وہ جاتے ہی ثانی دے کر فرماتے ہیں۔ ٹھیک ہے، جائے اس طرح کی حرکتوں سے کھنک وہ ناراض تو نہیں ہو جاتے۔ اپنے مرشد سے سب ہی کو پیار ہوتا ہے اور اُن کے پاس بیٹھنا میری کیا خواہش۔

جواب: مجھے نہیں معلوم کہ آپ کے مرشد کون ہیں لیکن مجھے اپنے مرشد کا ضرور پتا ہے۔ جب میں اُن کے پاس بیٹھا کرتا تھا، اُن ابتدائی دنوں میں اگرچہ میں اللہ کو بہت پکارتا تھا۔ چاہ اور دیگر محاللات بھی پائیں مگر پتا تھا لیکن اس کے باوجود میری اتنا بہت مضبوط تھی جس کا مجھے تو نہیں لیکن میرے مرشد صاحب کو ضرور پتا تھا۔ اس لیے بغیر کوئی غلطی کیے بھی مجھے مرشد صاحب سے ڈانٹ پڑ جائی تو کئی اور خاص طور پر اُس وقت جب سب لوگ موجود ہوتے۔ ایسے میں میرے اندر اُس خوف نے جنم لیا کہ اگر بغیر غلطی کے ڈانٹ پڑ سکتی ہے تو میں پوری کوشش کروں کہ مجھ سے کوئی غلطی سرزد نہ ہو۔ غلطی سے بچنے کے لیے میں خاموش رہتا لیکن اللہ سبحانہ زیادہ محتاط ہوتا ہے تو وہ غلطی ضرور کرتا ہے اس لیے مجھ سے بھی غلطیاں ہوتی تھیں۔ اس طرح کی ڈانٹ مجھے

پڑی تھی اور جیسے سناٹک میرے ساتھ ہوتا تھا وہ شاید عام آدمی کے لیے ناقابل برداشت ہو۔

آج احساس ہوتا ہے کہ اگر وہ غلطیاں یا کوتاہیاں مجھ سے نہ ہوتیں تو شاید مرشد صاحب مجھ سے اور زیادہ زیادہ کرتے۔

ہم یہ غلط سمجھتے ہیں کہ جب تک ہم اپنے مرشد صاحب کے پاس دو چار گھنٹے نہ بیٹھیں وہ ہماری طرف متوجہ نہیں ہوں گے۔ ہم دوسروں کے ساتھ جو سلوک کرتے ہیں اسے اگر اپنی ذات پر منطبق کر کے دیکھ لیں کہ کسی کی ایسی حرکت سے ہمارا رویہ کیا ہوگا تو ہمیں بہت سی باتوں کی سمجھ آ جائے گی۔

اگر کوئی شخص ہمارے پاس آئے تو اسے نہ صرف پورا وقت دیں بلکہ گفتگو اور رویے سے Entertain بھی کریں تاکہ وہ خوش ہو کر اٹھے۔ یہ سنت رسول ﷺ بھی ہے اور آپ ﷺ کا فرمان بھی کہ جب تم کسی سے ملو تو وہ سوچے کہ شاید تم کسی کے ہو۔

جب آپ سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنے پاس آنے والے شخص کو نہ صرف پورا وقت دیتے ہیں بلکہ گفتگو اور رویے سے Entertain بھی کرتے ہیں تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آپ کے بہت سے کام رک جاتے ہیں۔ اگر ایسا مہمان روز آنے لگے تو آپ سوچتے ہیں کہ ان صاحب کے آنے سے میرے کام رہ جاتے ہیں۔ اس کے برعکس ایک صاحب آپ کے پاس جراتے، سلام کیا اور چل دیے۔ ایسا وزیر ویکم وزیر ہوتا ہے۔ ہم اسے دل سے پسند کرتے ہیں کہ وہ زیادہ وقت نہیں لیتا۔

بزرگوں کا شیڈول خاصا Tight ہوتا ہے۔ وہ اپنے پاس آنے والوں کو وقت دیتے رہیں گے لیکن Realise نہیں کریں گے کہ وہ کسی Guest کو یہ کہہ کر اٹھ کر نہیں چلے جائیں گے کہ میں نماز کے لیے جا رہا ہوں بلکہ وہ ہر حال میں مہمانوں کو وقت دیتے رہیں گے۔

آداب مہمانی یہ ہے کہ جب کسی سے ملنے جائیں تو کم سے کم وقت میزبان کے پاس بیٹھیں اور کوشش کریں کہ جلدی واپس چلے جائیں۔ اس لیے سے وہ آدمی خوش رہتا ہے جس کے پاس ہم بطور مہمان گئے ہیں۔

میں تو خاصا نا لائق انسان ہوں۔ دوسرے ممالک میں جاتا ہوں تو بہت سے بزرگوں کے مزار پر حاضری دینا ہوتی ہے۔ پانچ ساڑھے پانچ گھنٹے کی ملاقات کے بعد جب ترکی پہنچوں تو تین ساڑھے تین منٹ کی حاضری حضرت ابو جوب الفضلؒ کے مزار پر دیتا ہوں۔ اتفاقاً پڑھی، اُن کی خدمت میں سلام عرض کیا، اجازت لی اور واپس آ گئے۔ استنبول سے ایک ہزار کھو میٹر سے زائد فاصلے پر کے قصبہ گئے۔ حضرت مولانا دروم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر تین ساڑھے تین منٹ کی حاضری دی اور واپس چلے آئے۔ اگر آپ حضرات استنبول جائیں تو وہاں سے چار کھو میٹر دور ایک پیغمبر حضرت یحییٰ علیہ السلام دفن ہیں۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام بہت ہی پیارے شخص ہیں۔ اگر قافلو پڑھنے کے دوران ان سے آپ کی ملاقات ہو جائے تو یہ بھی نہیں سکتا کہ آپ ان کے مشتق میں جھکا نہ ہوں۔ لیکن وہاں بھی حاضری تین ساڑھے تین منٹ

ہی کی ہوتی ہے اور اس کا قافلو میں نے ضرور دیکھا۔

مجھے نہیں معلوم کہ جو لوگ وہاں گھنٹوں بیٹھے ہیں کیا وہاں سے کیا لیتے ہوں گے لیکن مجھے یہ ضرور پتا ہے کہ وہ تین ساڑھے تین منٹ کے مختصر وقت میں اسے لانا لگاتے اور اسی کوتاہی کرتے ہیں کہ انہیں سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اس کی ایک مثال عرض کروں گا اگر ایک شخص روز آپ کے گھر پہنچے۔ حدادہ کھول کر اندر کر کے کہے "السلام علیکم! اچھا جناب، مجھے اجازت دیجیے۔" کوئی اور بات نہ کرے۔ تین چار روز بعد آپ خود ہی پوچھ لیں گے "بھائی! کوئی کام ہے مجھ سے؟" وہ کہے "نہیں جناب! مجھے تو آپ سے ملنا ہے اس لیے صرف سلام عرض کرنے آتا ہوں۔" اس کا یہ رویہ آپ کو مجبور کر دے گا کہ آپ اپنے افراتوکان اور ملازمین کو پابست کروں کہ یہ شخص کبھی کوئی کام کے تو وہ کر دینا۔

اس کے برعکس ایک شخص روز آپ کے پاس آ کر ایک نئی فرمائش کرتا ہے۔ پانچ چھ مرتبہ اس کی فرمائش پوری کرنے کے بعد آپ کہیں گے۔

"بھائی! کبھی فرمائش کے بغیر بھی آ جایا کرو۔"

بزرگوں سے بنورنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اُن کے سامنے روز ہی فرمائش نہ کریں۔ میں نے اپنے مرشد صاحب سے ایک روز دعا کے لیے کہہ دیا۔ اُن کے پاس بہت سے صاحبان علم آ یا کرتے تھے۔ جب میں نے مرشد صاحب سے دوسری بار دعا کی درخواست کی تو ایک صاحب علم نے مجھے کہا "شاہ صاحب! آپ مرشد صاحب سے دعا کے لیے نہ کہا کیجیے۔" اس کے بعد میں نے انہیں کبھی دعا کے لیے نہیں کہا۔ پھر جب مجھے زوحانیت کی اس راہ کی کچھ سن گئی تو اُن صاحب علم کی بات سمجھ آئی کہ یہ درحقیقت بہت بڑی Favour تھی کیونکہ بہت بعد میں پتا چلا کہ جب میں نے مرشد صاحب سے دعا کرائی تو وہ دعا کر کے بری الذمہ ہو گئے کہ جو اس نے کہا میں نے اس کے لیے دعا کر دی اور جان چھوٹی لیکن اگر میں دعا کے لیے دعا کروں تو وہ خود میرا خیال رکھنے پر مجبور ہو جائیں گے اور از خود میرا دھیان رکھتے رہیں گے۔ اس لیے ضروری نہیں ہوتا کہ آپ اپنے مرشد صاحب کے پاس جائیں تو اُن سے دعا کے لیے کہیں۔

میری گزارش تو یہ ہوگی کہ آپ اپنے مرشد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں تو انہیں دعا کے لیے کہی نہ کہیں۔ آپ انہیں مجبور کریں کہ وہ خود آپ کا خیال رکھیں۔ اگر آپ کے مرشد صاحب نظر اور صاحب علم ہیں (اور یقیناً وہ ہوں گے اسی لیے تو آپ نے اُن کی بیعت کی ہے) تو جیسے ہی آپ مشکل میں آئیں گے اُن کے وہاں گھنٹی ضرور بج جائے گی۔ یوں از خود دعا ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ آپ کو مشکلات سے نکال لے گا۔

مرشد کے ساتھ ایسا تعلق رکھیے جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ بے لوث تعلق ہے۔ اس میں کوئی غرض نہیں۔ پھر دیکھیے کہ اس کا پھل رب کی طرف سے کتنا زیادہ ملتا ہے۔ اگر آپ غرض کے ساتھ مرشد سے ہیں تو صرف وہ غرض ہی پوری ہوتی رہے گی باقی سب پہلو تشریح نہ جائیں گے۔

فقیر یا مرشد کے پاس کوئی زیادہ مال و دولت نہیں ہوتا۔ آپ کو اُن سے وہ تو نہیں ملے گا۔ اُن کے پاس سب سے قیمتی چیز علم و تربیت ہے۔ انسان کو وہ علم اور تربیت ملنی چاہیے۔ جب یہ چیزیں مل گئیں تو وہ اپنے مرشد کے مقام کو پہنچ گیا۔ اس کی مثال یوں ہے کہ اگر ایک شخص رشتے ملائے میں سفر کرتا ہے تو ریت پر اُس کے قدموں کے نشان رہ جاتے ہیں۔ اگر میں اُن Footprints پر قدم رکھتا ہوا چلتا چلا جاؤں تو وہ ہیں جا پہنچوں گا جہاں وہ شخص پہنچا ہے جس کے قدموں کے وہ نشان ہیں۔ جب ہم مرشد کی تربیت اُن سے لینے لگیں گے تو وہ ایسی ہی تربیت کریں گے جیسی اُن کی اپنی ہوتی تھی۔

یہ بہتر ہے یا ایک آدھ کرائی گئی ڈعا۔؟

میں تو عرض کیا کرتا ہوں کہ اگر کوئی ڈاکٹر آپ کا دوست ہے تو بجائے اپنے جاننے والوں کو اُس ڈاکٹر کے پاس علاج کے لیے لے جانے کے آپ اُس ڈاکٹر سے علم طب حاصل کر لیں۔ یوں آپ خود ہی مریضوں کا علاج کرنے لگیں گے۔ آپ مرشد صاحب سے ضرور ملے لیکن کوشش کیجیے کہ اُن سے علم اور تربیت حاصل کر لیں۔

اس راہ میں ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ مرشد صاحب آپ کو انجکشن لگا دیں اور آپ کو علم مل جائے۔ جب آپ مرشد کے پاس جاتے ہیں تو انہیں کاپی کرنے لگتے ہیں۔ جب آپ اُن کے Attitudes towards people اور life Attitude towards people کا پی کر لیں گے تو وہیں جا پہنچیں گے جہاں آپ کے مرشد صاحب پہنچے ہیں۔

سوال: فیض احمد فیض نے کہا تھا

تیری کج ادائیگی سے ہمارے شب انتظار چلی گئی
میرے ضبط حال سے رُخسہ کر میرے غم گسار چلے گئے
نہ سال و فصل نہ عرض غم نہ حکایتیں نہ شکایتیں
تیرے مہد میں دلی زار کے سبھی اختیار چلے گئے

جواب: کہاں فیض جیسا پڑھا لکھا Genius شخص اور کہاں میں! اگر انسان یہ چاہے کہ وہ دنیا میں ہی جنت کے حیرے کو لے تو اسے چاہیے کہ اپنی زبان کو گھٹے شکوے سے روک لے۔ گھٹے شکوے اور شکایتیں کر کے انسان اپنی زندگی کو بھٹی بھٹیاتا ہے اور دوسروں کے لیے بھی شکایات کا سبب بناتا ہے۔

ضبط میں بہت فائدہ ہے۔ ضبط انسان کی اصلیت پر پردہ ڈالے رکھتا ہے۔ جو آدمی اپنے اندر ضبط پیدا کر لے وہ فقر کی اُس راہ پر چل پڑتا ہے جہاں کہا جاتا ہے کہ فقیر جب بھوکا ہوتا ہے تو خود کو پیٹ بھرا ظاہر کرتا ہے جب دکان میں ہو تو سکھ میں ظاہر کرتا ہے تنگ دستی میں ہو تو خوش حالی میں ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے فقیر کے ظاہر بہت سہمی اُس کے اصل حالات کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ دوست اُس پر ترس کھا کر اُس کی مدد نہیں کرتے بلکہ وہ زبردست احسان نہیں ہوتا اور مخالف اُس کا اطمینان و سکون اور مسکراہٹ دیکھ کر

مابین ہوتے ہیں کہ ہم نے اسے اسے ڈکھائیے پھر بھی اس کے سامنے ہر شخص نہیں آتی۔ یہاں سب فقیر کا ضبط حال اور ضبط دیکھ کر وہاں پہنچ جاتے ہیں۔

ضبط حال کا سب سے Advantage یہ ہے کہ فقیر بھی سب کا گھر دکھو نہیں کرے گا۔ آپ کو یہ بات بڑی عجیب لگے گی (جب میں یہ کہتا ہوں کہ چار پہر گزار کے مجھے کھانے کو کچھ نہیں ملا۔ یہ سب کا قصہ نہیں تو کیا ہے؟ جب کہتا ہوں میں بیمار ہوں تو یہ کیوں بھول جاتا ہوں کہ بیماری میں جواب اللہ ہے۔ جب میں اپنے دکھوں کا کسی کے سامنے اظہار کرتا ہوں تو مجھے یہ کیوں یاد نہیں رہتا کہ کھانا کھانے کی طرف سے ہیں۔

جب انسان ضبط سے کام لے تو وہ شکر گزار ہو جاتا ہے۔ وہ ہر حال میں کوئی شکریہ ادا کر سکتا ہے۔ وہ دل سے کہتا ہے الحمد للہ اللہ کا بہت شکر ہے۔

ضبط کمال کی خوبی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس ضبط کا اہل کر دے۔

DVD کیسے سنیں

نمبر	نعت	صفحہ نمبر
1	غور و فکر	207 (15.07.12)
2	کشائشیں دور کرنے کے طریقے	208 (29-07-12)
3	سورۃ الفاتحہ کے اہم مضامین کا خلاصہ	209 (05.08.12)
4	دس کشائشیں	210 (12.08.12)
5	روحانی کیفیات اور بنیادوں کی تیاری	211 (19.08.12)
6	سورۃ التغابن	212 (26.08.12)
7	نفس سے جنگ	213 (09.09.12)
8	اکتساب فیض	214 (16.09.12)
9	مرشد، مرید اور راہِ سلوک	215 (30.09.12)
10	مثبت رویہ اور شکرگزاری	216 (07.10.12)
11	رب پر یقین	217 (14.10.12)
12	عمل سے زندگی	218 (21.10.12)
13	چند مضامین قرآن اور حروف کے اثرات	219 (04.11.12)
14	شکرانِ نعمت	220 (11.11.12)
15	حسن آگہی	221 (18.11.12)

222 (02-12-12)	دوسروں کی نیے	16
223 (10-03-13)	منقل سے ثبت تک	17
224 (17-03-13)	عالم اسرار	18
225 (24-03-13)	علم حصولی و مفہوری اور درستی اعمال	19
226 (31-03-13)	تلاوت قرآن رب تعالیٰ سے ہم کلامی کا ذریعہ	20
227 (07-04-13)	بدون عشق الہی مشاہدہ حق ممکن نیست	21
228 (14-04-13)	توکل علی اللہ	22
229 (21-04-13)	ذوق مناجات سے شوق ملاقات تک	23
230 (28-04-13)	فضیلت تلاوت کلام پاک	24
231 (05-05-13)	سورہ محمد علیہ السلام اور مشاہدہ اسرار	25
232 (21-07-13)	کلام الہی	26
233 (28-07-13)	جمہ کی فضیلت	27
234 (04-08-13)	نور کی لطافت	28
235 (18-08-13)	رب کی رضا اور قرب	29
236 (01-09-13)	اعمال میں اخلاص کی اہمیت	30
237 (08-09-13)	بیت اعمال	31
238 (29-09-13)	پُر اخلاص عبادت کے ثمرات	32
239 (06-10-13)	پرسنالٹی گریمنگ (Personality Grooming)	33
240 (13-10-13)	تصوف اور نقطہ فہمیاں	34
241 (20.10.13)	سورہ القلم کے خاص مضامین اور اسم اعظم	35
242 (08.12.13)	فلسفہ حیات	36
243 (15.12.13)	مضامین سورہ نور	37
244 (22.12.13)	قلوب دارالتحقیق	38
245 (29.12.13)	اللہ نور ہے	39
246 (12-01-14)	ایک خط	40
247 (19-01-14)	آرزو میں	41



Published by:
Jahangir Books

ISBN 978-969-964-004-2

